MAIS414CCT

اسلام اور بین مذہبی مطالعات

(Islam and Interfaith Studies)

ایم۔اے۔(اسلامک اسٹڈیز)

(چوتھا سمسٹر)

نظامت فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

حیدرآباد-32، تلنگانہ-بھارت

© Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad

Course: Islam and Interfaith Studies

ISBN: 978-93-95203-88-3

First Edition: June, 2024

Publisher	:	Registrar, Maulana Azad National Urdu University
Publication	:	2024
Copies	:	800
Price	:	228/-(The price of the book is included in admission fees of distance mode students)
Copy Editing	:	Dr. Mohammad Haziq, DDE, MANUU, Hyderabad
Cover Designing	:	Dr. Mohd Akmal Khan, DDE, MANUU, Hyderabad
Printer	:	Print Time & Business Enterprises, Hyderabad

Masters in Islamic Studies

Islam and Interfaith Studies

4th Semester

On behalf of the Registrar, Published by:

Directorate of Distance Education

Maulana Azad National Urdu University

Gachibowli, Hyderabad-500032 (TS), India

*Director:*dir.dde@manuu.edu.in*Publication:*ddepublication@manuu.edu.in

Phone number: 040-23008314 Website: manuu.edu.in

© All right reserved. No part of this publication may be reproduced or transmitted in any form or by any means, electronically or mechanically, including photocopying, recording or any information storage or retrieval system, without prior permission in writing form the publisher (registrar@manuu.edu.in)

Editors

Prof. Syed Alim Ashraf
Head Dept. of Arabic, MANUU, Hyderabad

Language Editors

Dr. Mohammad Haziq
Assistant Professor (Contractual)/ Guest Faculty, Islamic Studies, DDE, MANUU

Dr. Mohd. Akmal Khan
Assistant Professor (Contractual)/ Guest Faculty, Urdu, DDE, MANUU

ایڈیٹرس

پروفیسر سید علیم اشرف
صدر شعبہ عربی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

لینگویج ایڈیٹرس

ڈاکٹر محمد حاذق
اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)/گیسٹ فیکلٹی، اسلامک اسٹڈیز، ڈی ڈی ای، مانو

ڈاکٹر محمد اکمل خان
اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)/گیسٹ فیکلٹی، اردو، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو

Editorial Board	مجلس ادارت
Prof. Abdul Ali *Former Head, Dept. of Islamic Studies, AMU, Aligarh*	پروفیسر عبدالعلی سابق صدر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
Prof. S. M. Azizuddin Husain *Former Head, Dept. of History & Culture JMI, New Delhi*	پروفیسر ایس۔ایم۔عزیزالدین حسین سابق صدر، شعبہ تاریخ وثقافت، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی
Prof. Mohammad Ishaque *Prof. of Islamic Studies, JMI, New Delhi*	پروفیسر محمد اسحاق پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی
Prof. Mohd. Fahim Akhter *Dept. of Islamic Studies, MANUU*	پروفیسر محمد فہیم اختر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد
Prof. Ghazanfar Ali Khan *Prof., of Islamic Studies, Kashmir Campus, MANUU*	پروفیسر غضنفر علی خان پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، کشمیر کیمپس، مانو
Dr. Abdul Majeed Qadeer Khwaja *Asst. Prof., Islamic Studies, DDE, MANUU*	ڈاکٹر عبدالمجید قدیر خواجہ اسسٹنٹ پروفیسر، اسلامک اسٹڈیز، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو
Dr. Mohammad Haziq *Assistant Professor (Contractual)/ Guest Faculty, Islamic Studies, DDE, MANUU*	ڈاکٹر محمد حاذق اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)/گیسٹ فیکلٹی، اسلامک اسٹڈیز، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو
Dr. Syyeda Amina *Assistant Professor (Contractual)/ Guest Faculty, Islamic Studies, DDE, MANUU*	ڈاکٹر سیدہ آمنہ اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)/گیسٹ فیکلٹی، اسلامک اسٹڈیز، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو

کورس کو آرڈی نیٹر

پروفیسر سید علیم اشرف
صدر شعبہ عربی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

مصنفین	اکائی نمبر
مولانا عمیر الصدیق، ریسرچ فیلو، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڈھ	1،2،3
ڈاکٹر ابرابر احمد، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مولانا مظہر الحق عربک وفارسی یونیورسٹی، پٹنہ	4،15
ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی، علی گڑھ	5،11،12،13،14
ڈاکٹر احمد نعیمی، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی	6،7
ڈاکٹر ریحان اختر، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ تھیالوجی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ	8،9،10
ڈاکٹر جمشید احمد، اسسٹنٹ پروفیسر، ممبئی یونیورسٹی، ممبئی	16

نوٹ: زیر نظر کتاب علمی مواد (Study Material) مختلف مصنفین نے لکھا ہے اور اس سے کو آرڈی نیٹر وایڈیٹر کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

پروف ریڈرس:

اول : ڈاکٹر محمد حاذق

دوم : ڈاکٹر سیدہ آمنہ

فہرست

پیغام	وائس چانسلر	7
پیغام	ڈائرکٹر	8
کورس کا تعارف	کورس کوآرڈی نیٹر	9

بلاک 1 :اسلام کی حیثیت

اکائی 1	مذاہب کا تسلسل ضرورت واہمیت	11
اکائی 2	تکمیل دین اور آخری دین	26
اکائی 3	سابقہ ادیان کی تصحیح	44
اکائی 4	مشترکہ بنیادیں وبقائے باہم	64

بلاک 2 :اسلام اور یہودیت

اکائی 5	قوم یہود اور ان کے انبیاء	76
اکائی 6	توریت ودیگر کتابیں	76
اکائی 7	مشترک تعلیمات اور تحریفات	91

بلاک 3 :اسلام اور نصرانیت

اکائی 8	پیغمبر عیسیٰ اور ان کی قوم	91
اکائی 9	انجیل	120
اکائی 10	مشترک تعلیمات اور تحریفات	134

بلاک 4 :اسلام اور دیگر مذاہب

اکائی 11	پیغمبران خدا	152
اکائی 12	توحید وآخرت	166
اکائی 13	تصحیح عقائد	181

اکائی14	مذہبی رسومات	197
اکائی15	مذہبی آزادی	214
اکائی16	ہندوازم کا تعارف	229
	نمونہ امتحانی پرچہ	265

پیغام

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی 1998 میں وطنِ عزیز کی پارلیمنٹ کے ایکٹ کے تحت قائم کی گئی۔ اس کے چار نکاتی مینڈیٹس یہ ہیں۔ (1) اردو زبان کی ترویج و ترقی (2) اردو میڈیم میں پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم کی فراہمی (3) روایتی اور فاصلاتی تدریس سے تعلیم کی فراہمی اور (4) تعلیم نسواں پر خصوصی توجہ۔ یہ وہ بنیادی نکات ہیں جو اِس مرکزی یونیورسٹی کو دیگر مرکزی جامعات سے منفرد اور ممتاز بناتے ہیں۔ قومی تعلیمی پالیسی 2020 میں بھی مادری اور علاقائی زبانوں میں تعلیم کی فراہمی پر کافی زور دیا گیا ہے۔

اُردو کے ذریعے علوم کو فروغ دینے کا واحد مقصد و منشا اُردو داں طبقے تک عصری علوم کو پہنچانا ہے۔ ایک طویل عرصے سے اُردو کا دامن علمی مواد سے لگ بھگ خالی رہا ہے۔ کسی بھی کتب خانے یا کتب فروش کی الماریوں کا سرسری جائزہ اس بات کی تصدیق کر دیتا ہے کہ اُردو زبان سمٹ کر چند "ادبی" اصناف تک محدود رہ گئی ہے۔ یہی کیفیت اکثر رسائل و اخبارات میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ اُردو قاری اور اُردو سماج دورِ حاضر کے اہم ترین علمی موضوعات سے نابلد ہیں۔ چاہے یہ خود ان کی صحت و بقا سے متعلق ہوں یا معاشی اور تجارتی نظام سے، یا مشینی آلات ہوں یا ان کے گرد و پیش ماحول کے مسائل ہوں، عوامی سطح پر اِن شعبہ جات سے متعلق اردو میں مواد کی عدم دستیابی نے عصری علوم کے تئیں ایک عدم دلچسپی کی فضا پیدا کر دی ہے۔ یہی وہ چیلنجز ہیں جن سے اُردو یونیورسٹی کو نبرد آزما ہونا ہے۔ نصابی مواد کی صورت حال بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔ اِسکولی سطح پر اُردو کتب کی عدم دستیابی کے چرچے ہر تعلیمی سال کے شروع میں زیر بحث آتے ہیں۔ چوں کہ اُردو یونیورسٹی کا ذریعہ تعلیم اُردو ہے اور اس میں عصری علوم کے تقریباً سبھی اہم شعبہ جات کے کورسز موجود ہیں لہٰذا اِن تمام علوم کے لیے نصابی کتابوں کی تیاری اِس یونیورسٹی کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔

مجھے اِس بات کی بے حد خوشی ہے کہ یونیورسٹی کے ذمہ داران بشمول اساتذہ کرام کی انتھک محنت اور ماہرین علم کے بھرپور تعاون کی بنا پر کتب کی اشاعت کا سلسلہ بڑے پیمانے پر شروع ہو چکا ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب کہ ہماری یونیورسٹی اپنی تاسیس کی 25ویں سالگرہ منا رہی ہے، مجھے اس بات کا انکشاف کرتے ہوئے بہت خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ یونیورسٹی کا نظامتِ فاصلاتی تعلیم از سرِ نو اپنی کارکردگی کے نئے سنگِ میل کی طرف رواں دواں ہے اور نظامتِ فاصلاتی تعلیم کی جانب سے کتابوں کی اشاعت اور ترویج میں بھی تیزی پیدا ہوئی ہے۔ نیز ملک کے کونے کونے میں موجود تشنگانِ علم فاصلاتی تعلیم کے مختلف پروگراموں سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔ گرچہ گزشتہ دو برسوں کے دوران کووڈ کی تباہ کن صورتِ حال کے باعث انتظامی امور اور ترسیل و ابلاغ کے مراحل بھی کافی دشوار کن رہے تاہم یونیورسٹی نے اپنی حتی المقدور کوششوں کو بروئے کار لاتے ہوئے نظامتِ فاصلاتی تعلیم کے پروگراموں کو کامیابی کے ساتھ روبہ عمل کیا ہے۔ میں یونیورسٹی سے وابستہ تمام طلبا کو یونیورسٹی سے جڑنے کے لیے صمیم قلب کے ساتھ مبارک باد پیش کرتے ہوئے اس یقین کا اظہار کرتا ہوں کہ ان کی علمی تشنگی کو پورا کرنے کے لیے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا تعلیمی مشن ہر لمحہ ان کے لیے راستے ہموار کرے گا۔

پروفیسر سید عین الحسن
وائس چانسلر

پیغام

موجودہ دور میں فاصلاتی طریقۂ تعلیم کو پوری دنیا میں ایک انتہائی کارگر اور مفید طریقۂ تعلیم کی حیثیت سے تسلیم کیا جاچکا ہے اور اس طریقۂ تعلیم سے بڑی تعداد میں لوگ مستفید ہورہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی نے بھی اپنے قیام کے ابتدائی دنوں ہی سے اردو آبادی کی تعلیمی ضروریات کے پیش نظر فاصلاتی طرز تعلیم کو متعارف کرایا۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا آغاز 1998 میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم سے ہوا اور 2004 میں باقاعدہ روایتی طرز تعلیم (Regular Courses) کا آغاز ہوا اور بعد ازاں متعدد روایتی تدریس کے شعبہ جات قائم کیے گئے۔

ملک میں تعلیمی نظام کو بہتر انداز سے جاری رکھنے میں یو.جی.سی کا مرکزی کردار رہا ہے۔ فاصلاتی تعلیم (ODL) کے تحت جاری مختلف پروگرام UGC-DEB سے منظور شدہ ہیں۔ UGC-DEB اس بات پر زور دیتا رہا ہے کہ فاصلاتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات کو روایتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات سے کماحقہ ہم آہنگ کرکے فاصلاتی تعلیم کے طلبا کے معیار کو بلند کیا جائے۔ چوں کہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی فاصلاتی اور روایتی طرزِ تعلیم کی جامعہ (Dual Mode University) ہے، لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لیے یو.جی.سی۔ڈی.ای.بی کے رہنمایانہ اصولوں کے مطابق Credit Based Credit System (CBCS) نظام متعارف کرایا گیا اور خود اکتسابی مواد (Self Learning Material) از سرِ نو، جس میں یو.جی اور پی.جی طلبا کے لیے چھ بلاک چوبیس اکائیوں اور چار بلاک سولہ اکائیوں پر مشتمل نئے طرز کی ساخت پر تیار کیا گیا ہے۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم یو.جی، پی.جی، بی ایڈ، ڈپلوما اور سرٹیفکیٹ کورسز پر مشتمل جملہ سترہ (17) کورسز چلا رہا ہے۔ ساتھ ہی تکنیکی ہنر پر مبنی کورسز بھی شروع کیے جارہے ہیں۔ متعلمین کی سہولت کے لیے ملک کے مختلف حصوں میں 9 علاقائی مراکز بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر اور 6 ذیلی علاقائی مراکز حیدرآباد، لکھنؤ، جموں، نوح، وارانسی اور امراوتی کا ایک بہت بڑا نیٹ ورک موجود ہے۔ اس کے علاوہ وجے واڑہ میں ایک ایکسٹنشن سنٹر بھی قائم کیا گیا ہے۔ ان مراکز کے تحت سرِ دست 160 سے زیادہ متعلم امدادی مراکز (Learner Support Centres) نیز 20 پروگرام سنٹرس (Programme Centres) کام کررہے ہیں، جو طلبا کو تعلیمی اور انتظامی مدد فراہم کرتے ہیں۔ نظامت فاصلاتی تعلیم اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی.سی.ٹی کا بھرپور استعمال کرتا ہے، نیز اپنے تمام پروگراموں میں داخلے صرف آن لائن طریقے ہی سے دے رہا ہے۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم کی ویب سائٹ پر متعلمین کو خود اکتسابی مواد کی سافٹ کاپیاں بھی فراہم کی جارہی ہیں، نیز آڈیو۔ویڈیو ریکارڈنگ کا لنک بھی ویب سائٹ پر فراہم کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ متعلمین کے درمیان رابطے کے لیے ای میل اور وہاٹس ایپ گروپ کی سہولت فراہم کی گئی ہے، جس کے ذریعے متعلمین کو پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس کے رجسٹریشن، مفوضات، کونسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔ پچھلے دو سال سے ریگولر کاؤنسلنگ کے علاوہ ایڈیشنل رمیڈیل آن لائن کاؤنسلنگ مہیا کی جارہی ہے تاکہ طلبا کے تعلیمی معیار کو بلند کیا جاسکے۔

امید ہے کہ ملک کی تعلیمی اور معاشی حیثیت سے پچھڑی اردو آبادی کو عصری تعلیم کے مرکزی دھارے سے جوڑنے میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم کا بھی نمایاں رول ہوگا۔ آنے والے دنوں میں تعلیمی ضروریات کے پیش نظر نئی تعلیمی پالیسی (NEP-2020) کے تحت مختلف کورسز میں تبدیلیاں کی جائیں گی اور امید ہے کہ یہ فاصلاتی نظام کو زیادہ مؤثر و کارگر بنانے میں مددگار ثابت ہوگی۔

پروفیسر محمد رضا اللہ خان
ڈائرکٹر، نظامت فاصلاتی تعلیم

کورس کا تعارف

نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد کے لیے یہ بات انتہائی باعث مسرت ہے کہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (یو جی سی)، ڈسٹنس ایجوکیشن بیورو (ڈی ای بی) کے 2017 ضابطوں اور دوسرے ترمیمی ضوابط 2018 کے مطابق اسلامک اسٹڈیز کے موضوع پر اردو زبان میں درسی مواد تیار کیا گیا ہے۔ یو جی سی ہدایت کے تحت یونیورسٹی کے روایتی اور فاصلاتی نظام تعلیم کے لیے ایک ہی نصاب لازمی قرار دیا گیا ہے؛ تاکہ نہ صرف ان دونوں نظام تعلیم کے طلبہ کا معیار یکساں ہو، بلکہ حصول تعلیم کے لیے فراہم کی جانے والی مختلف سہولیات کے اس دور میں ایک نظام تعلیم کے طلبہ کے لیے دوسرے نظام تعلیم کی طرف منتقلی بھی قابل عمل ہو۔

ان ضوابط کے تحت یونیورسٹی میں فراہم کیے جارہے تمام مضامین میں روایتی اور فاصلاتی نظام تعلیم کا ایک ہی نصاب تیار کیا گیا، اور اس کے مطابق درسی مواد کی تیاری کی گئی جو بیک وقت دونوں نظام تعلیم کے طلبہ وطالبات کے لیے ذریعہ استفادہ بن سکے۔ یہ مواد بی اے کے تین سالہ (چھ سمسٹرز) کورس اور ایم اے کے دو سالہ (چار سمسٹرز) کورس کے لیے تیار کروایا گیا ہے۔ اس درسی مواد کی تیاری میں ملک بھر کے ماہرین اسلامک اسٹڈیز، دانشوران اور اسلامی علوم پر گہری نظر رکھنے والے علما کی معیاری خدمات یونیورسٹی کو حاصل رہیں، اور اس میں اسلامک اسٹڈیز کے تقریباً تمام ہی موضوعات اور پہلوؤں کا جامع احاطہ کیا گیا۔ اس طرح یونیورسٹی کے ذریعے تیار ہونے والا یہ درسی مواد ایک معیاری، ہمہ گیر اور اسلامک اسٹڈیز کے پورے کورس پر محیط بن کر تیار ہوا، جس سے نہ صرف یہ کہ اسلامک اسٹڈیز کے طلبہ وطالبات کی ایک بڑی ضرورت کی تکمیل ہوئی بلکہ اسلامی مطالعات کے میدان میں قابل قدر اضافہ ہوا۔

اس نصاب کی تیاری میں قدیم نصاب کی خوبیوں کو باقی رکھتے ہوئے ضروری حذف واضافہ اور جدید تحریر کے ساتھ مضامین کی ایسی ترتیب اختیار کی گئی جو دونوں روایتی اور فاصلاتی تعلیم کے نظام کی ضرورت بیک وقت پوری کر سکے۔

یکساں نصاب کی تیاری کے بعد اسی کے مطابق درسی مواد کی تیاری بھی مطلوب تھی جس میں نئے نصاب کے مطابق پرانے تحریر شدہ مواد میں کہیں کم اور کہیں زیادہ حذف وترمیم اور تبدیلی کی ضرورت تھی۔ کئی مقامات پر کم یا زیادہ اضافہ بھی مطلوب تھا۔ بعض ذیلی عناوین پر بالکل نئی تحریر لکھنے کی ضرورت تھی اور بعض جگہوں پر مکمل اکائی کے اضافہ کی بھی ضرورت پیش آئی۔ ان سب کے علاوہ مواد کی ترتیب کو نئے نصاب کے مطابق بنایا گیا۔ نیز ہر اکائی کے تحت اکتسابی نتائج اور متنوع قسم کے سوالات کے تفصیلی نمونے شامل کیے گئے۔ ان تبدیلیوں کے بعد تیار ہونے والا مواد قدیم وجدید کا مجموعہ بن کر سامنے آیا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہم ایم اے کے کورس کی یہ کتاب آپ کے لیے پیش کر رہے ہیں۔ چوتھے سمسٹر کے اس پرچہ کا عنوان "عہد عثمانی اور چھوٹی خاندانی حکومتیں" ہے۔ یہ روایتی تعلیم کے تحت ایم اے سال دوم کے لیے ہے۔ اس پرچہ میں کل سولہ اکائیاں ہیں، جن کو چار بلاک میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان بلاکس میں عثمانی دور، سلجوقی عہد، غزنوی عہد، غوری اور صفوی حکومت کا احاطہ کیا گیا ہے۔ جس میں عثمانی حکومت کا قیام واستحکام، اہم حکمراں، نظم ونسق اور سماجی ومعاشی حالات کے ساتھ زوال کے اسباب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ سلجوقی حکومت کا قیام اور علمی خدمات، غزنوی حکومت کا قیام واستحکام اور ان کی فتوحات وعلمی خدمات، غوری حکومت کا اجمالی خاکہ اور صفوی حکومت کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کتاب میں ان سبھی موضوعات سے متعلق مواد شامل ہے۔

پروفیسر سید علیم اشرف

کورس کوآرڈی نیٹر

اسلام اور بین مذہبی مطالعات

Islam and Interfaith Studies

اکائی 1: مذاہب کا تسلسل ضرورت واہمیت

اکائی کے اجزا:

1.0 تمہید

1.1 مقاصد

1.2 مذاہب کی ضرورت واہمیت

1.3 مذہب کی ماہیت

1.3.1 مذاہب کا تسلسل

1.4 اکتسابی نتائج

1.5 نمونہ امتحانی سوالات

1.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1.0 تمہید

مذہب کی ضرورت کیوں ہے اور انسانوں کے لیے اس کی کیا اہمیت ہے؟ یہ سوال ہر انسانی معاشرہ کے سامنے فطری طور پر آتا ہے، جس طرح انسان کا وجود ہزاروں سال سے ہے اسی طرح مذہب، دین یا زندگی سمجھنے اور گزارنے کی تاریخ بھی اتنی ہی پرانی ہے، جس کا ایک ثبوت ہر قوم میں اور ہر خطۂ زمین پر مذہب کی کسی نہ کسی شکل کی موجودگی ہے اور موجودگی ہی نہیں وقت کے ساتھ ساتھ مذہب نام کی ضرورت کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ بھی ہے، مذہبوں کے تسلسل نے سبھی عام انسانی معاشروں کو اپنی گرفت میں رکھا، اس لحاظ سے مذہب کی ضرورت، اہمیت اور اس کے تاریخی تسلسل کو جاننا ضروری ہے۔

1.1 مقاصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ مذاہب کی اہمیت سے واقفیت حاصل کر سکیں گے اور انسان کی زندگی میں مذہب کی ضرورت کیا ہے اور مذہب کس طریقے سے انسان کی زندگی پر اثر ڈالتا ہے، ان سب سے آگاہی حاصل ہو گی۔

1.2 مذاہب کی ضرورت واہمیت

کائنات کا وجود ایک حقیقت ہے، اس کائنات میں کرۂ ارض یعنی موجودہ دنیا کا اپنا وجود ہے اور دنیا ہے تو اس میں بہت سی مخلوقات ہیں جن کی الگ الگ شکلیں ہیں، الگ الگ صلاحیتیں ہیں، جن میں زندگی کے لیے جن عناصر کی ضرورت ہوتی ہے وہ بھی کسی نہ کسی درجہ میں پائے جاتے ہیں، جیسے نمو، افزائش، قوت اور پھر فنا ہونے کی منزلیں وغیرہ، جمادات، نباتات، حیوانات، یہ سب اپنے خاص وجود ہی کی وجہ سے دنیا کو عالم موجودات کا نام اور خصوصیت عطا کرتے ہیں، موجودات کی اسی دنیا میں انسان بھی ہے جس کو عقل اور علم کی ممتاز ترین صلاحیتوں کی وجہ سے دوسری مخلوقات پر فوقیت بخشی گئی، انسان کی تاریخ صاف بتاتی بھی ہے کہ دوسری تمام موجودات و مخلوقات پر امتیازی شان عطا کیے جانے میں کائنات کی ہر شے جس کا کوئی بھی نام ہو اس کے خواص اور خصوصیات کا علم بھی شامل ہے، یعنی کائناتی یا تکوینی علوم دیے جانے ہی سے سب سے پہلے انسان یعنی آدم کو اس کائنات کو وجود میں لانے والی قوت یا دوسرے الفاظ میں اللہ یا خدا نے اس دنیا میں اپنے جانشین ہونے کی عزت بخشی، یہ نائب ہونے کا منصب فخر کے لائق ہے تو اسی سے انسان کی ذمہ داری بھی طے ہو جاتی ہے اور وہ ہے اللہ کے نظام کو زمین پر قائم کرنا، انسان کو جسم اور روح کے جس مرکب سے تیار کیا گیا وہ اسی فرض کی انجام دہی کے اعتبار سے ہے، انسان کی نسل خود اپنی صلاح و فلاح کے لیے اس فرض کی محتاج ہے اور اس طرح ہے کہ خود اسی انسانی نسل میں کسی بہتر اور کامل انسان سے فائدہ اٹھائے اور اس کو اپنا رہنما بنالے، یہیں سے مذہب یا دین کی ضرورت سامنے آتی ہے۔ (تفسیر ماجدی، حصہ اول)

مذہب یا دین کی ضرورت کے بعد انسانوں کی تاریخ میں زندگی گزارنے کے بے شمار نظام سامنے آئے، کچھ کا تعلق تو سیاست اور حکومت تک ہی محدود رہا، آج کے زمانہ میں جمہوریت، اشتراکیت، آمریت، بادشاہت وغیرہ اس کی مثال ہیں، اسی طرح آج ایک اور نظام سائنس کا ہے، سائنسی نظام یہ بتاتا ہے کہ انسان مادی چیزوں کو کن کن نئے طریقوں سے استعمال میں لا سکتا ہے، اس قسم کے نظام انسان کے اپنے بنائے ہوئے ہیں، چونکہ یہ انسان کی اپنی عقل کی پیداوار ہیں، اس لیے ہر دور میں کوئی نیا نظام کسی نئے خیال اور نئے تجربہ کی پیداوار ہی سمجھا گیا، چونکہ یہ انسانی عقل کی محنت کا نتیجہ بنتا رہا اس لیے اس میں بنیادی تبدیلیاں بھی ہوتی رہیں اور ہوتی رہتی ہیں، غور سے دیکھا جائے تو انسانوں کی عقل و دانش سے نکلنے والے خیالات اور پھر عملی شکل میں ظاہر ہونے والے تجربات کا دائرہ عمل بہت محدود ہوتا ہے، انسان کی ہستی اور اس کا وجود معین اور مقرر ہونے کے باوجود محدود نہیں رہتا، کیوں کہ اس کی ہستی ہمہ وقت متحرک رہتی ہے، متحرک ہستی کے لیے وقتی نظاموں میں مجموعی طور پر ہدایت پانے اور انسان ہونے اور پھر قادر مطلق کے نائب ہونے کے لیے جو سامان ضروری ہے وہ نہیں ملتا، اس لیے ان نظاموں کو دستورِ حیات کہا ہی نہیں جا سکتا، یہ محض دعویٰ نہیں پوری معلوم انسانی تاریخ کی گواہی ہے کہ عقل اور ذاتی خواہش کی

بنیاد پر زندگی کا جو بھی دستور سامنے آیا وہ ناکام ہی رہا، ظاہر ہے اس ناکامی کے بعد انسانوں کی ضرورت کو کسی اور نظام زندگی یا دوسرے لفظوں میں قانونِ حیات کا خواہش مند ہونا ہی ہے۔

یہ قانون حیات بھی پہلے انسان کے وجود سے ہی انسانوں کے لیے اجنبی نہیں رہا، ہر دور میں انسانی معاشرہ کی بقا، ترقی، تحفظ اور سب سے بڑھ کر تقدس کے مطالبوں کو پورا کرنے کے لیے انسانوں کو پیدا کرنے والے کے بنائے ہوئے اسی قانون کی شکل میں دیکھا گیا، اس کو مکمل ہدایت نامہ بھی کہا گیا اور اس لیے کہا گیا کہ یہ خدائی قانون ہر لمحہ انسان کو کلّی اور جزوی ہدایتیں دیتا رہتا ہے کہ کیا کرنا فائدہ مند ہے، کون سی چیز مضر اور مہلک ہے، زندگی کے معنی کیا ہیں، کس چیز کی جانب انسانی خواہش لے جاکر صلاحیتوں کو کند کر دے گی اور وہ کون سی قدریں، اصول اور ضابطے ہیں جو تہذیب کا ایک بہترین، اعلیٰ اور کامل ڈھانچہ تعمیر کر دیں گے، انسانوں کی ہر ضرورت کو سامنے رکھنے والا اور ان کی دنیا اور ان کی زندگی کو بامقصد اور بامعنی بنانے والا یہی قانون ہے جو انسانی عقل و جذبات سے بلند ہو کر فوق البشر قانون کی شکل میں سامنے آتا ہے اور اسی کو مذہب یا دین کا نام دیا جاتا ہے۔

مذہب کی تاریخ اس لیے بہت دلکش ہے اور دل و دماغ کو سوچنے سمجھنے کی طاقت دینے کی صلاحیت رکھتی ہے کہ مذہب کیسے مذاہب میں بدل گیا؟ انسانوں کے خالق کا دیا ہوا نظام یا زندگی کا ہدایت نامہ اگر ایک الٰہی قانون ہے تو پھر اب ہم بجائے مذہب کے مذاہب کے تسلسل کی بات کیسے کرنے لگے؟

اس سوال کا جواب یوں دیا گیا کہ آج انسان کو دین کی تاریخ کا مطالعہ کرنے اور اس کو بغور سمجھنے کے لیے بنیادی طور پر کتابوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یہ وہ کتابیں ہیں جن پر مختلف مذہبوں اور دینوں کی بنیاد پڑی ہے، مثلاً وید ہے، اوستا ہے، بدھ کے فرمانوں اور وعظوں کا مجموعہ ہے، بائبل ہے، قرآن مجید ہے، زمانے اور مقامات کے لحاظ سے انسانوں کی دنیا میں یہ ہدایت نامے اور ان کی موجودگی اتنا تو صاف اشارہ کرتی ہیں کہ یہ سب کسی ایک ہی سرچشمہ سے سیراب ہوئی ہیں، اس حقیقت کو محسوس کرنے کے بعد ذہن میں خیالات کی گردش کا تیز ہونا فطری بات ہے جس کا اظہار ایک جگہ اس طرح دیکھنے میں آیا کہ:

> ”عظیم ترین ہستی تو صرف ایک ہی ہے اور اس کا وجود بھی ہمیشہ سے ہے، سورج، چاند، نباتات، حیوانات اور دوسری تمام غیر انسانی مخلوقات ہمیشہ سے ایک ہی قانون کو اپنائے ہوئے ہیں، اس میں کوئی قابل ذکر تبدیلی نظر نہیں آتی، انسان کو بھی اسی ہستی نے پیدا کیا اور انسانی فطرت بھی کبھی تبدیل نہیں ہوئی، ہاں انسان کو علم و عقل کے ذریعہ جو صلاحیت دی گئی اس کے نتیجہ میں ضرورت کے تحت ایجادات یا نئی نئی چیزوں کو بنانے میں انسان کو جو کامیابی ملی اس سے اس کے معاشرہ میں وہ مرحلے آتے رہے جن کو تبدیلی یا ترقی کا نام دیا جاتا ہے، اس لیے یہ ممکن ہے کہ دنیا کے سب سے پہلے انسان کو جو قانون عطا کیا گیا ہوگا، ہو سکتا ہے کہ وہ دائمی حیثیت سے پہلے انسان کو دیا گیا ہو اور اس میں ایک طویل مدت پر سطحی تبدیلیاں کی جاتی رہی ہوں“۔

اس امکان یا نظریہ کو ثابت کرنے کے لیے یہی طریقہ ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ شروع میں مذہب کی کیا حیثیت تھی اور مذہب

کے ماننے والے اپنے کو کس نام سے یاد کرتے تھے، اوپر جن مذاہب کی قدیم کتابوں کے نام لیے گئے ان میں اس موضوع پر خاموشی ملتی ہے، ان کے بعد بائبل میں بھی ایسے سوالوں کے جواب نہیں ملتے، سوال ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ اس کا ایک جواب یہ دیا گیا کہ:

"بات یہ ہے کہ ان کتابوں کا اصل متن (Text) کہیں موجود نہیں، ان کی اپنی زبان کے بارے میں بھی کہیں کوئی قطعی رائے نہیں، ان کتابوں کو سب سے پہلے تحریر میں لانے والے لوگوں کی کوئی معتبر تاریخ بھی موجود نہیں اور پھر ان کتابوں میں ایسی عبارتیں بھی موجود ہیں جو خالق کائنات کے قانون قدرت سے مطابقت نہیں رکھتیں، بہت سی باتیں ہیں جو آپس میں ٹکرانے والی ہیں، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ سب ثبوت اس بات کا ہے کہ ان کتابوں کی اصل شکل کو بدلا گیا یا بگاڑا گیا، یہیں سے ایک ایسے مذہب کو پہچاننے کی ضرورت پیدا ہوتی ہے کہ جہاں قدیم مذاہب اور ان کی شخصیتوں، کتابوں اور ان کی تعلیمات وہدایات کی تاریخی سچائیوں پر پردہ پڑنے کے بعد تاریخ کے اصول وضوابط کے تحت ہر حقیقت بالکل عیاں ہو جائے"۔

یہاں ایک بار پھر مذہب کی ضرورت واہمیت پر کچھ اور تحریروں کا خلاصہ پیش کرنا مناسب ہے، مثلاً ایک مصنف لکھتے ہیں کہ:

"جو لوگ نفس ودولت کے بندے اور غلام ہیں وہ مذہب کی حقیقت سے ناآشنا اور محروم ہیں، ان کے نزدیک مذہب محض چند عبادتوں، پرارتھناؤں اور جلسہ جلوسوں کا کر لینا ہے اور یہی نجات اخروی کی کامیابی کی دلیل ہے، حالانکہ انہیں اس بات کا علم نہیں کہ مذہبی تصورات اور عبادات کا ایک خاص مقصد ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان اچھائیوں اور نیکیوں کا مجسمہ بن جائے، خدا کا کوئی حکم، حکمت ومصلحت اور مقصد سے خالی نہیں ہے، کائنات پر ایک نگاہ ڈالو تو اس کی حقیقت عیاں ہو جائے کہ خدا نے کوئی چیز بغیر کسی سبب ومقصد اور غایت وحکمت کے پیدا نہیں کی ہے، کائنات کا مشاہدہ بتلاتا ہے کہ یہ زمین و آسمان، یہ چاند یہ سورج، اختلاف لیل ونہار، پہاڑ، جنگل، ہوائیں، فضائیں، پھولوں کی رنگارنگی، بجلیوں کی کڑک، ذروں کی چمک، کوئل کی کوکو اور پپیہے کی دل گداز صدائیں بغیر کسی سبب ومقصد کے موجود نہیں، ان اشیا کی اس درجہ ضرورت ہے کہ بغیر ان کے زندگی دشوار اور محال ہے، تو اگر ان اشیا سے وہ مقصد پورا نہ ہو تو اول نظام زندگی درہم برہم ہو جائے، دوسرے ان کا وجود ایک فعل عبث اور خدا پر فعل عبث اور تخلیق بے مقصد کا الزام الگ اور اشیا بیکار وبے سود محض، بالکل اسی طرح مذہبی تصورات ومجاہدات کا مقصد روح کا تزکیہ، صفائی، چمک، روشنی اور حسن اخلاق ومعاملات اور اتحاد واتفاق کا پیدا ہونا ہے، ایک نظر نہ آنے والی ہستی جو اس کائنات کے نظام کو چلا رہی ہے اس کے نزدیک انسانوں میں کوئی فرق وامتیاز نہیں، سب کی شکل وصورت، یکساں فہم وبصیرت کی طاقت وقوت ایک، کیا ہندو کیا مسلمان، سکھ ہو کہ عیسائی، یہودی ہو کہ نصرانی، ان انسانوں میں محبوب اور پیارا وہی جو جتنا زیادہ خدا کے احکام وہدایت پر عمل کرنے والا ہو، مطیع وفرماں بردار ہو، ایمان ویقین سے بھرپور اور متقی اور پرہیزگار ہو"۔

"مذہب کی ضرورت اس درجہ فطرت کے مطابق ہے کہ اس کے لیے دلیلوں اور بحثوں کی بھی حاجت نہیں، مذہب کے معاملہ میں اصل معاملہ اس تصور کا قائم کرنا ہے، تصور بہت معمولی مقاصد کے حصول کے لیے ضروری ہے تو پھر

دین اور خدا کی معرفت جیسے اعلیٰ مقصد کے لیے یہ تصور کتنا قیمتی ہے، مذہب کی صحیح واقفیت اس کے بنیادی تصور کے بغیر ممکن ہی نہیں"۔

1.3 مذہب کی ماہیت

مذہب کی ماہیت اور ضرورت کو سمجھنے کے بے شمار پہلو ہیں لیکن غور سے دیکھا جائے تو سب کا ماحصل وہی ہے جو اوپر کے بیانیہ میں آچکا ہے یعنی مذہب اپنی بنیاد اور ماہیت کے اعتبار سے انسان کے اپنے خالق کے ساتھ تعلق کو صحیح طور پر استوار کرنے کا نام ہے، یہ بھی حقیقت یہاں سامنے رہتی ہے کہ انسانی زندگی اپنی بقا اور تکمیل کے لیے صرف ایک رخی اور ایک روحانی پرواز ہی کی ضرورت مند نہیں بلکہ انسان کو اپنے ہم جنسوں کے ساتھ ایک ملی جلی زندگی ایک عرصہ تک گزارنا بھی ہے اور اس باہمی میل جول کا اثر انسان کے خدا سے تعلق پر بھی پڑتا ہے، اس لیے مذہب کی ضرورت ہے کہ وہ خدا کے بعد انسانوں کے باہمی تعلقات کو بھی متعین کرتا ہے اور پھر اسی سلسلے میں ضرورت پڑتی ہے کہ انسانوں کے باہمی حقوق و فرائض کا بھی ایک متعین ضابطہ ہو اور انسان ہی کیا، دنیا اور کائنات کے غیر انسانی مخلوق سے اس کا معاملہ کیا ہو، یعنی خدا، انسان اور کائنات تینوں کے بارے میں مذہب ایک متعین راہ بنا دیتا ہے، مذہب کی ضرورت کے بحث میں یہ زاویہ نظر بہت دلچسپ ہے کہ مذہب انسانی معاشرہ کی جائز ضرورتوں کو متعین کرتا ہے اور جو چیزیں اس راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں ان پر پابندی لگا دیتا ہے تو پھر مذہب خود مذہب کیوں مختلف دائروں اور ٹکڑوں میں کیوں تقسیم ہو جاتا ہے، اس کے لیے ایک مفکر کا یہ خیال، مطالعہ اور غور و فکر کے لائق ہے کہ ہزاروں برس سے بہت سے مذہبوں کی بات ہوتی ہے کہ یہ سب مختلف مذاہب ہیں، حالانکہ جس طرح انسان ایک نوع ہے، اس کی زندگی کا طریقہ بھی ایک ہونا چاہیے اور مذہب چونکہ انسان کا ایک فطری طریقہ حیات ہے اور جس سے انسان دوسروں سے ممتاز ہوتا ہے، اس لیے اس کو صرف ایک ہونا چاہیے، اس کا جواب مذہب کی ضرورت اور اہمیت کی بحث میں ہمارے سامنے رہنا چاہیے، مثال کے طور پر ایک مفکر کی یہ باتیں غور کرنے کے لائق ہیں کہ:

اختلاف مذہب کا بنیادی سبب یہ ہے کہ تاریخ کے مختلف زمانوں میں انسانی شعور کے درجات، اپنی قوت اور اپنی کمزوری کی وجہ سے کم و بیش ہوتے رہتے ہوں، شعور زیادہ طاقتور یا زیادہ گہرا ہو یا پھر یہ شعور، علم و عقل کی کمی کی وجہ سے کمزور ہو تو ان صورتوں میں مذہب کے تعین یا مذہب کے کردار کی شکلیں بھی مختلف بنتی گئیں، انسان کی تاریخ کے جو اولین نقوش ملتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان جب اپنے بنانے والے خالق و معبود کی تلاش میں نکلا تو عموماً چند بہت زیادہ نفع بخش یا پھر نقصان دہ چیزوں کی عظمت میں الجھ کر وہیں تلاش معبود کے سفر کو ختم کر دیا، یہ سمجھ کر کہ اس کی منزل مقصود یہی ہے، پھر وہ دور بھی تاریخ پیش کرتی ہے جب انسان کو کائنات میں اپنی ہستی کی اہمیت کا احساس ہوا تب اس نے بڑی بڑی انسانی شخصیتوں کو بھی اپنے معبودوں کی صف میں جگہ دے دی، یہ مناظر پرستی یا شخصیت پرستی قدیم ترین مذہبوں کی پہچان میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

تاریخ کا دھارا آگے بڑھا تو بہت سے خود تراشے ہوئے خداؤں کو چھوڑ کر انسانی عظمت کا قائل ہو کر انسان نے کسی ایک انسان کو ہی

کامل سمجھ کر اس کو خدائی کا درجہ دے دیا۔

تاریخ نے اس تبدیلی کے بعد پھر وہ منظر دکھایا جہاں گذشتہ رویوں کے خلاف بغاوت کی شکل میں خالق ومالک کا ایک عالم گیر تصور نظر آیا یعنی صنم پرستی اور شخصیت پرستی دونوں کو رد کرتے ہوئے ایک خدا کا اعلان کیا گیا اور اس کو عالمگیر پیمانہ پر پیغام کی شکل دی گئی۔

مذہب کے وجود اور اس کے سفر کے تسلسل سے مذہب کے مختلف رنگوں اور شکلوں میں بدل جانے کی ایک یہ بیان کی گئی، جس کا خلاصہ یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ انسان اپنے خالق ومالک کے تعلق سے الگ الگ مرحلوں سے دوچار ہوا، دوسری وجہ یہ بتائی گئی کہ ٹھیک اسی طرح انسان اپنے ہم جنسوں سے تعلق کے مرحلوں سے دوچار ہوا، شروع میں اس کی نگاہیں قبیلہ وارانہ حدوں تک پہنچ کر رک گئیں، وقت گزرنے کے ساتھ یہی نگاہیں قومیت کے دائروں میں نظر آنے لگیں، بعد میں تاریخ کا سفر آگے بڑھا تو قومیت کا دائرہ کچھ بڑھ کر بین الاقوامیت کے دائروں تک پہنچ گیا، مثال کے طور پر عیسیٰ مسیحؑ تو اصولاً بنی اسرائیل کی اصلاح کے لیے ایک محدود دائرہ میں نظر آتے ہیں لیکن ان کے بعد سینٹ پیٹر نے ایک خواب کے ذریعہ محسوس کیا کہ یہ دائرہ وسیع ہونا چاہیے، نتیجہ یہ ہوا کہ کم از کم پورا یورپ ایک مذہبی پہچان کے ساتھ ایک الگ معاشرتی طاقت میں نظر آنے لگا اور پھر وہ وقت بھی تاریخ نے دکھایا کہ مذہبوں کے سمٹتے پھیلتے دائروں کی جگہ قبیلہ اور قوم اور علاقہ سے ہٹ کر اور اٹھ کر مذہب نے انسان اور اس کے خدا کے تعلق میں ساری رکاوٹوں کو دور کر کے ایک عالمی اخوت کی شکل پیش کر دی۔

اختلاف مذہب کو سمجھنے کی دوسری شکل کے بعد تیسری شکل پر بھی نگاہ ڈالی جانی چاہیے، اوپر ہم نے بتایا کہ انسان اور اس کے خالق کے تعلق کی تیسری نوعیت میں انسان اور باقی کائنات کا تعلق آتا ہے، تاریخ پھر یہاں ہماری رہنمائی کرتی ہے کہ شروع کے دور میں انسانی عظمت وشرافت کا تصور مدھم مدھم رہا، لیکن جیسے جیسے تاریخ کے صفحات کھلتے گئے تو انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا تصور واضح سے واضح تر ہوتا گیا، قدیم ترین مذہبوں کے مقابلے میں جدید ترین مذاہب نے اپنا مرکزی اصول، اصول خلافت قرار دیا یعنی خدا کے نائب ہونے کے انسان کی شناخت ہی کو اصل بنایا گیا کہ انسان اس کائنات کی سب سے زیادہ افضل واشرف مخلوق ہے، اس لیے اس فضیلت وشرافت کی بنا پر اسے کائنات کے ذخیروں کو اپنی ضرورت کے لیے استعمال کرنے کا اخلاقی حق حاصل ہے۔

اب تک کی بحث میں مذہب کی ضرورت واہمیت اور پھر انسانوں کی تاریخ میں اس کے ارتقا اور تبدیلیوں کی شکلوں اور ان کے اسباب کی جانب اشارہ کیا گیا، جس میں یہ سوال سب سے زیادہ جواب طلب رہا کہ مذہب جب انسانوں کی ایک ناگزیر ضرورت ہے اور اسی لیے اس کی اہمیت ہے تو پھر انسانوں کی تاریخ کے تسلسل کے ساتھ مذہب کے تسلسل میں یکسانی، ایک ہی راستے کی ہمواری اور ایک ہی منزل کی نشان دہی میں اتنا اختلاف کیوں؟ اوپر جو کہا گیا اس کا خلاصہ یہی ہو سکتا ہے کہ مذہب اپنی حقیقت کے اعتبار سے صرف ایک ہونے پر بھی بے شمار شکلوں میں عملی طور سے اس لیے بکھر گیا کہ مذہب نے جس طرح تاریخ کے مختلف موڑ اور پڑاؤ پر اپنے کو نمایاں کیا، اس میں بجائے اس کے کہ اسے اس سلسلہ یا تسلسل کی تدریجی کڑیاں سمجھتے ہوئے ایک مربوط شکل میں دیکھا جاتا اور ہر ارتقا کے مرحلے کو مذہب کی ایک نوع سمجھا جاتا، ہوا یہ کہ ہر دور اور موڑ کی کڑی کو ایک الگ مذہب بنالیا گیا اور پھر اپنی اپنی ضرورتوں کے مطابق اس میں مختلف وقتی انداز کی شاخوں کو شامل کر لیا گیا۔

یہ تو مذہب کے مختلف ہونے کے ایک سبب کا بیان تھا، دوسرا سبب یہ سامنے آیا کہ انسان مسلسل پوری دنیا کے مختلف جغرافیائی دائروں میں بٹتا، سمٹتا اور پھیلتا رہا، جغرافیائی دائروں نے قومی ولسانی دائروں میں بھی بسا اوقات انسان کو اس طرح تقسیم کر دیا کہ خدا، انسان اور کائنات، ان تینوں کے تعلق کو متعین کرنے کا بہت ہی کم موقع ملا، نوع انسانی کی عالمگیر حیثیت کی جگہ مقامی حالات واثرات کے غلبہ نے تنگ خیالی کو بڑھاوا دیا، انجام یہ ہوا کہ انسان کا مذہب انسان کے بنائے ہوئے فرقوں میں بٹ گیا۔

اس سلسلہ میں ایک تیسرا سبب یہ بھی بتایا گیا کہ انسان کوئی مشینی مخلوق نہیں کہ اگر ایک بار اس کو ایک سانچے میں ڈھال دیا گیا تو پھر وہ ہمیشہ ایک ہی انداز سے حرکت کرتا رہے گا، مشین کے برعکس انسان کے وجود میں ارادہ کی خصوصیت بھی شامل کر دی گئی، ارادوں نے جذبات کی راہ بنائی، پھر اس کو ماحول سے بہت زیادہ متاثر ہونے کی صلاحیت بھی ملی، ارادہ، جذبہ ماحول کی اثر پذیری اور دل پسند مشغلے، یہ سب بسا اوقات فطری راہ سے ہٹانے میں بھی اثر انداز ہوتے ہیں اور پھر انسان کے عمل کو غیر متوازن بھی بنادیتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تینوں فطری تعلقوں میں جھکاؤ کبھی ایک کی جانب زیادہ ہوتا ہے اور کبھی دوسرے کی جانب، یہیں سے مذہب میں اختلاف کی شروعات ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ اس کے بعد انسان ایک ہی صراطِ مستقیم سے ہٹ کر اور مختلف راستوں میں بٹ کر اصل منزل مقصود کو پانے اور اس کی رہنمائی کرنے کے قابل نہیں رہتا۔

یہ ساری بحث کچھ دیر کے لیے فلسفیانہ معلوم ہوتی ہے مگر حقیقت یہی ہے کہ ایک مذہب یا عام مفہوم میں مذہب کے سفر کے تسلسل میں جو اب تک پیش آیا ہے اس کی وجہوں یا اسباب کی تلاش میں یہی حقیقتیں سامنے آتی ہیں، ورنہ انسان کی ضرورت کے لیے مذہب کی اہمیت ہمیشہ سامنے رہی، پھر بھی اصل کے اعتبار سے ایک ہونے کے باوجود ہزاروں فرقوں میں بٹ جانے کے اور کیا اسباب ہوسکتے ہیں؟ ہاں ایک سبب اور بھی بتایا گیا، اس کو بھی اس بحث میں سامنے رکھنا چاہیے اور وہ ہے انسانی معاشرہ میں ایسے لوگوں کا ظہور جن کے دل میں انسان کی فلاح وبہبود کا کوئی جذبہ یا داعیہ نہیں ہوتا، ان کے دل یقین سے خالی ہوتے ہیں مگر ایسے لوگ صرف اپنی شخصی یا ذاتی اہمیت کو ظاہر کرنے کے مقصد سے اور اپنی ذاتی اغراض بلکہ ہوس کو تسلی دینے کے لیے مذہب کی نئی نئی تشریح کرتے ہیں یا پھر تجدید اور پھر تاسیس کا دعویٰ بھی کرنے لگتے ہیں، انسانوں کی کوئی متحدہ سوچ، عمل اور مقصد ان کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہے، مذہبی مقاصد اظہار حق اور فلاح انسانی کے لیے خاص ہیں، جب ان کو ذاتی تشہیر اور مالی ولہوی اغراض کے لیے استعمال کیا جانے لگتا ہے تو پھر قوم کی اخلاقی، روحانی اور معاشرتی بے شمار بیماریوں اور برائیوں کا شکار بن جاتی ہے اور پھر مذہبی انارکی کا وہ دور سامنے آتا ہے جس کے خاتمہ کے لیے اصل مذہب کو پھر سے انسانی بقا کے لیے اپنے تسلسل کو نئی رفتار دینے کے لیے ظاہر ہونا پڑتا ہے۔

اب تک جو کچھ کہا گیا وہ مذہب کی ضرورت، اس کی اہمیت کے بارے میں ہے، یہ بات بھی درمیان میں آگئی کہ مذاہب بہت سے مذہبوں میں کیسے تقسیم ہوگیا؟ انسانی معاشرہ میں ارتقا اور تدریج اور پھر تقسیم کی ان شکلوں کے اسباب کیا تھے؟ اور کیوں ان تمام تغیرات کے ساتھ مذہب کی ضرورت اور اس کی اہمیت کبھی ختم نہیں ہوئی، بلکہ اس کے برعکس ہر نئے مذہب یا دوسرے الفاظ میں پرانے مذہب کے بگڑے ہوئے ڈھانچہ کو درست کرنے کی نئی کوششوں سے مذہب کی اور زیادہ صحیح اور نکھری شکل سامنے آگئی۔

ایک اشارہ اس بحث میں یہ بھی سامنے آیا کہ انسانی زندگی یا انسانی تاریخ کا پہلا دور اصل میں مافوق الفطرت موجودات اور قوتوں کی پرستش اور عبادت کا پتہ دیتا ہے، اس وقت انسانی زندگی بہت سادہ، ضروریات بہت کم اور بآسانی فراہم ہو جانے والی تھیں، زندگی آسانی سے گزرنے والی چیز تھی، ایسے میں انسان کے دل اور ذہن کی آسودگی اور تسکین کے لیے کسی سب سے بڑی ہستی کا فطری تخیل کافی تھا، جس کو وہ کائنات کے مختلف مظاہر میں دیکھتا یا محسوس کرتا تھا، یہی احساس فطرت کے تقاضے کے طور پر ایک سب سے بلند، ازلی اور ابدی ذات والے معبود کے تصور میں بدل گیا لیکن ایک قول کے مطابق "فکر انسانی کی ناپختگی اور خام کاری نے مظاہر قدرت کی کثرت کو ایک سب سے برتر ذات کو پہچاننے میں رکاوٹ بنادیا"۔ لیکن جب انسان نے گھریلو زندگی سے لے کر قبائلی زندگی اور پھر مملکت والی شکل اختیار کی تو پھر اجتماعی فرائض وواجبات کا اثر مذہبی تصور پر بھی پڑا، اس کے نتیجے میں جو ابتدائی مذاہب سامنے آئے ایک بیان کے مطابق یہ شنٹو مذہبی، تاؤمت، کنفیوشنسی دین، بدھ مت اور ہندومت ہیں، اس کی تفصیل میں جائے بغیر صرف چند بیانوں سے بہت کچھ سمجھا جاسکتا ہے، 1993ء میں جاپان سے ایک کتاب شائع ہوئی، نام تھا "دی رائز آف اے پگن اسٹیٹ" اس کے مطابق اوپر بیان کیے گئے ابتدائی مذہب اصنام پرستی کی ترقی یافتہ شکلیں ہیں، ٹوکیو یونیورسٹی کے ڈاکٹر کرنجی کاٹو نے لکھا کہ اگر ہم تاریخ کے وسیع ترین دور کو پیش نظر رکھیں تو شنٹو مذہب کے ارتقا میں تین بڑے تہذیبی دوروں سے دوچار ہوتے ہیں، پہلا دور وہ ہے جو فطرت پرستی یا ارواح پرستی کا ابتدائی دور ہے، دوسرا دور اعلیٰ فطرت پرستی کا ہے جس کو متعدد دیوتاؤں کی عبادت کہہ سکتے ہیں، تیسرا وہ ترقی یافتہ دور شنتو مذہب کا کہلاتا ہے جہاں عقیدہ اور عمل اول درجہ کے اخلاقی وفکری اثرات کے تابع ہو گئے۔

اسی طرح کنفیوشس مذہب کے بارے میں لکھا گیا کہ قدرت کے بعد وطن کو بحیثیت خدا اور اسلاف پرستی کے قبول کر لیا۔

تاؤمت کے بارے میں لکھا گیا کہ یہ دراصل اوہام اور جادوٹونوں کا انبار ہے، اس کا بانی لاوتی ہے جو عالم ارواح سے مدد لے کر جنوں پر قابو پالینے کی بات کرتا تھا تاکہ اسلاف کی روحیں نسل در نسل منتقل ہوتی رہیں اور لاوتی والے ان کے اختیارات کے وارث بنیں۔

یہ بھی بتایا گیا کہ یہی حال بدھ مت کا ہے جس کی تعلیمات ثاوی کی تعلیمات کی طرح اخلاقی پہلو کی حد تک محدود ہے، تاؤمت اور بدھ مت میں فرق ہے تو کہ تاؤمت حکومت یا سیاسی تنظیم کے اصول و مقاصد سے کوئی مطلب نہیں رکھتا، موافق نہ مخالف لیکن بدھ مت اس سے عملاً بیزاری اور بے تعلقی کا اظہار کرتا ہے، اس طرح وہ کنفیوشس اور شنتو مذہبوں کی عین ضد ہے جن کا مقصد ہی حکومت اور سیاست ہے، بدھ مت کی تعلیمات کا سارا زور صرف اس بات پر رہا کہ انسان خواہشات کو فنا کر کے اور وجود کو مٹا کے زندگی کی تمام تکلیفوں اور مصیبتوں سے چھٹکارا حاصل کر لے۔

1.3.1 مذاہب کا تسلسل

ان ابتدائی مذہبوں کا ذکر کرنے میں ایک بار پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر مذہب ہے کیا؟ اس سوال کا بنیادی جواب شروع میں آچکا ہے لیکن جب مذہب کے تسلسل کی بات جاری ہو تو ایک بار پھر موجودہ زمانہ کے خصوصاً یورپ کے جدید مورخین، مفکرین، فلسفی اور دانشوروں کے خیالات کو مختصراً دیکھ لینا چاہیے، مثلاً مشہور مغربی مفکر اور فلسفی کانٹ کے نزدیک "ہر فریضہ کو خدائی حکم سمجھنا مذہب

ہے"، پروفیسر وائٹ ہیڈ کا قول یہ نقل کیا گیا کہ مذہب عقیدہ کی اس قوت کا نام ہے جس سے انسان کو اندرونی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور یہ کہ مذہب عالمگیر وفاشعاری کا نام ہے، اس کا یہ قول بھی ظاہر کیا گیا کہ انسان جو کچھ اپنی ذات کی تنہائی سے کرتا ہے وہ مذہب ہے، یہ قول نقل کرنے میں شاید کچھ کمی رہ گئی جس کی وجہ سے یہ جملہ واضح نہیں ہو سکا، غالباً اس سے مراد یہی ہے کہ انسان اپنی ذاتی زندگی میں جب وہ تنہا اور خود مختار ہوتا ہے اس وقت دل اور روح سے متعلق جو کچھ وہ سوچتا اور کرتا ہے وہی مذہب ہے۔

میکس ملر بھی عظیم دانشور ہے، اس کے لحاظ سے مذہب ایک ایسی ذہنی صلاحیت ہے جس سے انسان غیر محدود قوت کا ادراک کر سکتا ہے، پروفیسر ٹیلر نے روحانی ہستیوں پر ایمان کو مذہب قرار دیا ہے، ایک روسی مفکر جس کا نام نہیں دیا گیا اس کا قول ہے کہ مذہب ایک انسانی تصور ہے، جس قسم کی انسان کی سطح ہوگی اسی قسم کا اس کا مذہب ہوگا، اس لیے ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی کا مذہب دوسرے آدمی کے لیے قطعاً موزوں نہ ہو۔

ایک اور قول بھی نظر سے گزرا جہاں کہنے والے کا نام نہیں ہے لیکن قول اس لائق ہے کہ مذہب کی تعریف میں اس کو بھی شامل کر لیا جائے، قول یہ ہے کہ مذہب دراصل کسی مافوق الفطرت ہستی یا قوت کو تسلیم کر کے اپنی زندگی کو اس سانچے میں ڈھالنے کا نام ہے جس کے بارے میں انسان کے اندر احساس پیدا ہو کہ وہ اس ہستی کو خوش رکھ سکتا ہے۔

قریب یہی الفاظ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا کے نقل کیے گئے کہ انسان کا اس ہستی سے تعلق ہے جسے وہ مقدس مانتا ہے، مذہب ہے۔

شوپنہار کا یہ جملہ بھی دلچسپ ہے کہ مذہب موت کے تصور سے وابستہ کسی چیز کا نام ہے۔(بین الاقوامی مذاہب، ڈاکٹر محمد اکرم رانا)

اب تک جو باتیں سامنے آئیں ان سے مذہب کی ضرورت اور اہمیت پر کچھ نظریوں کی ترجمانی کی گئی، یہاں ایک بات اور بھی قابل ذکر ہے کہ بیانوں میں مذہب کیا ہے؟ کا سوال ہے جس کے کچھ جوابات بھی اوپر گزرے، اس کے ساتھ ہی ایک سوال اور پیدا کیا گیا کہ دین کیا ہے؟ اس کا ایک جواب ہمارے معیار کے لحاظ سے اگرچہ مختصر ہے مگر بہت جامع ہے، وہ یہ کہ اوپر جس مذہب کا بار بار ذکر ہوا وہ اگر اللہ کی ذات سے منسوب ہے تو وہ دین ہے یعنی اس کائنات کے خالق ومالک کی طرف زندگی گزارنے کا جو طریقہ ہے وہی دین ہے، خالق سے برتاؤ کے ساتھ اس کی مخلوق سے برتاؤ، یہی دین ہے جس پر عمل کر کے انسان اپنی زندگی کو اللہ کی مرضی کے مطابق ڈھال سکتا ہے، دوسرے الفاظ میں عقیدہ، معاملہ، اخلاق، ان سب کا مجموعہ ہی دین ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ مذاہب کی تاریخ لکھنے والے عیسائیت، یہودیت اور اسلام کو دین کہتے ہیں اور ہندو دھر، زرتشت اور بدھ مت کو مذہب کہتے ہیں لیکن عموماً یہی مانا جاتا ہے کہ تمام مذاہب ادیان ہیں اور تمام ادیان مذاہب ہیں۔

مذہبوں کی تاریخ میں جن مذاہب کی تفصیلات بھرپور طریقہ سے بیان کرتی ہے ان کا ذکر بار بار اوپر آچکا ہے، لیکن اس مشہور مذاہب وادیان کے علاوہ محققین نے کچھ اور بھی مذہبوں کا ذکر کیا ہے، دلچسپی اور معلومات کی غرض سے کچھ باتوں کو یہاں نقل کیا جاتا ہے، مثال کے طور پر براعظم افریقہ کے بعض مذاہب ہیں، ان کو قبائلی مذہب کا نام دیا گیا، افریقہ کے ان قبائلی مذہبوں کے بارے میں لکھا گیا کہ ان میں خدا یا کسی اعلیٰ ہستی کا تصور نہیں پایا جاتا، عام طور پر لوگوں میں جادو اور سحر کا اتنا غلبہ تھا کہ وہ کسی اور طاقتور ہستی کی طرف متوجہ ہی

نہیں ہوتے تھے، کانگو کے بعض قبیلوں کو اس باب میں زیادہ اہمیت سے بیان کیا گیا۔

بعض قبیلے تو ایسے تھے جو خدا یا خداؤں کے نام سے ہی بیزار رہتے تھے، ان کے نزدیک یہ خدا کینہ پرور اور نقصان پہنچانے والے تھے اور سمجھتے تھے کہ بیماریاں ہوں یا مصیبتیں اور آفتیں ہوں ان سب کا ذمہ دار یہی خدا تھے۔

کچھ قبیلے ایسے بھی تھے جن کے نزدیک ایک خدا آرام، راحت اور خیر دینے والا تھا، دوسرا خدا تکلیف اور شر دینے کے لیے تھا، ''بش مین'' قبیلے کے لوگ جب بارش ہوتی، بجلی چمکتی اور کڑکتی تو اسے برائی والے خدا کا کام سمجھتے، بجلی چمکتی تو یہ لوگ آسمان کی طرف زہر آلود تیر برساتے اور پھٹے پرانے جوتے پھینکتے، مظاہر پرستی بھی ان قبیلوں کی پہچان تھی، سورج، چاند، آسمان، پہاڑ یہ سب پوجنے کی چیزیں تھیں، پہاڑوں کو دیوتاؤں کا مسکن سمجھ کر ان کی عبادت کی جاتی، خاص طور پر برف پوش پہاڑوں سے زیادہ عقیدت تھی، ایک قبیلہ ''وہی ڈہ'' کے لوگ سمند کی پوجا کرتے، اس کے علاوہ جانوروں کو بھی خدائی تقدس حاصل تھا، ہرن کی تو باقاعدہ پوجا کی جاتی، کچھ قبیلوں کا عقیدہ تھا کہ ان کے جو آباؤ اجداد مر جاتے ہیں ان کی روحیں سانپوں میں جا بستی ہیں، مشرقی افریقہ کے لوگوں کا خیال تھا کہ یہ روحیں شہروں میں بھی پناہ لیتی ہیں، اس کے علاوہ مگرمچھ بھی قابل تعظیم تھا، سانپ کے احترام کی تو یہ حالت تھی کہ اس کو مارنا گناہ اور مارنے والا سزا کا مستحق ہوتا، سزا بھی معمولی نہیں بلکہ سزائے موت تھی، سانپوں پر نذرانے دینا بھی عام بات تھی۔

یہی حال درختوں کا تھا، شجر پرستی اس لیے زوروں پر تھی کہ بعض افریقی قومیں انسانوں کی تخلیق کا رشتہ درختوں کے وجود سے قائم کرتی تھی، بڑے بڑے درختوں کی عبادت کی جاتی تھی، ان پر چڑھاوے چڑھائے جاتے، جو درخت بادشاہوں کی قبروں کے پاس ہوتے وہ اور بھی مقدس مانے جاتے۔

عقیدوں کی بربادی کا یہ منظر بھی افریقی قوموں میں عام تھا کہ وہ اپنے مرے ہوئے لوگوں کو مارتے پیٹتے، ان کو طعنے دیتے، مرنے کو وہ اس لیے برا سمجھتے تھے کہ انسان اپنی بیوی کو چھوڑ کر چلا جاتا، گولڈ کوسٹ کے لوگ دوستوں کو چھوڑ کر مر جانے والے انسانوں کو اسی لیے برا بھلا کہتے۔

یہ قومیں خبیث روحوں پر یقین رکھتیں، جادو ٹونا بھی ان کے عقیدۂ الوہیت میں شامل رہتا۔

قدیم عربوں کے ہاں بھی مظاہر پرستی کا دور دورہ تھا، جانوروں جیسے اونٹ، گھوڑے اور درختوں میں کھجور کے پیڑ کی پوجا کی جاتی۔

پیڑوں کی پوجا کے بارے میں ایک مورخ کارل مکین نے لکھا ہے کہ ماقبل تاریخ کے زمانہ ہی سے انسان نے پیڑوں کو پوجنا شروع کر دیا تھا، یہ بھی لکھا گیا کہ زرتشت کی آمد سے پہلے ہی ایران کے قبیلوں اور موسیٰؑ سے پہلے بنی اسرائیل میں پیڑوں کی پوجا کا رواج تھا۔

قدیم یورپ میں بھی اس قسم کا رواج عام تھا، جرمنی میں بتایا گیا ہے کہ شروع کی عبادت گاہیں جنگل ہی ہوتے، یونان اور اٹلی میں بھی بہت سے ثبوت ملے ہیں کہ وہاں درختوں کی عبادت کی جاتی تھی۔

دنیا کے مختلف خطوں کے انسانوں کی تاریخ میں یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ایک بلند و بالا اور قادر مطلق اور خالق و رازق ہستی

کے تصور اور اقرار سے بنے عقیدے زمانہ کی رفتار کے ساتھ بنتے بگڑتے رہے، جن میں مظاہر پرستی (Animism) اور جانوروں کی پرستش (Totamism) ٹوٹم پرستی میں انسانوں کے لیے عام طور پر بہت کشش تھی، اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ:

"انسان ہمیشہ جنگلی اور وحشی جانوروں سے خوف زدہ رہتا تھا، وہ دیگر آفتوں کی ان جانوروں سے بچنے کی کوئی تدبیر نہیں جانتا تھا، اس لیے خوف اور خطرے کے احساس نے ان کو پرستش پر مجبور کر دیا، اسی طرح جس مظہر میں اسے کچھ فائدہ دکھائی دیا اسے اہم اور مقدس سمجھنے لگا، جیسے سورج، چاند، زمین، ہوا، آگ، گائے وغیرہ"۔

پرستش کی چیزوں میں آگ بھی خاص ہے، ایرانی قوم کا شمار صدیوں تک آتش پرستی ہی رہی، ایران کے عبادت خانے، ان کے آتش کدے تھے، ان میں روشن کی گئی آگ نور کی علامت تھی۔

افریقی، یونانی قوموں کا ذکر ابھی گزرا ہے، آسٹریلیا، یونان حتی کہ رومن نظام میں بھی مظاہر اور جانوروں کی پرستش عام تھی، ہندوستان میں اگنی دیوتا کی پوجا ہوتی تھی، یہاں آریاؤں کا مذہب بالکل واضح تھا، ان کے یہاں ہر مظہر قدرت کا الگ دیوتا تھا، اگنی، اندر، وایو اور ورون، یہ سب مظاہر ہی تھے جن کی عبادت کی جاتی اور ان پر جانوروں حتی کہ انسانوں کو قربان کیا جاتا۔

1.4 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- مذہب اپنی بنیاد اور ماہیت کے اعتبار سے انسان کے اپنے خالق کے ساتھ تعلق کو صحیح طور پر استوار کرنے کا نام ہے، یہ بھی حقیقت یہاں سامنے رہتی ہے کہ انسانی زندگی اپنی بقا اور تکمیل کے لیے صرف ایک رخی اور ایک روحانی پرواز ہی کی ضرورت مند نہیں بلکہ انسان کو اپنے ہم جنسوں کے ساتھ ایک ملی جلی زندگی ایک عرصہ تک گزارنا بھی ہے اور اس باہمی میل جول کا اثر انسان کے خدا سے تعلق پر بھی پڑتا ہے، اس لیے مذہب کی ضرورت ہے کہ وہ خدا کے بعد انسانوں کے باہمی تعلقات کو بھی متعین کرتا ہے۔
- انسانی زندگی یا انسانی تاریخ کا پہلا دور اصل میں مافوق الفطرت موجودات اور قوتوں کی پرستش اور عبادت کا پتہ دیتا ہے، اس وقت انسانی زندگی بہت سادہ، ضروریات بہت کم اور بآسانی فراہم ہو جانے والی تھیں، زندگی آسانی سے گزرنے والی چیز تھی، ایسے میں انسان کے دل اور ذہن کی آسودگی اور تسکین کے لیے کسی سب سے بڑی ہستی کا فطری تخیل کافی تھا، جس کو وہ کائنات کے مختلف مظاہر میں دیکھتا یا محسوس کرتا تھا، یہی احساس فطرت کے تقاضے کے طور پر ایک سب سے بلند، ازلی اور ابدی ذات والے معبود کے تصور میں بدل گیا۔
- دلچسپ بات یہ ہے کہ مذاہب کی تاریخ لکھنے والے عیسائیت، یہودیت اور اسلام کو دین کہتے ہیں اور ہندو دھر، زرتشت اور بدھ مت کو مذہب کہتے ہیں لیکن عموماً یہی مانا جاتا ہے کہ تمام مذاہب ادیان ہیں اور تمام ادیان مذاہب ہیں۔
- پرستش کی چیزوں میں آگ بھی خاص ہے، ایرانی قوم کا شمار صدیوں تک آتش پرستی ہی رہی، ایران کے عبادت خانے، ان

کے آتش کدے تھے، ان میں روشن کی گئی آگ نور کی علامت تھی۔

- مذہب دراصل کسی مافوق الفطرت ہستی یا قوت کو تسلیم کر کے اپنی زندگی کو اس سانچے میں ڈھالنے کا نام ہے جس کے بارے میں انسان کے اندر احساس پیدا ہو کہ وہ اس ہستی کو خوش رکھ سکتا ہے۔

1.5 نمونہ امتحانی سوالات

1.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. جو لوگ نفس و دولت کے بندے اور غلام ہیں وہ مذہب کی حقیقت سے ناآشنا اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہیں؟
2. ”دی رائز آف اے پگن اسٹیٹ“ یہ مشہور کتاب کس ملک سے شائع ہوئی؟

(a). جاپان (b). ہندوستان (c). پاکستان (d). نیپال

3. شنٹو مذہب کے ارتقا میں کتنے تہذیبی دور ہوئے؟

(a). تین (b). پانچ (c). سات (d). نو

4. ڈاکٹر کرنجی کاٹو کا تعلق کس یونیورسٹی سے ہے؟

(a). ٹوکیو یونیورسٹی (b). جامعہ ملیہ اسلامیہ (c). علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (d). سب غلط

5. کنفیوشس مذہب کے بارے میں لکھا گیا کہ قدرت کے بعد وطن کو بحیثیت خدا اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کے قبول کر لیا؟

1.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. مذہب یا دین، کس قانون کے تحت آتے ہیں؟
2. مذہب کی تاریخ دلکش کیوں ہے؟
3. مذہب کی حقیقت سے ناآشنا اور بے خبر کون ہیں؟
4. مذہب کی ضرورت کے لیے دلیلوں اور بحثوں کی حاجت کیوں نہیں؟
5. شنٹو مذہب کے ارتقا کے تین بڑے تہذیبی دور ہیں، ان میں کسی ایک کا ذکر کیجیے۔

1.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. بانی مذہب کی جگہ مذاہب کے تسلسل کی بات کیا ہے؟
2. مذاہب کی ماہیت سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
3. مذہب کے بارے میں جدید مفکرین کے کچھ خیالات بیان کیجیے۔

1.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

.1	تفسیر ماجدی	:	مولانا عبد الماجد دریابادی
.2	حجۃ اللہ البالغہ	:	شاہ ولی اللہ دہلوی
.3	اسلام یا ادیان	:	احمد کمال عمر
.4	اثبات دین انسانی	:	صوفی نذیر احمد کاشمیری
.5	قول حق	:	اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

اکائی 4: مشترک بنیادیں وبقائے باہم
(Common Grounds and coexistence)

اکائی کے اجزا:

4.0 تمہید

4.1 مقاصد

4.2 بین الاقوامی پس منظر

4.2.1 مذہبی پس منظر

4.2.2 قدیم دور

4.3 قرون وسطیٰ

4.3.1 مسلم دورِ حکومت

4.3.2 عیسائی دورِ حکومت

4.4 دورِ جدید وعصر حاضر

4.5 بقائے باہم کے لیے مشترک بنیادیں

4.5.1 وحدت انسانیت

4.5.2 تکریم انسانیت

4.5.3 تعلیم کا فروغ

4.5.4 عدل ومساوات کا قیام

4.5.5 بین مذاہب مکالمہ

4.5.6 رواداری (Tolerance)

4.5.7 صحت اور عوامی بہبود

4.5.8 ماحولیاتی تحفظ

4.5.9 قانون کی بالادستی
4.6 بقائے باہم کے معاصر چیلنجز
4.7 اکتسابی نتائج
4.8 نمونہ امتحانی سوالات
4.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
4.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
4.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
4.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

4.0 تمہید

مشترک بنیادیں (Common Grounds) و بقائے باہم (Coexistence) سے مراد معاشرتی، مذہبی، ثقافتی یا کسی بھی قسم کے فرق کے باوجود افراد یا گروہوں کے درمیان اتفاق اور تعاون کو فروغ دینا ہے۔ اس تصور کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مختلف عقائد اور پس منظر کے حامل افراد کے درمیان مشترک اقدار کو تلاش کیا جائے اور ان بنیادوں پر ایک خوشحال، ترقی یافتہ، پرامن اور متوازن معاشرہ تشکیل دیا جائے۔ مشترک بنیادیں، یہ وہ اقدار یا مفادات ہیں جو مختلف گروہوں کے درمیان مشترک ہوتی ہیں، جیسے انسانیت، انصاف، آزادی، حقوق، امن اور تعلیم وغیرہ۔ مشترک اقدار مختلف گروہوں کو ان کے بنیادی ضروریات کو سمجھنے، مشترک مفادات کے راہوں کی نشاندہی کرنے اور باہمی وقار و احترام پر مبنی تعلقات کو فروغ دینے کے لیے اعتماد پیدا کرتا ہے۔ یہ تعلقات تعاون پر مبنی مسائل کے حل کو ممکن بناتے ہیں اور پائیدار نتائج تک پہنچنے کی راہ ہموار کرتے ہیں۔ بقائے باہم، یہ اصطلاح اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ مختلف گروہ، قومیں یا افراد ایک دوسرے کے ساتھ پرامن طور پر کیسے رہ سکتے ہیں اور اختلافات کے باوجود رواداری و احترام کا رویہ کیسے اپنا سکتے ہیں۔

مشترک بنیادیں و بقائے باہم کا تصور اس بات پر زور دیتا ہے کہ مختلف مذاہب، ثقافتوں اور عقائد کے ماننے والے افراد کسی معاشرہ میں ایک ساتھ پرامن اور ہم آہنگی کے ساتھ رہ سکیں۔ یہ مشترک انسانی اقدار، اخلاقی اصول اور تہذیبی روایات کو بنیاد بنا کر ایک ایسے معاشرے کی تعمیر کی طرف راغب کرتا ہے جہاں تنوع کو نہ صرف برداشت کیا جائے بلکہ اسے تسلیم کیا جائے اور سراہا بھی جائے۔ یہ تصور خاص طور پر تکثیری سماج کے لیے بہت اہم ہیں، جہاں مختلف ثقافت، مذاہب اور قوم کے لوگ ایک ساتھ زندگی بسر کرتے ہوں۔

دنیا کی تاریخ میں مختلف مذاہب اور تہذیبوں کے ماننے والے کے درمیان تعلقات میں تناؤ و تعاون دونوں کی مثالیں موجود ہیں۔ تاہم، عصر حاضر میں گلوبلائزیشن، سماجی تنوع اور بین ثقافتی تبادلوں کی بڑھتی ہوئی اہمیت نے اس بات کی ضرورت کو دوبالا کر دیا ہے کہ

بقائے باہم (Coexistence) کے لیے مشترک بنیادیں تلاش کیا جائے۔

مختلف عقائد کے لوگوں کے ساتھ مساوی سلوک اور ان کے حقوق کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے مشترک بنیادیں اور بقائے باہم کو فروغ دیناوقت کی ضرورت ہے۔ یہ مشترک اقدار نہ صرف انسانی معاشرتی ڈھانچے کو مستحکم کرتے ہیں بلکہ معاشرتی ہم آہنگی اور بین مذاہب رواداری کو بھی فروغ دیتے ہیں۔ یہ تصور اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ ہر انسان کو اپنے مذہب اور عقیدے پر عمل کرنے کی آزادی ہونی چاہیے۔ مذاہب کے درمیان رواداری اور احترام بقائے باہم کی بنیاد ہے۔ مختلف مذاہب و عقیدے کے ماننے والوں کے درمیان مشترک مکالمے اور تعاون کے ذریعے بہتر ہم آہنگی پیدا کی جاسکتی ہے۔ مختلف ثقافتوں اور روایات کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے مشترک انسانی اقدار کی اہمیت پر زور دیا جاتا ہے۔ یہ تصور معاشرتی تنوع کو مثبت طور پر قبول کرنے اور اس سے سیکھنے کی ترغیب دیتا ہے۔ دنیا بھر میں جاری تنازعات اور عدم استحکام کی صورتحال میں بقائے باہم کا تصور امن و سلامتی کے قیام کے لیے ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔

4.1 مقاصد

یہ اکائی آپ کو نہ صرف معاشرہ میں ایک بہتر انسان بننے میں مدد دیتا ہے بلکہ انہیں عالمی سطح پر بھی ایک ذمہ دار اور باشعور شہری بننے کی ترغیب دیتا ہے۔ انہیں تنازعات و مسائل کے حل کے مختلف طریقوں سے روشناس کراتا ہے۔ اختلافات کو مثبت طریقے سے حل کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرنے کا طریقہ سکھاتا ہے۔ اس سے طلبہ کو تنوع کا احترام، مکالمے کی اہمیت اور پر امن بقائے باہم کی ضرورت کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ طلبہ یہ بھی سیکھتے ہیں کہ اختلافات کے باوجود کس طرح ہم آہنگی کے ساتھ رہنا ممکن ہے۔ اور یہ کہ پر امن بقائے باہم اور معاشرتی استحکام، ترقی و خوشحالی کے لیے ضروری ہے۔

4.2 بین الاقوامی پس منظر

4.2.1 مذہبی پس منظر

اسلام: اسلام نے انسانیت کے درمیان محبت، رواداری اور بقائے باہم کے اصولوں کو انتہائی اہمیت دی ہے۔ اسلام کے بنیادی اصول انسانی وحدت اور مساوات کو فروغ دیتے ہیں، جس کا مقصد معاشرے میں امن اور ہم آہنگی قائم کرنا ہے۔ اسلام امن و سلامتی کا دین ہے۔ لفظ "اسلام" خود "سلامتی" سے ماخوذ ہے۔ پیغمبر اسلام نے ہمیشہ امن، محبت اور صلح کی تعلیم دی اور ہر موقع پر جنگ سے بچنے کی کوشش کی۔ قرآن اور سنت میں واضح طور پر اخلاقیات، انسانی حقوق اور پر امن بقائے باہم کی تعلیم دی گئی ہے۔ رسول اللہؐ کی مدنی زندگی میں "میثاق مدینہ" ایک تاریخی دستاویز ہے، جس کے تحت مختلف مذہبی اور نسلی گروہوں کے درمیان معاہدہ کیا گیا، جو بقائے باہم کے لیے بنیاد فراہم کرتا ہے۔

عیسائیت: عیسائیت کی تعلیمات میں دوسروں کے ساتھ حسن سلوک، محبت، معافی اور انصاف کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کا قول ہے کہ "اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت کرو" (متی 22:37-39)۔ اس حکم میں انسانوں کے درمیان محبت اور رواداری کی

بنیاد ہے۔ تمام انسان برابر ہیں کیونکہ ہر انسان کو خدا نے اپنی صورت پر پیدا کیا ہے (پیدائش 27:1)۔ عیسائی تعلیمات کے مطابق سب انسان برابر ہیں اور خدا کی محبت و فضل کا حقدار ہیں۔ دوسروں کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ کرنے کی تعلیم دی گئی ہے "مبارک ہیں وہ جو رحم دل ہیں، کیونکہ ان پر رحم کیا جائے گا" (متی 7:5)۔ مذہبی رواداری کی تعلیم دیتے ہوئے کہا گیا کہ "جو تمہاری مخالفت کریں ان سے محبت کرو اور ان کے لیے دعا کرو" (متی 14:6)۔ عیسائیت میں بقائے باہم کا تصور بنیادی مذہبی اصول میں شامل ہے، اور دشمنوں کے ساتھ بھی محبت سے پیش آنے کی تلقین کی گئی ہے۔

یہودیت: یہودیت ایک قدیم مذہب ہے جو انسانی اخلاقیات، انصاف اور بقائے باہم کے حوالے سے واضح تعلیمات رکھتا ہے۔ اس کی بنیادی تعلیمات میں خدا کے ساتھ تعلق، انسانی حقوق اور دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کو اہمیت دی گئی ہے۔ یہودیت کا بنیادی عقیدہ توحید ہے، خدا تمام انسانوں کا خالق اور مالک ہے جس کی عبادت تمام انسانوں پر فرض ہے۔ یہ مشترک عقیدہ یہودی، عیسائی اور مسلمان کے درمیان بقائے باہم کے لیے ایک اہم بنیاد فراہم کرتا ہے۔ تمام انسان ایک جوڑے (حضرت آدم و حضرت حوا) کی اولاد ہیں، اس سے انسانی وحدت اور مساوات کا پیغام ملتا ہے۔ عدل و انصاف کو بھی اہمیت دی گئی ہے "تم انصاف کے ساتھ فیصلے کروگے" (استثنا 20:16)۔ پڑوسی کے تعلق سے حکم یہ ہے "اپنے پڑوسی سے اپنی طرح محبت کرو" (احبار 18:19)۔ دوسری قوموں و مذاہب کے ساتھ رواداری و احترام کا مظاہرہ کرنا ضروری ہے۔ حکم ہے کہ "تم غیر ملکیوں سے ظلم نہیں کروگے، کیونکہ تم بھی مصر میں غیر ملکی تھے" (خروج 21:22)۔ ان تعلیمات کے ذریعے بقائے باہم اور مشترکہ بنیادوں پر مبنی ایک بہتر اور پر امن معاشرہ کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔

ہندومت: ہندومت ایک قدیم مذہب ہے جو انسانیت کے درمیان محبت، رواداری اور بقائے باہم کی تعلیمات پر زور دیتا ہے۔ ہندومت کی تعلیمات میں تمام مخلوق کے احترام، کرم (عمل)، دھرم (فرائض) اور آتما (روح) کے تصور کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، جو بقائے باہم و انسانی اتحاد کو مضبوط بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ اس مذہب میں "دھرم" کو بہت اہمیت دی گئی ہے، جو ہر انسان کی اخلاقی ذمہ داری ہے۔ دھرم کے مطابق ہر شخص کو اپنی زندگی میں سچائی، انصاف اور دوسروں کی خدمت میں زندگی بسر کرنا چاہیے۔ "اہنسا پرمودھرمہ" کا معنی ہے "عدم تشدد سب سے بڑا فرض ہے"۔ ہندومت کی روایات میں ہے کہ ہر جاندار کا احترام ضروری ہے اور کسی کو بھی نقصان پہنچانا غلط ہے۔ "کرما" کا اصول یہ کہتا ہے کہ ہر عمل کا ایک نتیجہ ہوتا ہے اور جو انسان کرتا ہے وہی اسے واپس ملتا ہے۔ اس اصول کے تحت لوگوں کو اچھے اعمال کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے، جو نہ صرف فرد کی بہتری کے لیے بلکہ معاشرتی ہم آہنگی کے لیے بھی ضروری ہے۔

4.2.2 قدیم دور

بقائے باہم اور مشترک بنیادوں کا تصور انسانی تاریخ میں مختلف تہذیبوں، مذاہب، فلسفوں اور معاشرتی نظاموں کے تحت پروان چڑھا ہے۔ یہ تصور اس بنیادی اصول پر مبنی ہے کہ انسانیت کی بقا اور معاشرتی استحکام کے لیے مختلف گروہوں، قوموں اور مذاہب کے ماننے والوں کو باہمی مفاہمت کے ساتھ پر امن طور پر زندگی گزارنا ضروری ہے۔ ابتدائی انسان چھوٹے قبیلے اور گروہوں کی شکل میں زندگی گزارتا تھا۔ انسانی گروہ قدرتی وسائل کے استعمال کے لیے باہم اشتراک کرتے تھے۔ ان معاشرتی نظاموں میں بقائے باہم کا تصور قدرتی

ماحول اور وسائل کی بقا سے جڑا ہوا تھا۔ قبیلوں کے درمیان وسائل کی تقسیم اور جنگ سے بچاؤ کے لیے مشترکہ مفادات پر مبنی تعلقات قائم کیے جاتے تھے۔ جب انسان نے زراعت کا آغاز کیا تو مستقل آبادیاں بننے لگیں اور مختلف قبائل کے درمیان تجارت اور وسائل کی تقسیم کے لیے بقائے باہم کا نظریہ مزید مضبوط ہوا۔ ابتدائی زراعتی معاشرے میں امن اور اشتراک کی بنیاد پر معاشرتی ڈھانچے قائم کیے گئے۔

اس وقت کی تہذیبوں میں مشترک ثقافتی عناصر بقائے باہم کا سبب بنتے تھے۔ جیسے کہ میسوپوٹیمیا، مصر اور سندھ کی تہذیبوں کے درمیان فن، زبان اور تجارت کے ذریعے سفارتی تعلقات قائم ہوئے۔ تجارت نے مختلف اقوام اور تہذیبوں کو قریب لانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ریشم کی راہ (Silk Road) جیسے تجارتی راستے چین، ہندوستان، فارس، عرب اور یوروپ کو آپس میں ملاتے تھے جہاں مختلف تہذیبیں نہ صرف اقتصادی لحاظ سے بلکہ ثقافتی طور پر بھی ایک دوسرے کے ساتھ منسلک ہوئیں۔ قدیم میسوپوٹیمیا (Mesopotamia) کی تہذیب، جو موجودہ عراق کے علاقے میں تھی، مختلف نسلی و مذہبی گروہوں پر مشتمل تھی۔ یہاں مختلف ثقافتوں کے درمیان تجارتی اور سماجی روابط نے بقائے باہم کی بنیاد مضبوط کی۔ قانون اور انصاف کے اصول بھی فروغ پائے۔ جیسا کہ حمورابی کا "ضابطہ قوانین" (Hammurabi Code)، انسانی تاریخ میں پہلی قانونی دستاویز مانی جاتی ہے، جس نے عدل و انصاف کی بنیاد پر بقائے باہم کی ضرورت کو واضح کیا۔

قدیم دور میں مشترکہ مذہبی رسوم و رواج بھی مختلف تہذیبوں کے درمیان بقائے باہم کو فروغ دیتے تھے۔ مثلاً، یونانی اور رومی تہذیبوں میں دیوتاؤں کی مشترکہ عبادت کی جاتی تھی، جس کی وجہ سے دونوں تہذیبوں میں مذہبی ہم آہنگی ہوتی تھی۔ اس وقت قبائل اور قومیں اکثر پر امن بقائے باہم کے لیے آپس میں اتحاد کرتی تھیں۔ جیسے کہ افریقہ میں قدیم بنٹو قبائل آپس میں اتحاد قائم کرتے تھے اور وسائل کی مشترکہ تقسیم کے ذریعے بقائے باہم کو فروغ دیتے تھے۔ قدیم یونان اور چین میں فلسفیانہ تعلیمات بھی بقائے باہم کی بنیاد پر قائم تھیں۔ کنفیوشس کی تعلیمات، جو چین میں معاشرتی ہم آہنگی اور اخلاقیات پر مشتمل تھیں، اور افلاطون و ارسطو کے نظریات، جو انصاف اور اخلاقی معاشرت پر زور دیتے تھے، قدیم دنیا میں بقائے باہم کے اہم اصول تھے۔ مختلف تہذیبوں کے درمیان علمی اور ثقافتی مکالمہ بھی بقائے باہم کے فروغ کا باعث بنا۔ مثال کے طور پر، سکندر اعظم کے حملوں کے بعد یونانی، مصری اور ایرانی تہذیبوں کے درمیان علم و ثقافت کا تبادلہ ہوا، جس سے مختلف اقوام کے درمیان ہم آہنگی اور باہمی تعاون کا ماحول پیدا ہوا۔

4.3 قرونِ وسطیٰ

4.3.1 مسلم دورِ حکومت

قرونِ وسطیٰ کے مسلم دورِ حکومت میں، جو مختلف ادوار اور خطوں میں پھیلا ہوا تھا، بقائے باہم کی متعدد روشن مثالیں ملتی ہیں۔ اسلامی تعلیمات میں رواداری، عدل و انصاف اور انسانی حقوق کا احترام اہم مقام رکھتے ہیں۔ مسلم حکمرانوں نے ان اصولوں کو اپناتے ہوئے معاشرتی استحکام اور مختلف گروہوں کے درمیان ہم آہنگی کو فروغ دیا۔

اندلس: مسلم اسپین، جسے اندلس کہا جاتا ہے، بقائے باہم کی ایک روشن مثال ہے۔ 8ویں صدی سے 15ویں صدی تک اسپین میں

مسلمانوں نے ایک ایسے معاشرتی نظام کی بنیاد رکھی، جہاں مسلمان، عیسائی اور یہودی ایک ساتھ پر امن طریقے سے زندگی گزارتے تھے۔ اس دور کو Convivencia (ہم آہنگی) کے دور سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہاں بقائے باہم کا ایک شاندار نمونہ دیکھنے کو ملتا ہے، جس میں علوم و فنون کو فروغ پانے کا خوب موقع ملا۔ اندلس کے شہر جیسے قرطبہ، غرناطہ اور طلیطلہ میں مسلمان، عیسائی اور یہودی علماء نے ایک ساتھ کام کیا، اور فلسفہ، طب، ریاضی اور علم نجوم میں بے مثال ترقی کی۔ یہودی فلسفی موسیٰ بن میمون اور مسلمان فلسفی ابن رشد اندلس کے علمی ماحول کی پیداوار تھے، جنہوں نے بقائے باہم کے تحت علمی میدان میں تعاون کیا۔

عباسی خلافت (750۔1258): یہ دور اسلامی تاریخ کا ایک اہم باب ہے جس میں علوم و فنون، ادب اور فلسفہ کی بے پناہ ترقی ہوئی، وہاں مختلف مذہبی، نسلی اور ثقافتی گروہوں کے درمیان بقائے باہم کو فروغ دیا گیا۔ یہ دور خاص طور پر مذہبی رواداری، علمی تبادلوں اور مختلف اقوام کے ساتھ پر امن تعلقات کے حوالے سے جانا جاتا ہے۔ عباسی خلفاء، عیسائی، یہودی اور دیگر غیر مسلم شہریوں کے ساتھ رواداری کا رویہ اپنایا۔ اس دور میں بغداد کو علم و حکمت کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ بیت الحکمت کا قیام اسی دور کی یادگار ہے، جو ایک عظیم علمی و تحقیقی ادارہ تھا۔ یہاں مختلف مذاہب اور تہذیبوں کے علماء نے ایک ساتھ کام کیا اور مختلف علوم جیسے فلسفہ، ریاضی، طب اور فلکیات میں تحقیق کی۔ مسلمانوں کے علاوہ یہودی، عیسائی اور فارسی علماء اس ادارے سے منسلک تھے، جو بقائے باہم کی ایک روشن مثال ہے۔

سلطنت عثمانیہ (1299۔1922): اس سلطنت میں مختلف مذاہب اور نسل کے لوگ زندگی بسر کرتے تھے۔ عثمانی حکمرانوں نے بقائے باہم کے فروغ کے لیے ایک خاص نظام متعارف کرایا، جسے "ملت سسٹم" (Millet System) کہا جاتا ہے۔ اس سسٹم کے تحت عثمانی دور میں مختلف مذاہب کے پیروکار جیسے عیسائی، یہودی اور آرمینیائی افراد کو اپنی علیحدہ عدالتی اور مذہبی معاملات کو حل کرنے کا حق حاصل تھا۔ ہر ملت (ہر مذہبی گروہ) کو اپنی مذہبی رسومات، تعلیمی نظام، اور داخلی خود مختاری دی گئی، جس سے مختلف مذہبی گروہوں کے درمیان ہم آہنگی اور بقائے باہم کو فروغ ملا۔

ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب: ہندوستان میں ہندو اور مسلمان طویل عرصے تک ایک ساتھ رہے۔ مشترکہ تہذیب، ثقافتی تبادلے اور صوفی روایات نے معاشرتی اتحاد کو فروغ دیا۔ دہلی سلطنت (1206۔1526) کے مسلم حکمرانوں نے ہندوستان میں ہندو، جین اور دیگر مذہبی اقلیتوں کے ساتھ پر امن تعلقات قائم کئے۔ خاص طور پر علاء الدین خلجی اور محمد بن تغلق نے ایسے انتظامی اور عدالتی نظام متعارف کرائی جن کے تحت مختلف مذہبی گروہوں کو اپنی مذہبی رسومات کی ادائیگی کی آزادی حاصل تھی۔

مغل سلطنت (1526۔1857) بقائے باہم کی ایک نمایاں مثال ہے۔ مغل بادشاہ اکبر اعظم (1556۔1605) نے ہندو، مسلمان، جین، سکھ اور عیسائی علماء کو اپنے دربار میں جگہ دی اور ان کے ساتھ مکالمے، مباحثے اور تبادلہ خیال کیا۔ اکبر نے غیر مسلم رعایا سے جزیہ ٹیکس کو ختم کر دیا اور مختلف مذہبی گروہوں کے درمیان مساوات کو فروغ دیا اور ہندو راجپوتوں کو اپنی فوج اور انتظامیہ میں اہم عہدے دیے، جس سے ملک میں ہم آہنگی اور بقائے باہم کو فروغ حاصل ہوا۔

4.3.2 عیسائی دورِ حکومت

عیسائی دور حکومت میں بقائے باہم کی تاریخ مختلف ادوار اور علاقوں کے لحاظ مختلف رہی ہے۔ عیسائی حکمرانوں نے دنیا کے مختلف حصے میں طویل عرصے تک حکومت کی، ہر علاقے کی سیاسی، سماجی اور مذہبی صورتحال کے مطابق مختلف مذہبی اور نسلی گروہوں کے ساتھ ان کا سلوک مختلف رہا۔ بعض ادوار میں مذہبی رواداری اور مختلف اقوام کے درمیان بقائے باہم کو فروغ دیا گیا، اور بعض ادوار میں مذہبی تشدد و تعصب کا رویہ دیکھنے کو ملتا ہے۔

قرون وسطیٰ کے یورپ میں یہودی اقلیتوں کے ساتھ عیسائی حکومتوں کا سلوک مختلف رہا۔ بعض اوقات میں یہودیوں کو تجارت اور علم میں حصہ لینے کی اجازت دی گئی، جب کہ دیگر ادوار میں انہیں ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا۔ بہت سے یورپی ممالک میں یہودیوں پر معاشرتی اور قانونی پابندیاں عائد کی گئیں اور انہیں مخصوص علاقوں میں رہنے پر مجبور کیا گیا۔ 1290ء میں انگلینڈ سے یہودیوں کو ملک بدر کیا گیا اور 1492ء میں اسپین سے یہودی اور مسلمان دونوں کو ملک بدر کیا گیا۔ ان ادوار میں بقائے باہم کا فقدان رہا۔

صلیبی جنگیں (1096۔1291ء): صلیبی جنگوں کی شکل میں عیسائی یورپ اور مسلم مشرق وسطیٰ کے درمیان مذہبی اور سیاسی تصادم ایک طویل مدت تک رہا۔ عیسائیوں کے لیے ان جنگوں کا مقصد یروشلم مسلمانوں سے واپس لینا تھا۔ صلیبی جنگوں نے مذہبی فرقہ واریت اور دشمنی کو بڑھاوا دیا، لیکن ان جنگوں کے دوران بھی بعض اوقات میں بقائے باہم کے عناصر موجود رہے۔ صلاح الدین ایوبی نے جب بیت المقدس کو فتح کیا تو عیسائیوں کے ساتھ رواداری کا مظاہرہ کیا اور انہیں اپنے مقدس مقامات کی زیارت کی اجازت دی۔

قرون وسطیٰ کے آخر میں نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کے دور کا آغاز ہوا، جو یورپ میں علمی و ثقافتی ترقی کا دور تھا۔ اس دور میں عیسائی دنیا میں تبدیلی آئی اور مذہبی رواداری کے نظریات کو فروغ ملا۔ یورپ میں اسلامی علوم و فلسفہ کا داخلہ، جو صلیبی جنگوں اور تجارتی تعلقات کے ذریعے ممکن ہوا، نے عیسائی حکمرانوں کو مختلف مذاہب کے لوگوں کے ساتھ مکالمہ اور تعاون پر آمادہ کیا۔ نشاۃ ثانیہ کے دور میں بقائے باہم کی نئی راہیں کھلیں اور مذہبی رواداری و بقائے باہم کے اصولوں کو زیادہ پزیرائی ملنے لگی۔

4.4 دورِ جدید و عصر حاضر

جدید دور میں بقائے باہم اور مشترک بنیادوں کی ضرورت پہلے سے زیادہ اہم ہو چکی ہے کیونکہ آج کی دنیا عالمی معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی مسائل کا سامنا کر رہی ہے۔ جدید دور میں انسانی حقوق، عالمی قوانین اور بین مذاہب رواداری جیسی اقدار بقائے باہم کو فروغ دینے میں کلیدی کردار ادا کرتی ہیں۔ جمہوریت ایک ایسا سیاسی نظام ہے جو عوام کی شمولیت اور ان کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے۔ جدید دنیا میں جمہوریت ایک مشترک بنیاد ہے، جو سیاسی بقائے باہم اور معاشرتی ہم آہنگی کو فروغ دیتی ہے۔

19ویں صدی کے اختتام اور 20ویں صدی کے اوائل میں، جب دنیا تیزی سے گلوبلائزیشن، سیاسی تبدیلیوں اور بین الاقوامی رابطوں کی طرف مائل ہو رہی تھی اس دور میں دنیا کی قومیں، مذاہب اور ثقافتیں زیادہ باہم مربوط ہونے لگیں، جس نے بقائے باہم کی

ضرورتوں کو بڑھادیا۔ 20ویں صدی میں دو عالمی جنگوں کے بعد دنیا کی اقوام نے بقائے باہم کے اصولوں کو عالمی امن کے لیے ضروری سمجھا، اس کے بعد بقائے باہم کے مختلف مراحل طے کیے گئے۔

پہلی جنگ عظیم (1914-1918) کے بعد قائم ہونے والی لیگ آف نیشن (League of Nations) کا مقصد تھا کہ دنیا میں امن و ہم آہنگی کو یقینی بنایا جائے اور مختلف اقوام کے درمیان مکالمے اور بقائے باہم کو فروغ دیا جائے۔ یہ پہلا عالمی ادارہ تھا جس کا مقصد بین الاقوامی تعلقات کو بہتر بنانا اور جنگ کو روکنا تھا۔ تاہم، لیگ آف نیشن اپنی ناکامیوں کی وجہ سے جلد ہی غیر موثر ثابت ہوئی، جس کی ایک بڑی وجہ عالمی طاقتوں کے مفادات کا تصادم اور جنگ عظیم دوم (1939-1945) کا آغاز تھا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد، دنیا میں ایک بار پھر بقائے باہم کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی۔ اقوام متحدہ کا قیام عمل میں آیا، جس کا مقصد مختلف اقوام کے درمیان امن و سلامتی کو فروغ دینا اور انسانی حقوق، اقتصادی ترقی اور ثقافتی تعاون کو بڑھاوا دینا تھا۔ اقوام متحدہ کا چارٹر عالمی سطح پر بقائے باہم کے اصولوں پر مبنی تھا، جس میں بین الاقوامی مسائل کو پرامن طریقے سے حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ 1948ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے "انسانی حقوق کا عالمی منشور منظور کیا" (Universal Declaration of Human Rights – 1948) یہ منشور تمام انسانوں کے لیے آزادی، برابری اور عزت و وقار کی ضمانت دیتا ہے اور نسل، مذہب، زبان یا جنس کی بنیاد پر تفریق کی مخالفت کرتا ہے، جو بقائے باہم کے فروغ کے لیے اہم بنیاد رکھتا ہے۔ تاہم، عالمی طاقتوں کے مفادات کی وجہ سے موجودہ دور میں اقوام متحدہ بھی عملی طور پر غیر موثر ثابت ہو رہا ہے۔

جدید دور میں بقائے باہم کی بنیادیں انسانی حقوق، جمہوریت، مذہبی رواداری، عالمگیریت اور ماحولیاتی تعاون جیسے عوامل پر مبنی ہے۔ یہ مشترک بنیادیں مختلف اقوام، مذاہب اور ثقافتوں کے درمیان امن و استحکام قائم رکھنے میں مددگار ہیں۔ اس دور میں مختلف چیلنجز کا بھی سامنا رہا ہے۔ مذہبی تنازعات، سیاسی اختلافات، اور نسلی تعصبات نے بار بار مختلف انسانی گروہوں کو تقسیم کیا ہے۔ تاہم، دور جدید میں وقتاً فوقتاً ایسے رہنما اور تحریکیں بھی سامنے آئیں جنہوں نے بقائے باہم کے تصور کو تقویت بخشی۔ ہندوستان میں مہاتما گاندھی، جنہوں نے ہندو مسلم اتحاد کے لیے جدوجہد کی اور عدم تشدد کے اصولوں کے تحت ایک مشترک معاشرتی نظام کی وکالت کی۔ جنوبی افریقہ میں نسلی تقسیم و تعصب کے خلاف نیلسن منڈیلا کی جدوجہد اور ان کا بقائے باہم کا پیغام پوری دنیا کے لیے مثال ہے۔

4.5 بقائے باہم کے لیے مشترک بنیادیں

مشترک بنیادیں وہ مشترک مفادات یا اقدار ہیں جن کے ذریعے مختلف نظریات یا پس منظر رکھنے والے افراد اور گروہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں۔ مشترک بنیادیں کسی بھی تنازعے کے حل کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں، ان کے ذریعے مختلف گروہوں میں اتفاق رائے پیدا کیا جا سکتا ہے۔

4.5.1 وحدت انسانیت

وحدت انسانیت سے مراد یہ ہے کہ تمام انسان مذہب، نسل، قوم یا زبان سے قطع نظر، ایک واحد انسانی خاندان کا حصہ ہیں۔ اس تصور کے مطابق تمام انسان برابر ہیں لہذا انہیں ایک دوسرے کے ساتھ محبت، احترام اور ہمدردی سے پیش آنا چاہیے۔ اسلام میں وحدت انسانیت کو ایک بنیادی اصول کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کے نزدیک سارے انسان برابر ہیں خواہ ان کا تعلق کسی بھی رنگ، نسل اور مذہب سے ہو۔ اس نے پوری انسانیت کو اللہ کا کنبہ قرار دیا اور تمام مخلوقات کے ساتھ نیکی و بھلائی کا یکساں حکم دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

"اے لوگوں! ہم نے تم کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو کنبوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا ہے کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ اشرف وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔ بیشک اللہ بڑا ہی علیم و خبیر ہے" (حجرات:13)۔

اس آیت میں ایک عام خطاب کے ذریعے نسلی، خاندانی اور قبائلی تفاخر کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ کہا گیا کہ لوگوں اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لو کہ ہم نے سب کو ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت سے پیدا کیا ہے۔ یعنی بنی نوع انسان کا آغاز آدمؑ و حوا سے ہی ہوا ہے اس لئے خلقت کے اعتبار سے کسی کو کسی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے۔ جس طرح اللہ نے انسانوں کی شکلوں، رنگوں اور انکی قد و قامت میں فرق رکھا تا کہ لوگ ایک دوسرے کو شناخت کر سکیں اسی طرح خاندانوں اور قبیلوں کی حد بندیاں قائم کر دیں تا کہ لوگ ایک دوسرے کو پہچان سکیں۔ اس سے زیادہ ان حد بندیوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ کسی خاندان یا قبیلہ کے لوگ اس وہم میں مبتلا ہو جائیں کہ وہ اللہ کے نزدیک معزز ہیں اور ان کو دوسروں پر کوئی برتری بخشی گئی ہے۔ اللہ کے یہاں عزت کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔ اس کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو اس سے سب سے زیادہ ڈرنے والا اور اس کی حدود کی پابندی کرنے والا ہے۔

رسول اللہؐ نے خطبہ حجۃ الوادع میں اسی مضمون کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی تھی:

تمہارا رب ایک ہے اور تمہارے جد امجد بھی ایک ہے، تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے تھے۔ تم میں سے اللہ کے نزدیک معزز وہ ہے جو زیادہ تقویٰ شعار ہے، بے شک اللہ علیم و خبیر ہے۔ دیکھو! کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت و امتیاز نہیں، مگر ہاں تقویٰ کے سبب۔ (صحیح مسلم)

اسلام کی یہ واضح تعلیمات اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ اسلام میں انسان کی فضیلت کا معیار صرف اس کا تقویٰ ہے، نہ کہ اس کی نسل، قوم یا رنگ۔

بائبل کی تعلیم ہے: "تو اپنے پڑوسی سے اپنے جیسا محبت رکھ" (متی 39:22)

یہ تعلیم محبت، ہمدردی اور انسانوں کے درمیان برابری کے اصولوں کو فروغ دیتی ہے۔

"جو شخص ایک جان کو بچاتا ہے، وہ پوری دنیا کو بچاتا ہے" (تلمود، سنہیڈری 37)

یہ قول اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ ہر انسانی جان کی قدر و قیمت برابر ہے، اور ایک جان کی حفاظت پوری انسانیت کی حفاظت کے مترادف ہے۔

ہندومت میں "وسودھیواکٹمبکم" کا تصور پایا جاتا ہے، جس کا مطلب ہے "ساری دنیا ایک خاندان ہے"۔

یہ تصور اخوت اور وحدت انسانیت کو فروغ دیتا ہے۔

اسی طرح بدھ مت میں "میتا" (محبت) اور "کرونا" (رحم) کی تعلیمات انسانوں کے درمیان محبت اور اتحاد کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔ بدھ مت کے مطابق ہر انسان کو محبت اور ہمدردی کے ساتھ پیش آنا چاہیے، جو وحدت انسانیت کی عکاسی کرتا ہے۔

وحدت انسانیت کا تصور تمام بڑے مذاہب و ثقافتوں میں ایک مشترک قدر کے طور پر موجود ہے۔ یہ تصور اس بات پر زور دیتا ہے کہ تمام انسان ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور انہیں اپنے درمیان فرق مٹانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ تصور دنیا میں امن، ہم آہنگی اور بھائی چارے کو فروغ دینے کے لیے ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اس تصور کو اپنانے سے نہ صرف معاشرتی تعلقات مضبوط ہوں گے بلکہ عالمی سطح پر ایک پرامن اور متحد معاشرہ کی تعمیر بھی ممکن ہو گی۔

4.5.2 تکریم انسانیت

تکریم انسانیت یا انسانی وقار ہر مذہب کی بنیادی تعلیمات کا ایک اہم جزو ہے۔ تمام مذاہب انسان کی عظمت، حقوق اور عزت و احترام پر زور دیتے ہیں۔ انسانی وقار یا انسانی عظمت کو عام طور سے ایک ایسے اصول کے طور پر دیکھا جاتا ہے جو انسان کی عزت، آزادی اور حقوق کو تسلیم کرتا ہے، چاہے اس کا تعلق کسی بھی مذہب، نسل یا قوم سے ہو۔

تکریم انسانیت کا تصور اسلامی فکر کی بنیاد میں ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے انسان اس دنیا میں اشرف المخلوقات اور خدا کا خلیفہ ہے جو اس بات کو واضح کرتا ہے کہ سارے انسان باعزت اور محترم ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے: اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی، اور ہم نے ان کو خشکی و تری دونوں میں سواری عطا کی، اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا، اور ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فضیلت بخشی۔ (اسراء:70)

اس آیت میں "فضیلت بخشی" سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو ایک بنیادی وقار عطا کیا ہے، جو کسی بھی صورت میں ختم نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اعزاز اس سے کسی بھی حالت میں چھینا نہیں جائیگا اور یہ کسی شرط کے ساتھ بھی مشروط نہیں ہے بلکہ ہر حال میں اس سے ملنا چاہیے۔ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں علامہ آلوسی لکھتے ہے: ہر انسان اور انسانی نسل کے سارے افراد، خواہ گناہگار ہو یا پرہیز گار، سب اس تکریم میں شامل ہیں۔ (روح المعانی، ص 13،12) دور جدید کے اسلامی مفکرین نے بھی اس بات کو واضح کیا ہے کہ انسانی تکریم انسان کے اچھے اخلاق اور اس کے بہتر رویہ کی وجہ نہیں ہے بلکہ یہ خدا کی طرف سے ودیعت کیا گیا ہے جو اس کی رحمت کا اظہار ہے اور یہ فطری اور مطلق حق ہے جو پیدائشی طور سے ایک انسان رکھتا ہے۔ یہ خداداد اور فطری ہے جسے کوئی فرد یا حکومت چھین نہیں سکتی۔ یہ سوال کہ کیا کسی

مجرم کے لیے یہ عزت و تکریم باقی رہتی ہے؟ تو اس کا جواب مثبت میں دیا جائے گا۔ ایک قیدی کو بھی انسانی احترام کا حق حاصل ہے۔ اسے نہ رسوا کیا جائے گا اور نہ ہی زندگی کی ضروری چیزوں سے اسے محروم کیا جائے گا۔

اسلامی نقطہ نظر سے انسان کے بنیادی حقوق کا تصور اسی عظمت و تکریم کی وجہ ہے۔ اور بحیثیت انسان اس کے جان و مال، عزت و آبرو اور حقوق کا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ انسانی جان کے تعلق سے اسلام بہت حساس ہے: اگر کسی نے ایک انسان کی ناحق جان لی، گویا اس نے تمام انسانوں کی جان لی، اور اگر کسی نے ایک انسان کی جان بچائی، گویا اس نے پوری انسانیت کو بچالیا۔ (مائدہ:32)

بائبل میں انسانی وقار کے تعلق سے کہا گیا کہ "خدا انسان کو اپنی صورت پر بنایا؛ خدا کی صورت پر اس نے اسے بنایا؛ مرد اور عورت کے طور پر اس نے انہیں بنایا" (پیدائش 1:27)۔ یہ آیت انسانی وقار کے تصور کو خدا کی صورت کے ساتھ جوڑتی ہے، جس کا مطلب ہے کہ ہر انسان میں خدا کی صفات کی جھلک موجود ہے، اس لیے اس کی عزت و احترام لازم ہے۔

ہندومت کی مقدس کتابوں میں بھی اس تعلق سے تعلیمات موجود ہیں: "آتما (روح) سب کے اندر ہے اور سب کچھ آتما میں ہے" (اپنشد)۔ یہ تعلیم اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ ہر انسان کے اندر ایک مقدس روح ہے، اس لیے ہر انسان کو عزت و احترام دیا جانا چاہیے۔ ہندومت میں "اہنسا" یا عدم تشدد کو ایک اہم اصول مانا جاتا ہے، جو انسانی وقار کی حفاظت کا باعث ہے، اس کا مطلب ہے کہ کسی بھی صورت میں کسی کو نقصان نہ پہنچانا، یہ اصول ہر انسان کے وقار و حقوق کی حفاظت کرتا ہے۔ اسلام اور دیگر مذاہب میں تکریم انسانیت یا انسانی وقار کو مشترک قدر اور غیر متزلزل حق کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔

4.5.3 تعلیم کا فروغ

تعلیم وہ بنیاد ہے جس پر ایک پر امن اور ترقی یافتہ معاشرے کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔ تکثیری معاشرہ میں تعلیمی نظام کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ وہ مختلف ثقافتوں اور مذاہب کے درمیان رواداری، احترام اور باہمی مفاہمت کو فروغ دے، جیسے تمام گروہوں کو مساوی تعلیمی مواقع فراہم کرنا، ثقافتی تنوع کا احترام کرتے ہوئے نصاب میں مختلف تہذیبوں اور مذاہب کی تاریخ شامل کرنا، طلبہ میں تنقیدی سوچ اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو فروغ دینا وغیرہ۔ تعلیم کے ذریعے افراد کو دوسرے مذاہب، ثقافتوں اور نظریات کے بارے میں واقفیت کرائی جاسکتی ہے تاکہ وہ دوسروں کی تہذیب و ثقافت کو سمجھ سکیں۔ تعلیم کا بنیادی مقصد لوگوں کو دوسرے مذاہب کے بنیادی اصول، تاریخ اور روایات کے بارے میں آگاہی فراہم کرنا ہے۔ جب افراد دوسرے مذاہب کو جانیں گے تو ان کے اقدار و رسومات کی بہتر سمجھ پیدا کریں گے، جو بقائے باہم کے لیے ضروری ہے۔

تعلیم کے ذریعے مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان مکالمہ کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔ بین مذاہب مکالمہ ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے لوگ اپنے مذہبی تجربات، عقائد اور روایات کے بارے میں گفت و شنید کرکے دوسرے عقائد کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، جو باہمی احترام اور ہم آہنگی کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ تمام مذاہب اخلاقی تعلیمات پر زور دیتے ہیں، جیسے کہ ایمانداری، ہمدردی، انصاف اور ایثار وغیرہ۔ تعلیم کے ذریعے ان اخلاقی اصولوں کو سیکھ کر افراد اپنے کردار کو بہتر بناسکتے ہیں، جس سے ایک پر امن اور

ہم آہنگ معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ تعلیم یہ بھی سیکھاتی ہے کہ ماضی میں تنازعات کیسے پیدا ہوئے اور ان سے کیا سبق لیا جاسکتا ہے۔ تعلیم افراد کو ماضی سے سبق لیتے ہوئے ان غلطیوں کو دہرانے سے بچاتی ہے اور ایک پر امن مستقبل کی تعمیر میں مدد کرتی ہے۔

عملی اقدامات: تعلیمی نظام میں بقائے باہم کے اصولوں کو شامل کیا جائے تاکہ نوجوان نسل ان اقدار سے واقف ہوں۔ اسکولوں اور کالجوں میں تنوع کی قدر سکھانے والے کورسز اور ورکشاپس کا انعقاد کیا جائے۔ میڈیا کے ذریعے امن، برداشت اور بقائے باہم کی اہمیت کو اجاگر کیا جائے۔ بقائے باہم کے لیے تعلیم کے یہ تمام پہلو نہایت اہم ہیں، جو تکثیری معاشرے میں ہم آہنگی، احترام اور امن کو فروغ دینے کے لیے ضروری ہیں۔

4.5.4 عدل و مساوات کا قیام

کوئی بھی تکثیری معاشرہ اسی وقت پائیدار اور ترقی یافتہ ہو سکتا ہے جب ہر شہری کو مساوی حقوق اور مواقع حاصل ہو، چاہے اس کا تعلق کسی بھی مذہب، نسل یا ثقافت سے ہو۔ مشترک انصاف کے مقاصد، جیسے عدالتی نظام میں ہر شہری کے لیے مساوات اور انصاف کو یقینی بنانا، سماجی ناانصافی اور امتیازی سلوک کو ختم کرنے کے لیے اقدامات کرنا، صنفی مساوات اور اقلیتوں کی حقوق کی حفاظت کرنا، سب کے لیے یکساں قوانین کا نفاذ ہو، قانون کی خلاف ورزی پر مناسب اور غیر جانبدارانہ کاروائی ہو، انسانی حقوق اور شہری آزادی کا تحفظ ہو، وغیرہ۔

عدل و مساوات کے بغیر انسانی حقوق کا تصور نامکمل ہے۔ ہر انسان کی عزت اور حقوق کی یکساں حفاظت معاشرے میں رواداری اور باہمی ہم آہنگی کا ماحول پیدا کرتی ہے۔ جب تمام افراد کو روزگار اور معاشی ترقی کے یکساں مواقع ملتے ہیں تو معاشرہ زیادہ پر امن اور خوشحال بنتا ہے۔ ناانصافی سے جنم لینے والی غربت اور معاشی تفاوت معاشرتی بے چینی اور تصادم پیدا کرتا ہے۔ اگر کسی ایک طبقے یا فرد کے حقوق کو سلب کیا جاتا ہے، تو یہ معاشرتی ناانصافی کا باعث بنتا ہے، جو بقائے باہم کے لیے مضر ہے۔

انسانی عظمت کا خیال رکھتے ہوئے اسلام عدل اور ان کے تقاضوں پر بہت زور دیتا ہے۔ تمام انبیاء کرام اور ان کی تعلیمات میں عدل اول مقام پر ہے۔ مسلمانوں کو تمام معاملات میں عدل و انصاف کا حکم دیا گیا ہے، خواہ معاملہ اپنے دشمنوں کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔ قرآن کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! عدل کے علم بردار بنو، اللہ کے لیے اس کی شہادت دیتے ہوئے، اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو، یہی تقویٰ سے قریب تر ہے اور اللہ سے درتے رہو۔ اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے۔(مائدہ:8)

مسلمانوں پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ وہ حق و عدل کے علمبردار بنیں، خود ان پر عمل پیرا ہوں اور دنیا کے سامنے بھی ان کی شہادت پیش کریں۔ یہ کہہ کر کہ، کسی قوم کی دشمنی بھی تمہیں عدل و انصاف کا معاملہ کرنے سے نہ روکے، عدل و انصاف کی راہ میں سب سے بڑے فتنے سے آگاہ کیا گیا ہے۔

بائبل کی تعلیم ہے "دوسروں کے ساتھ ویسا ہی کرو جیسا تم چاہتے ہو کہ وہ تمہارے ساتھ کریں"(لوقا 6:31)۔

دوسری جگہ ہے "تمہیں اپنے پڑوسی کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے اور ان کے حقوق کی حفاظت کرنی چاہیے" (احبار 19:15)

ایک اور جگہ ہے "عدل کے بغیر امن نہیں ہو سکتا" (تلمود)

ہندو مذہب کی مقدس کتابوں میں بھی اس کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے: "سچائی، انصاف اور درست عمل کو ہمیشہ اپناؤ" (یجر وید)

یہ تعلیمات عدل و مساوات کی اہمیت واضح کرتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ ان کے بغیر معاشرتی ہم آہنگی اور امن کا قیام ممکن نہیں۔ عدل و مساوات کے اصولوں کو اپنانے سے نہ صرف معاشرتی انصاف کا قیام ممکن ہوتا ہے بلکہ دنیا میں امن، محبت اور باہمی مفاہمت کی فضا قائم ہوتی ہے۔

4.5.5 بین مذاہب مکالمہ

بین مذاہب مکالمہ (Interfaith Dialogue) ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے مختلف مذاہب کے لوگ اپنے مذہبی تجربات، عقائد اور روایات کے بارے میں گفت و شنید کرتے ہیں۔ یہ مکالمہ باہمی احترام اور ہم آہنگی کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ بین مذاہب مکالمہ انفرادی اور ادارہ جاتی دونوں سطحوں پر مختلف عقائد اور روایات کو ماننے والے کے درمیان تعمیری تعاون پر مبنی مثبت تعامل و باہمی مفاہمت ہے، جو نئے نظریات پیدا کرنے کی بجائے باہمی احترام کو فروغ دینے کے لیے مختلف مذاہب و نظریات کے ماننے والے کے درمیان افہام و تفہیم کو فروغ دیتا ہے۔ یہ ایک سنجیدہ عمل ہے جس کا آخری ہدف امن ہے۔

زندگی کا مکالمہ (Dialogue of Life): یہ مکالمہ اچھے برتاؤ، کھلے پن اور اچھے پڑوسی بن کر زندگی گزارنے کا نام ہے۔ مختلف مذاہب و نظریات کے ماننے والے افراد روزمرہ کی زندگی ایک ساتھ گزارتے ہیں، اختلافات کو برداشت کرتے ہیں، مذہب کو ذاتی معاملہ سمجھتے ہیں اور یہ کہ مذہب پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں بنتا۔ اس مکالمہ میں انسانی جزبے کے ساتھ پڑوسیوں کا خیال رکھتے ہوئے، خوشی و غم اور مسائل و مصروفیات کو بانٹتے ہوئے روزمرہ کی زندگی گزاریجاتی ہے۔

عمل کا مکالمہ (Dialogue of Action): یہ مکالمہ معاشرے کی بھلائی اور انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے کام کرتا ہے۔ یہاں مشترک اقدار پر مبنی سماجی کام انجام دیتا ہے۔ انسانی حقوق کے تحفظ، افراد کی خوشی امن، انصاف اور مظلوموں کو حق دلانے کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ سماجی اصلاح، جیسے منشیات کا استعمال، سڑکوں پر تشدد، بے روزگاری، مہاجرین اور تعلیم کے حوالے سے رضاکارانہ خدمات انجام دیتا ہے اور سہولیات فراہم کرتا ہے۔ عمل کے مکالمے میں بلا تفریق مذہب و ملت انسانی حقوق، آزادی اور معاشرے کے مفاد کے لیے کام کرتا ہے۔

مذہبی تبادلے کا مکالمہ (Dialogue of Religious Exchange): جب مختلف عقائد و نظریات کے ماننے والے افراد ایک دوسرے کے عقائد و نظریات، روحانی اقدار اور طرز زندگی کو سمجھنے کے لیے گفت و شنید کرتے ہیں تو اسے مذہبی تبادلے کا مکالمہ کہا جاتا ہے۔ یہ موقع فراہم کرتا ہے کہ دوسرے کی روایات و اقدار کے حوالے سے اپنی معلومات میں اضافہ کیا جائے۔ یہ مکالمہ اس بات کے لیے نہیں

ہے کہ دوسرے مذاہب یا تہذیب کی خامیاں ڈھونڈا جائے بلکہ اس بات کے لیے ہے کہ دوسرے مذاہب کے عقائد و نظریات کو ویسے سمجھیں جیسا کہ ان کے ماننے والے سمجھتے ہیں۔

مذہبی تجربے کا مکالمہ (Dialogue of Religious Experience): اس مکالمے میں مذہبی عبادت گاہوں کا دورہ کر کے دوسرے مذاہب کے لوگوں کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ وہ کیسے اپنے خدا کی پرستش یا روحانی عمل کرتے ہیں۔ اس مکالمے کا حتمی مقصد دوسرے مذاہب کے رسومات وعبادت کے طریقوں کا مشاہدہ کر کے انکے تئیں تعصبات کو دور کرنا ہے۔

بین مذاہب مکالمہ بقائے باہم کے لیے ایک لازمی عنصر ہے جو مختلف مذاہب کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور احترام کی فضا قائم کرنے میں معاون ہے، اوراس کے نتیجے میں ایک پرامن اور متوازن معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

4.5.6 رواداری (Tolerance)

رواداری کا مفہوم ہے کہ ہم دوسروں کے عقائد، نظریات اور طرز زندگی کو برداشت کریں اور ان کا احترام کریں، چاہے وہ ہمارے اپنے عقائد سے مختلف کیوں نہ ہوں۔ مختلف تہذیبیں رواداری کو ایک بنیادی اصول کے طور پر مانتی ہیں، جو بقائے باہم کے فروغ میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اسلام میں رواداری کی بہت اہمیت ہے۔ قرآن میں کہا گیا ہے کہ "لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی" (بقرہ:256) یعنی "دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں ہے، ہدایت گمراہی سے جدا ہو گئی ہے"۔

اس آیت کا مفہوم ہے کہ ہر فرد کو عقیدے و ایمان کے انتخاب کا حق ہے اور کسی کو بھی زبردستی دین کی پیروی پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ رسول اللہؐ کی زندگی میں بھی رواداری کی کئی مثالیں ملتی ہیں، جیسا کہ میثاق مدینہ میں مختلف قبائل کے درمیان ایک معاہدہ کیا گیا، جس میں تمام لوگوں کو اپنے عقائد کے مطابق زندگی گزارنے کے حق کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق مسلمانوں کو دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ انصاف اور رواداری کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔

مختلف مذاہب میں رواداری کا تصور بقائے باہم کے لیے بنیادی اصول کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ رواداری نہ صرف معاشرتی ہم آہنگی کو فروغ دیتی ہے بلکہ مختلف عقائد کے حامل افراد کو ایک دوسرے کے ساتھ پرامن زندگی گزارنے کی ترغیب دیتی ہے۔ رواداری کی یہ تعلیمات مختلف گروہوں کے درمیان ایک مشترک بنیاد فراہم کرتی ہیں جو دنیا میں امن وعدل کے قیام کے لیے ضروری ہے۔

4.5.7 صحت اور عوامی بہبود

صحت اور عوامی بہبود ایک ایسا شعبہ ہے جس پر سب کا اتفاق ہوتا ہے۔ صحت کو بہتر بنانے کے لیے مشترک اقدامات کی ضرورت ہے۔ صحت کی سہولیات تک سب کی رسائی کو یقینی بنانا، مختلف طبقوں کے درمیان صحت کے معیار کو برابر کرنا، عوامی فلاحی منصوبوں، جیسے صاف پانی، صفائی اور متوازن غذا کی فراہمی کو یقینی بنانا۔

4.5.8 ماحولیاتی تحفظ

ماحولیات کا تعلق ہر طبقہ کے لوگوں سے ہے، ماحولیاتی تحفظ بقائے باہم کا ایک اہم جز ہے، کیونکہ ایک صحت مند اور پائیدار ماحول ہی پر امن بقائے باہم کے لیے بنیاد فراہم کرتا ہے۔ ماحول کے تحفظ کے لیے مشترک اقدامات بقائے باہم کے لیے ضروری ہے: ماحولیاتی آلودگی کو کم کرنے کے لیے منصوبے بنانا، پائیدار ترقی کے اصول اپنانا، شجرکاری، پانی کے تحفظ اور توانائی کے متبادل ذرائع کو فروغ دینا۔ ماحول، زمیں، پانی وہوا اور قدرتی وسائل کا تحفظ نہ صرف موجودہ بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی ضروری ہے۔ جب مختلف معاشرے اور ممالک میں ماحول کی حفاظت کی خاطر ایک ساتھ کام کرتے ہیں تو نہ صرف عالمی سطح پر امن واستحکام کو فروغ ملتا ہے بلکہ قدرتی وسائل کے منصفانہ استعمال کو بھی یقینی بنایا جاسکتا ہے۔

قدرتی وسائل کا منصفانہ استعمال: آب وہوا کی تبدیلی ایک عالمی مسئلہ ہے جو پوری دنیا کے انسانوں کو متاثر کرتا ہے، لہذا فطرت کے ساتھ توازن برتا جائے اور حکومتی سطح پر پائیدار پالیسیاں بنائی جائیں، جو قدرتی وسائل کے منصفانہ استعمال کو یقینی بنائیں۔ جب قدرتی وسائل، جیسے پانی، جنگلات اور معدنیات کا درست و منصفانہ استعمال کیا جائے گا، تو مختلف گروہوں اور ممالک کے درمیان تنازعات بھی کم ہوں گے۔ غیر قابل تجدید وسائل جیسے تیل اور کوئلہ کی بجائے قابل تجدید توانائی ذرائع جیسے شمسی توانائی اور ہوا کی توانائی کو فروغ دینا ماحولیاتی تحفظ کا ایک اہم حصہ ہے۔ ماحولیاتی تبدیلی کی وجہ سے بیشمار افراد اپنے علاقے چھوڑنے پر مجبور ہوتے ہیں، جس سے نئے معاشرتی مسائل و تنازعات پیدا ہوتے ہیں۔ بقائے باہم کے اصولوں کو اپنانا اور ماحولیاتی تحفظ کی کوششیں، ان مسائل کو حل کرنے میں مددگار ثابت ہوسکتے ہیں۔

4.5.9 قانون کی بالادستی

تکثیری معاشرہ میں تنازعات کے حل کے لیے مضبوط قانونی ڈھانچے کی ضرورت ہوتی ہے۔ قانون کی بالادستی کو یقینی بنانا ضروری ہے تاکہ کوئی فرد یا گروہ دوسروں پر ظلم یا جبر نہ کرسکے۔ عملی اقدامات، عدلیہ اور پولیس کی تربیت، عدلیہ اور پولس کو تنازعات کے حل اور انسانی حقوق کے تحفظ کے حوالے سے تربیت کی جائے۔ قانونی تحفظات، ایسے قوانین بنائے جائیں جو مظلوم، کمزور اور اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کرے۔ عدم تشدد کی تربیت، افراد اور گروہوں کو عدم تشدد کے اصولوں کی تعلیم وتربیت دی جائے کہ کیسے پر امن طریقوں سے مسائل کو حل کیا جاسکتا ہے۔ عوامی مظاہروں میں عدم تشدد کا فروغ، مظاہروں اور احتجاج میں تشدد سے بچنے کی حکمت عملی کی تربیت دیجائے تاکہ کسی بھی قسم کے تنازعے کو مزید بڑھنے سے روکا جاسکے۔ تنازعات کے حل کے لیے متبادل نظام، ثالثی اور صلح کے مراکز کا قیام بھی، جو فریقین کے درمیان تنازعات کو عدالت کے باہر حل کرسکے، بقائے باہم کے لیے ضروری ہے۔

4.6 بقائے باہم کے معاصر چیلنجز

موجودہ دور میں مشترک بنیادیں وبقائے باہم کے حوالے سے کئی اہم مسائل اور چیلنجز درپیش ہیں، جنہیں حل کئے بغیر معاشرتی ہم

آہنگی اور عالمی امن کا قیام مشکل ہیں۔ یہ مسائل عالمی سطح پر بڑھتی ہوئی مذہبی، ثقافتی اور سماجی تنوع کے درمیان اختلافات اور تنازعات کی وجہ سے پیچیدہ صورت اختیار کر چکے ہیں۔ ان چیلنجز کو مختلف زاویوں سے دیکھا جاسکتا ہے:

انتہاپسندی اور فرقہ واریت: موجودہ دور میں سب سے بڑا چیلنج انتہاپسندی اور فرقہ واریت ہے۔ دنیا کے مختلف حصوں میں مذہبی انتہاپسند گروہ معاشرے میں خوف وہراس پھیلانے کے لیے تشدد کا سہارا لیتے ہیں۔ یہ گروہ بقائے باہم کے اصولوں کو توڑتے ہیں اور دوسروں کی مذہبی آزادی کو چیلنج کرتے ہیں۔ کچھ ممالک میں فرقہ واریت کی بنیاد پر فسادات اور اور تشدد نے معاشرتی اتحاد کو کمزور تر کر دیا ہے۔ یہ رویہ بقائے باہم کے اصولوں کے منافی ہے اور مشترک بنیادوں کی تلاش کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

مذہبی وثقافتی تعصب: مختلف مذاہب اور ثقافتوں کے بارے میں تعصب اور غلط فہمیاں بقائے باہم میں بڑی رکاوٹ ہیں۔ بہت سے افراد دوسرے مذاہب یا ثقافتوں کے بارے میں مناسب معلومات یا صحیح تفہیم نہ ہونے کی وجہ سے منفی رائے رکھتے ہیں۔ یہ تعصب اختلافات کو بڑھاوا دیتا ہے اور بین مذاہب مکالمے کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے۔

قوم پرستی اور نسلی تعصب: معاصر دنیا میں بڑھتی ہوئی سیاسی قوم پرستی اور نسلی تعصب نے بقائے باہم کو متاثر کیا ہے۔ ساری دنیا میں قوم پرست تحریکیں طاقتور ہوتی جارہیں جو دوسری قوموں خاص طور پر اقلیتوں کے ساتھ تعلقات کو خراب کر دیتی ہیں۔ قوم پرستی کا رجحان اپنی قوم یا نسل کو باقیوں سے بہتر سمجھنے کی طرف مائل کرتا ہے، جس سے بقائے باہم کی بنیادیں کمزور ہوتی ہیں۔ مغربی ومشرقی ممالک سمیت کئی ملکوں میں نسلی تعصب اور نفرت کی بنیاد پر جرائم میں اضافہ ہورہا ہے۔ یہ تعصب معاشرتی فرقوں کے درمیان تعلقات کو متاثر کرتا ہے اور پرامن بقائے باہم کے لیے ایک سنگین خطرہ بن کر سامنے آتا ہے۔

سیاسی استحصال: مذہب وثقافت کو بعض اوقات سیاسی مفادات کے لیے استحصال کا شکار بنایا جاتا ہے۔ حکمراں وسیاسی جماعتیں مذہبی جذبات کو ہوا دیکر اپنے سیاسی مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جس سے معاشرے میں فرقہ واریت، نفرت اور تقسیم پیدا ہوتی ہیں۔ اس صورتحال میں بقائے باہم کو شدید خطرات لاحق ہوتے ہیں۔

اقلیتی حقوق کا استحصال: دنیا کے مختلف حصوں میں اقلیتی مذاہب اور گروہوں کے حقوق کی خلاف ورزی اور ان کے ساتھ امتیازی سلوک بقائے باہم کے بڑے مسائل میں شامل ہیں۔ اقلیتوں کو مذہبی گروہوں کے ہاتھوں مذہبی وسماجی استحصال کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جس سے معاشرتی توازن بگڑتا ہے اور کشیدگی پیدا ہوتی ہے۔

معاشی عدم مساوات: معاشی عدم مساوات اور وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم بھی بقائے باہم کے راستے میں ایک بڑا چیلنج ہے۔ جہاں وسائل کی کمی اور غربت ہوتی ہے، وہاں معاشرتی بے چینی اور تصادم کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ معاشی تفاوت مذاہب اور ثقافتوں کے درمیان عدم اعتماد اور تصادم کو بڑھاوا دیتا ہے۔

میڈیا کا غلط استعمال: جدید دور میں میڈیا اور سوشل میڈیا کے ذریعے معلومات کا غلط استعمال ایک بڑا مسئلہ بن چکا ہے۔ بعض افراد یا گروہ دوسروں کے خلاف نفرت انگیز پروپیگنڈا اور معاشرتی اختلافات کو بڑھاوا دیتے ہیں۔ ایسے ماحول میں بقائے باہم کی کوششوں

کو شدید نقصان پہنچتا ہے۔

تعلیمی و فکری مکالمے کا فقدان: بین مذاہب مکالمے اور فکری تبادلوں کی کمی بھی بقائے باہم کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ تعلیمی و فکری سطح پر مختلف مذاہب اور ثقافتوں کے درمیان مثبت اور تعمیری گفتگو نہ ہونے کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے کے تئیں بہتر سمجھ نہیں رکھتے ہیں، جس کی وجہ سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے اور اختلافات میں اضافہ ہوتا ہے۔

ماحولیاتی چیلنجز و وسائل کی کمی: ماحولیاتی چیلنجز اور قدرتی وسائل کی کمی بھی بقائے باہم کے لیے ایک بڑا چیلنج ہے۔ دنیا میں ماحولیاتی تبدیلی کے باعث معاشرتی تناؤ میں اضافہ ہو رہا ہے۔ پانی، خوراک اور دیگر وسائل کی کمی مختلف گروہوں اور قوموں کے درمیان تنازعات کا سبب بن رہے ہیں۔

نقل مکانی: ماحولیاتی تبدیلی اور جنگوں کی وجہ سے لاکھوں لوگ اپنے گھروں سے بے گھر ہو کر دوسرے ممالک یا علاقوں میں پناہ لینے پر مجبور ہوتے ہیں، جس سے مقامی آبادی کے ساتھ تناؤ اور تصادم پیدا ہوتا ہے۔

مساوی عدالتی نظام کا فقدان: بعض معاشروں میں عدالتی نظام کی ناکامی یا ناانصافی کی وجہ سے اقلیتوں اور کمزور طبقوں کے حقوق کا استحصال ہوتا ہے، جس سے معاشرتی بے چینی اور اختلافات بڑھتے ہیں۔ انصاف کی غیر موجودگی میں معاشرتی تعلقات میں توازن برقرار رکھنا مشکل ہے۔

معاصر دور میں مشترک بنیادیں اور بقائے باہم کو شدید مسائل کا سامنا ہے۔ تاہم، ان کا حل بھی ممکن ہے۔ عالمی سطح پر رواداری، ڈائیلاگ اور سماجی انصاف کو فروغ دیکر، اور عالمی مسائل جیسے ماحولیاتی تبدیلی اور اقتصادی ناہمواری کے حل کے لیے مشترک کوشش کے ذریعے بقائے باہم کی بنیاد کو مضبوط کیا جاسکتا ہے اور معاصر مسائل کے حل کو ممکن بنایا جاسکتا ہے۔

4.7 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- مشترک بنیادیں و بقائے باہم کے مفہوم اور اس کی اہمیت و مقاصد پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ معاشرتی ہم آہنگی کے لیے مشترکہ اقدار، اصول اور روایات کس طرح اہم ہیں اور بین الاقوامی و قومی سطح پر مختلف قوموں اور ثقافتوں کو جوڑنے میں کس طرح معاون ہیں، بیان کیا گیا ہے۔ بقائے باہم اور اس کے اہم اصولوں سے واقفیت کرائی گئی ہے کہ کس طرح مختلف معاشرتی، نسلی اور مذہبی گروہ اختلافات کے باوجود ایک پر امن معاشرہ میں ساتھ رہ سکتے ہیں۔
- مشترک بنیادیں وبقائے باہم کے تعلق سے اسلام، عیسائیت، یہودیت اور ہندومت کی بنیادی تعلیمات کو واضح کیا گیا ہے۔ یہ تعلیمات نہ صرف انفرادی طور پر ان مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان امن و بھائی چارے کو فروغ دیتی ہیں بلکہ عالمی سطح پر انسانیت کے لیے مشترک اصول کا تعین کرتی ہیں، جو دنیا میں معاشرتی استحکام وبقائے باہم کے لیے اہم ہیں۔

- بقائے باہم کی تاریخ، اہمیت اور اس کے ارتقاء کے بارے میں معلومات حاصل کرائی گئیں اور بتایا گیا کہ پہلی اور دوسری جنگِ عظیم کے اثرات کیا ہوئے اور ان کے بعد دنیا میں امن و بقائے باہم کی ضرورت کس طرح نمایاں ہوئی اور لیگ آف نیشن اور اقوام متحدہ جیسے ادارے کا کیا کردار رہا۔
- وحدتِ انسانیت کا تصور اس بات کی طرف نشاندہی کرتا ہے کی تمام انسان بنیادی طور پر ایک جیسے ہیں اور مساوی حقوق رکھتے ہیں، لہذا ہر فرد خواہ وہ کسی بھی نسل، رنگ، مذہب یا قوم سے تعلق رکھتا ہو وہ یکساں حقوق رکھتا ہے۔ وحدتِ انسانیت کی بنا پر مساوات اور انصاف کے اصولوں کی ضرورت واضح ہو جاتی ہے۔
- تکریم انسانیت کا مطلب ہے کہ ہر انسان کو اس کی فطری عظمت اور حقوق کے ساتھ عزت دی جائے۔ ہر انسان کی عزتِ نفس، زندگی اور آزادی کو مقدم رکھا جائے گا۔ اور کسی بھی انسان کو کمتر یا حقیر نہیں سمجھا جائے گا۔
- طلبہ نے یہ بھی معلومات حاصل کی کہ تعلیم شعور کو بیدار اور رواداری کو فروغ دیتی ہے، لوگوں کو مختلف ثقافتوں، مذاہب اور قوموں کے بارے میں معلومات فراہم کرتی ہے اور اس بات پر زور دیتی ہے کہ بین مذاہب مکالمہ، بین الاقوامی تعاون، قانون کی حکمرانی کس طرح بقائے باہم کو فروغ دینے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔
- یہ بھی معلومات حاصل کی گئی کہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر بقائے باہم کو کیسے فروغ دیا جاسکتا ہے۔ ہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ وہ دوسروں کے عقائد، کلچر اور نظریات کا احترام کرے اور پر امن طریقے سے زندگی بسر کرے۔
- بین مذاہب مکالمے کی افادیت کو واضح کیا گیا اور اس بات کا ادراک کرایا گیا کہ کس طرح مکالمے کی اقسام کو اپنا کر مختلف مذاہب و تہذیبوں کے پیروکاروں کے مابین اختلافات کو کم کیا جاسکتا ہے اور بقائے باہم کی بنیاد مضبوط کی جاسکتی ہے۔
- اس بات پر روشنی ڈالی گئی کہ ماحولیاتی مسائل کے حل اور قدرتی وسائل کے تحفظ کے لیے عالمی سطح پر کیا اقدامات کیے جاسکتے ہیں تاکہ فطرت اور معاشرہ دونوں کے ساتھ توازن برقرار رہے۔
- بقائے باہم کے معاصر چیلنجز جیسے مذہبی و ثقافتی اختلافات، انتہاپسندی و فرقہ واریت، قومی و نسلی تعصبات، معاشی ناہمواری، ماحولیاتی بحران اور سیاسی انتہاپسندی وغیرہ، سے واقفیت کرائی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ بقائے باہم کے لیے سنگین رکاوٹ ہیں۔ ان کا حل عالمی سطح پر تعاون، مکالمہ، مشترک بنیادوں پر کام کرکے اور سب سے بڑھ کر عدل و انصاف اور قانون کی بالادستی کے ذریعے ممکن بنایا جاسکتا ہے۔

4.8 نمونہ امتحانی سوالات

4.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. مشترک بنیادیں و بقائے باہم کا بنیادی مقصد کیا ہے؟

(a). عدم تشدد (b). سماجی ہم آہنگی (c). عدم اختلاف (d). کسی ایک ثقافت کو فروغ

2. بقائے باہم کا بنیادی اصول کیا ہے؟

(a). باہمی احترام و امن (b). عدم تصادم (c). اقتصادی پرتری (d). سماجی ارتقاء

3. کس سلطنت میں مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں کے درمیان بقائے باہم کی بہترین مثال ملتی ہے؟

(a). رومن سلطنت (b). عثمانی سلطنت (c). اندلس (d). مغلیہ سلطنت

4. بقائے باہم کے فروغ کے لیے کونسا ذریعہ سب سے زیادہ موثر ہے؟

(a). باہمی ثقافت کا فروغ (b). باہمی مکالمہ و تعاون (c). سیاسی دباؤ (d). جنگ کی مخالفت

5. ضابطہ حمورابی کس قدیم سلطنت سے تعلق رکھتا ہے؟

(a). بابل (b). مصر (c). یونان (d). ایران

6. ان میں سے کون مشترک بنیاد نہیں ہے؟

(a). وحدت انسانیت (b). وحدت ادیان (c). عدل (d). اخلاقی اقدار

7. اسلام کے مطابق انسانوں کو مختلف قوموں اور قبیلوں میں کیوں تقسیم کیا گیا ہے؟

(a). باہمی شناخت کے لیے (b). باہمی تعاون کے لیے (c). طاقت کے اظہار کے لیے (d). عدمِ تفریق

8. اسلامی تعلیمات کے مطابق کس چیز سے انسان کی فضیلت کا تعین ہوتا ہے؟

(a). تکریم انسانیت (b). تقویٰ (c). حقوقِ انسانی (d). نسلی برتری

9. قدیم معاشروں میں بقائے باہم کی کیا بنیاد تھی؟

(a). مذہبی رواداری (b). مشترکہ زبان (c). تجارت اور تبادلہ (d). طبقاتی تقسیم

10. سلطنتِ عثمانیہ نے مختلف مذاہب کے ساتھ کس پالیسی سے بقائے باہم کو برقرار رکھا؟

(a). ملت سسٹم (b). مذہبی ہم آہنگی (c). سیاسی معاہدہ (d). فوجی طاقت

4.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. مشترک بنیادیں و بقائے باہم کے مفہوم و اہمیت پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
2. تکثیری معاشرے میں مشترک مقاصد کا حصول بقائے باہم کے لیے کیسے معاون ہو گا؟ وضاحت کیجیے۔
3. مختلف مذاہب کے تناظر میں رواداری کی اہمیت پر ایک مضمون قلم بند کیجیے۔
4. بین مذاہب مکالمے کی اہمیت اور اس کے اقسام پر روشنی ڈالیے۔

5. قانون کی حکمرانی بقائے باہم کو کیسے فروغ دیتی ہے؟ تجزیاتی نوٹ لکھیے۔

4.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. بین الاقوامی سطح پر معاشرتی مساوات کے فروغ کے لیے کیا اقدامات کیے جاسکتے ہیں؟ ایک تفصیلی مضمون لکھیے۔
2. مختلف مذاہب کے تناظر میں مشترک بنیادیں وبقائے باہم کی اہمیت وضرورت پر ایک جامع مطالعہ پیش کیجیے۔
3. بقائے باہم کے معاصر چیلنجز اور ان کے حل کے لیے عملی اقدامات کیا ہوسکتے ہیں؟ بیان کیجیے۔

4.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. بین مذاہب مکالمہ : ڈاکٹر حمید اللہ
2. پیامِ امن : مولانا وحید الدین خان
3. اسلام میں غیر مسلموں کے حقوق : ابوالحسن علی ندوی

4. Dialogue in Islam: Qur'an-Sunnah-History. Dialogue Society: Ahmad Kurucan & Mustafa Kasim Ero
5. Religion, Beliefs, and International Human Rights: Natan Lerner
6. The Sprit Level: Why equality is Better for Everyone, R. Wilkinson & K. Pickett

اکائی 5: قوم یہود اور ان کے انبیاء

اکائی کے اجزا:

5.0 تمہید

5.1 مقاصد

5.2 یہود کی وجہ تسمیہ:

5.3 قوم یہود کی تاریخ

5.3.1 فلسطین عہد کا پہلا دور، قاضیوں کا عہد

5.3.2 فلسطین کا دوسرا عہد، دور تفریق

5.3.3 فلسطینی عہد کا تیسرا دور، عہد محکومی

5.4 انبیاء یہود

5.4.1 سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام

5.4.2 سیدنا حضرت اسحاق علیہ السلام

5.4.3 سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام

5.4.4 سیدنا حضرت حزقیل علیہ السلام

5.4.5 سیدنا حضرت الیسع علیہ السلام

5.4.6 سیدنا حضرت شمویل علیہ السلام

5.4.7 سیدنا حضرت عزیر علیہ السلام

5.4.8 سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام

5.5 اکتسابی نتائج

5.6 نمونہ امتحانی سوالات

5.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

5.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

5.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

5.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

5.0 تمہید

یہودیوں کے لیے عبرانی کے علاوہ "اسرائیلی" کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے جس کے لُغوی معنی ہیں کہ "خدا لڑتا ہے۔" یہ یعقوبؑ کا لقب تھا۔ عبرانی بائیبل کے مطابق ایک دفعہ وہ کنعان کی جانب سفر کر رہے تھے اور تنہا تھے کہ ایک آدمی آیا اور ساری رات ان سے کشتی لڑتا رہا۔ جب صبح کی روشنی شروع ہونے لگی تو اس آدمی نے یعقوبؑ سے کہا کہ اس کو جانے دیں لیکن باوجود زخمی ہونے کے یعقوبؑ نے اس آدمی کو پکڑے رکھا اور کہا کہ وہ اس وقت تک اس کو نہیں چھوڑیں گے جب تک کہ وہ ان کو برکات سے نہ نوازے۔ تب اس نے کہا: "اِس کے بعد تیرا نام یعقوب نہ رہے گا، بلکہ اسرائیل ہو گا۔ اور میں نے تجھے یہ نام دیا ہے، کیونکہ تو خدا سے اور آدمیوں سے لڑا ہے اور غالب ہوا۔" اس وقت سے یعقوبؑ، اسرائیل کے لقب سے بھی پہچانے جانے لگے۔ انہیں کی نسبت سے یہودی اپنی سرزمین کو بھی "اسرائیل" کا نام دیتے ہیں۔ یہودی مذہبی ادب میں بھی اس لفظ کا استعمال کثرت سے ہے۔ موجودہ اسرائیلی ریاست، جس کا قیام ایک متنازعہ مسئلہ ہے، کے یہودی و غیر یہودی باشندوں کے لیے بھی اسرائیلی کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے اس نئی اسرائیلی ریاست میں بسنے والا شخص مسیحی یا مسلمان ہونے کے باوجود اسرائیلی بھی کہلاتا ہے۔

یعقوبؑ کے بارہ بیٹوں میں سے ایک کا نام یہودا تھا۔ اسی بیٹے سے جو قبیلہ آباد ہوا اس کے باسی یہودی کہلائے۔ یہودیوں کے تیسرے بادشاہ، سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد اسرائیلی قوم دو ریاستوں میں بٹ گئی تھی۔ ان میں سے ایک ریاست کا نام "اسرائیل" اور دوسری کا نام "یہودا" تھا۔ اسرائیل کو "شمالی ریاست" اور یہودا کو "جنوبی ریاست" بھی کہا جاتا تھا۔ پہلے پہل صرف یہودا کے باسی یہودی کہلائے۔ بعد میں جب اسرائیل کو اشوریوں نے تباہ کر دیا تو تمام قوم یہودی کہلائی۔ عصرِ حاضر میں بھی انہیں اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی صداقت ہے کہ یہودی مذہب وہ آسمانی مذہب ہے جس کا انحصار زیادہ تر تورات، تلمود اور علماء، مفتیان اور قضاۃ یہود کے فتاویٰ یا فیصلوں پر ہے۔ حالاں کہ یہ آسمانی مذہب ہے، لیکن زمانے کے اتار چڑھاؤ اور یہودیوں کی دنیا پرستی کے سبب اتنے زیادہ تاریخی مدوجزر، عروج وزوال سے گزرا ہے کہ تحریفات کا اتنا ضخیم ڈھیر لگ گیا کہ جس کی وجہ سے اصل دین کو پہچاننا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ بہر حال موجودہ زمانے میں یہودی مذہب کی جو بھی شکل موجود ہے اس پر یہودی تاریخ اور یہودیوں کے دوسری اقوام سے تعلقات کا گہرا مطالعہ کیے بغیر مذہب یہود کو سمجھنا تقریباً محال ہے۔ یہود اہل کتاب شمار کیے جاتے ہیں اور اپنے مذہب کی ابتداء حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام سے

کرتے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی شخصیت اتنی زیادہ عظیم اور باوقار ہے کہ دنیا کے تین بڑے مذہب اسلام، عیسائیت اور یہودیت ان کو ابوالانبیاء مانتے ہیں۔ اور علماء کے ایک عام تخمینے کے مطابق پوری دنیا میں من جانب اللہ مبعوث ہونے والے انبیاء میں سے آدھے سے بھی زیادہ انبیاء ورسل حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی نسل میں سے ہی اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمائے ہیں مثلاً ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، داؤد، سلیمان، ایوب، یونس، شمویل، الیاس، الیسع، زکریا، یحییٰ علیہم السلام اور خاتم الانبیاء امام الانبیاء سید ولد آدم حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سب کے سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہی نسل سے ہیں۔ اور ابراہیم علیہ السلام بذات خود دسویں پشت میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت سام سے نسلاً منسوب ہیں۔

یہودی نسلی طور پر حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹے "یہودہ" کی اولاد ہیں لیکن مذہبی لحاظ سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تعلق رکھتے ہیں۔ لطیفہ یہ ہے کہ ان کی یہودیت، موسویت میں تبدیل نہیں ہوئی، ہاں اپنی موسویت کو یہودیت کے تابع کر کے، اس کو اسی رنگ میں رنگ دیا۔ چنانچہ اپنے اس ڈبل استحقاق کی بنا پر ان کو یہ اصرار ہے کہ فلسطین ان کو ملنا چاہئے۔ کیوں؟ کہتے ہیں کہ یہود اربابِ موسویت یہاں پر بھی براجمان رہے ہیں۔ ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ، اسی کو کہتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ، اگر یہ بات ہے تو کبھی سے آپ روس، امریکہ، برطانیہ اور جرمن وغیرہ میں بھی تو رہتے ہی آرہے ہیں۔ وہاں بھی آپ کو اپنے استحقاق کی جنگ لڑنا چاہئے تھی۔ خاص طور پر امریکہ میں تو عرصہ سے عملاً اور معناً برسر اقتدار بھی تم ہو۔ ممکن ہے وہ یہ سوچتے ہوں کہ یہاں کے اصلی باشندے امریکن ہیں۔ اس لئے یہودیوں کا حق نہیں بنتا۔ تو فلسطین میں بھی آپ کی پوزیشن کا یہی حال ہے۔ کیونکہ اس کے اصلی باشندے کنعانی ہیں جو کنعان بن حام بن نوح کی اولاد ہیں یا عمالقہ ہیں جو لاود بن سام بن نوح سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن یہودی یہودہ بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن تارح بن ناحور کی اولاد ہیں جو بارہویں پشت میں حضرت نوح سے جاملتے ہیں۔

5.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ ہم قوم یہود کی تاریخ اور ان کے انبیاء کی بابت معلومات حاصل کر سکیں۔

5.2 یہود کی وجہ تسمیہ

لفظ یہود کی اشتقاق کے سلسلے میں علماء کی مختلف آراء ہیں جن کو ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔

عبدالقادر شبیہ الحمد نے اپنی کتاب " الادیان و الفرق والمذاہب المعاصرہ" میں لکھا ہے:

یہ خالص عربی لفظ ہے اور "ہود" سے مشتق ہے، جس کے معنی توبہ وانابت کے آتے ہیں۔ چونکہ انہوں نے بچھڑے کی پوجا سے توبہ کی بے مثال اور تاب آزما روایت قائم کی اس لیے ان کو یہودی کہا گیا۔ انہوں نے عرض کیا تھا انا ھدنا إليك یا "ہود" کے معنی ہلنا، حرکت کرنا چونکہ یہ لوگ توریت بہت جوش سے جنبش کھا کھا کر پڑھتے تھے اس لیے یہودی نام سے موسوم ہوئے۔ یا پھر "ہود" کے معنی ہیں رہبری کرنا، مخبری کرنا۔ یہ بادشاہ وقت کو انبیاء کرام کی خبر دے کر انہیں قتل کراتے تھے اس لیے یہ لقب ان کو ملا جو ان پر اللہ کے غضب

کی غمازی کرتا ہے۔(مذاہب عالم ایک مطالعہ صفحہ 39)

یہودیت کے اشتقاق اور مصدر کی بابت ایک رائے یہ ملتی ہے کہ یہ لفظ مملکت "یہودا" کی طرف منسوب ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے انتقال کے بعد جنوبی فلسطین میں قائم ہوئی تھی۔ آپ کے انتقال کے بعد بنو اسرائیل دو حصوں میں بٹ گئے۔ایک حصہ اسرائیل اور دوسرا مملکت "یہودا" کے نام سے موسوم ہوا کیونکہ اس میں صرف دو خاندان "یہوداہ" اور "بن یمین "ہی باقی رہ گئے تھے، جس پر یہودا کے نسل کے غلبے کی وجہ سے یہود کے لفظ کا اطلاق ہونے لگا۔اسرائیل (سامرہ) کی آشوریوں کے ہاتھوں مکمل تباہی کے بعد پوری قوم پر لفظ "یہود "کا اطلاق ہونے لگا۔

بنو اسرائیل نے اپنے لیے یہ لفظ عہد نامہ قدیم میں سفر عزرا سے پہلے کہیں استعمال نہیں کیا ہے۔ عزرا یہود کی اس دور کی تاریخ پر مشتمل ہے جو بابل کی اسیری سے تعلق رکھتا ہے۔ سفر عزرا سے پہلے کے اسفار ان کے لیے "شعب" اور "اسرائیل "کا لفظ استعمال کرتے تھے .لیکن بابل کی اسیری کے بعد انہیں یہود کہا جانے لگا، جس سے اس رائے کی تائید ہوتی ہے کہ یہ لقب انہیں مملکت یہودا کے رعایا ہونے کی وجہ سے اس وقت عطا کیا گیا جب اخلاقی بگاڑ اور شریعت موسویہ سے انحراف کے بعد ان کے احبار و علماء نے اپنے اپنے خیالات و رجحانات کے مطابق عقائد و رسوم و مذہبی ضوابط کا ڈھانچہ تیار کرنا شروع کر دیا تھا، جس کی وجہ سے رسولوں کی لائی ہوئی ربانی ہدایت کا بہت تھوڑا ہی عنصر اس میں شامل رہ گیا تھا۔(مذاہب عالم-ایک تقابلی مطالعہ، صفحہ 40)

5.3 قوم یہود کی تاریخ

مصر میں جب یوسف علیہ السلام کو اقتدار حاصل ہو گیا تو آپ کے والد یعقوب علیہ السلام اپنے پورے خاندان کے ساتھ مصر میں جا کر آباد ہو گئے بنی اسرائیل کو وہاں آباد ہونے میں کسی خاص دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا کیونکہ اس وقت مصر میں عرب چرواہوں کی حکومت تھی جنہیں تاریخ میں "عمالقہ " کے نام سے جانا جاتا ہے اور جو قحط و خشک سالی کے سبب فلسطین اور سوریا سے دو ہزار سال قبل مسیح وہاں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے پورے خاندان کو جرسان کے علاقے میں آباد کیا جو قاہرہ اور دمیاط کے درمیان واقع ہے اور جو نہایت زرخیز اور سرسبز و شاداب علاقہ تھا۔

قبطیوں کے ہاتھوں عمالقہ کی حکومت کے خاتمے کے بعد بنو اسرائیل کی حب الوطنی مشکوک قرار پائی، اس لیے ان کے زور کو توڑنے کی پوری کوشش کی گئی۔ توریت میں مذکور ہے:

تب مصر میں ایک نیا بادشاہ ہوا جو یوسف کو نہیں جانتا تھا اور اس نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا دیکھو بنی اسرائیل ہم سے زیادہ قوی ہو گئے ہیں، سو آؤ ہم ان کے ساتھ حکمت سے پیش آئیں۔ ایسا نہ ہو کہ جب وہ اور زیادہ ہو جائیں اور اس وقت جنگ چھڑ جائے تو ہمارے دشمنوں سے مل کر ہم سے لڑیں اور ملک سے نکل جائیں۔

بنی اسرائیل پر تشدد کا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ملک کے اہم مناصب پر قبضہ کر لیا ہو گا اور مصر کی معاشیات پر ان کا پورا

کنٹرول ہو گیا ہو۔ بہر حال سبب جو بھی رہا ہو بنی اسرائیل کئی صدیوں تک اس میں انتہائی ذلت و نکبت کی زندگی گزارتے رہے یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں انکو مصر کی غلامی سے نجات ملی۔ (مذاہب عالم - ایک تقابلی مطالعہ، صفحہ 42-43)

موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد یوشع بن نون نے بنو اسرائیل کی قیادت کی زمام سنبھالی۔ آپ کی قیادت میں بنو اسرائیل فلسطین میں نہر اردن کی جانب سے داخل ہوئے اور سب سے پہلے "عای" کا شہر قبضہ میں آیا۔ اور سات سال کے کم عرصے میں انہوں نے اس علاقے میں چھوٹے چھوٹے تقریبا 31 بادشاہوں کا خاتمہ کیا۔ البتہ غزہ اور یافا کے حصے پر مستحکم و مضبوط قلعوں اور فلسطینیوں کے جدید آلات حرب سے مسلح ہونے کی وجہ سے اپنا حملہ نہیں کیا۔ 110 سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔

یہودیوں کے فلسطینی عہد کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ (1) قاضیوں کا دور (2) دور تفریق (3) دور محکومی

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے فلسطین کی فتح کے بعد اس کے مفتوح علاقوں کو بنی اسرائیل کے تمام ہی قبائل میں تقسیم کر کے ہر قبیلے کا ایک سردار بنا دیا تھا۔ یہ قبائل بوقت ضرورت تمام قبائل کا عمومی ذمہ دار بناتے جس کی ذمہ داری ان کی قبائلی قوانین کی بنا پر بین القبائلی جھگڑوں کو خوبصورتی سے رفع کرنا اور بیرونی حملوں کے دفاع کے لیے بحیثیت سپہ سالار کے عسکری فرائض انجام دینا تھا اس قسم کے لیڈروں کو بنی اسرائیل قاضی کہہ کر پکارتے تھے۔

عہد نامہ قدیم کی کتاب "قضاۃ" انہی رہنماؤں کے کارناموں کی داستان ہے اور اس زمانے کو اسی مناسبت سے قاضیوں کا زمانہ کہتے ہیں۔

یہ عہد حضرت یوشع علیہ السلام کے بعد سے شروع ہو کر سموئیل نبی کے عہد پر ختم ہوتا ہے۔ (مذاہبِ عالم - ایک تقابلی مطالعہ، صفحہ 47-48)

5.3.1 فلسطین عہد کا پہلا دور، قاضیوں کا عہد

قاضیوں کے دور میں قوم یہود کے مذہبی حالات کیسے تھے اس بابت مورخین درج ذیل باتیں لکھی ہیں:

اس پورے دور میں یہودی قوم بار بار خدا سے کیے اپنے عہد سے پھر جاتی تھی اور ان میں مختلف برائیاں رواج پا گئیں تھیں حتی کہ بسا اوقات وہ اپنے خدا "یھواہ" کو چھوڑ کر دوسری ہمسایہ اقوام کے معبودوں کی پرستش بھی کرنے لگتے تھے۔ لیکن اس نافرمانی کے باوجود بھی ان پر اس میثاق کا گہرا اثر تھا جسے انہوں نے اپنے خدا "یھواہ" سے موسیٰ علیہ السلام اور یوشع علیہ السلام کے کہنے سے باندھا تھا اور جس کا مفہوم یہ تھا کہ ان کے فضل و بخشش کے کسی قسم کے استحقاق سے پیشتر ہی خداوند "یھواہ" نے تمام بنی نوع انسان میں ان کا انتخاب کر لیا، انہیں غلامی سے نجات دلائی اور ایک زرخیز اور سرسبز ملک ان کو مہیا کیا اور مستقبل میں ایک ایسے دور کی بشارت دی جو ان کے ساتھ اللہ کے فضل و انعام کا مظہر ہو گا اور اس کے نتیجے میں ان کو عالمگیر قوت حاصل ہو گی اور چونکہ اس فضل و بخشش میں وہ اپنے آباؤ اجداد کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔ لہذا انہیں خدا کا شکر گزار رہتے ہوئے اسی کی عبادت اور تابعداری کرنی چاہیے، جس کے بدلے میں خداوند "یھواہ" ان کی حفاظت اور

رہنمائی کرے گا. اس میثاقی رشتے کے باعث بنی اسرائیل کی مذہبی زندگی اپنی ہمسایہ اقوام سے اس طرح سے متمیز ہو گئی کہ ان میں انفرادی اور سماجی ذمہ داری کا شدید احساس پیدا ہو گیا، نیز اس سے ایک نمایاں تاریخی شعور بھی ظہور پذیر ہوا جو اسرائیلی مذہب کے تصورات و رجحانات میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ اس تاریخی شعور اور درخشاں مستقبل کے تصورات کے باعث انبیاء بنی اسرائیل اپنے اپنے زمانے کے ماحول اور بدلتے ہوئے حالات میں اس میثاق خداوندی کی نئی نئی تعبیریں پیش کرتے اور لوگوں کو اس مثال کے رو سے پیدا ہونے والی ذمہ داریاں یاد دلاتے رہے۔

تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ قاضیوں کے دور سے پہلے بنی اسرائیل کی زندگی قبائلی انداز کی تھی۔ اس دور میں انہوں نے خانہ بدوشی کی زندگی چھوڑ کر ایک جگہ رک کر کھیتی باڑی کا کام شروع کیا، جس کے نتیجے میں متعدد نئے شہر اور گاؤں آباد ہوئے۔ اردن کے مشرق و مغرب میں بہت سے جنگلات کاٹ کر صاف کر دیئے گئے اور ان میں زیتون اور انگور کی کاشت خوب زوروں سے کی جانے لگی۔ کنعانی دور کی تجارت بھی بحال ہو گئی، عرب کے مسالے اور دیگر اشیاء فلسطین کے بازاروں میں شرکت سے آنے لگیں، بحرہ روم کی تجارت بھی ترقی پر تھی اور تجارتی جہازوں کی آمد و رفت میں بھی بے حد ترقی ہو گئی۔ (مذاہب عالم-ایک تقابلی مطالعہ، صفحہ 49-50)

5.3.2 فلسطین کا دوسرا عہد، دور تفریق

سلیمان علیہ السلام کے 903ق م میں انتقال کے بعد آپ کے فرزند "رجعام" حکمراں ہوئے لیکن ان کی نااہلیت سے نہ صرف دینی فضا کو نقصان پہنچا بلکہ سیاسی استحکام کو بھی نقصان لاحق ہوا۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک خادم "یربعام" نے بغاوت کر کے اسرائیل کے نام سے (922ق م) ایک سلطنت قائم کر لی اور اس طرح یہود سیاسی اعتبار سے دو دھڑوں میں بٹ گئے۔ جنوب میں یہودیہ "جوڈیا" کی سلطنت تھی جس کا مرکز یروشلم تھا اور شمال میں اسرائیلی سلطنت تھی جس کا پایہ تخت نابلس تھا. اس مملکت کے باشندے "سامرین" کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ یہ درحقیقت اس مملکت میں موجود "سامر" پہاڑ کی جانب نسبت ہے جسے عمری بادشاہ نے خریدا تھا اور جس کے مالک "سامر" کے نام پر اس پورے علاقے کو منطقہ سامرا کہا جانے لگا۔

یربعام کی مذکورہ بغاوت میں بنی اسرائیل کے دس قبائل نے بھی ساتھ دیا تھا کیونکہ انہیں حضرت سلیمان علیہ السلام سے یہ شکایت تھی کہ انہوں نے غیر اقوام میں شادیاں کیوں کیں، جس سے ان کے تمدنی اثرات کو پھیلنے کی راہیں وا ہوئیں۔ ان کو ایک شکایت یہ بھی تھی کہ انہوں نے اپنے دربار کی شان و شوکت اور عالی شان تعمیرات کے لیے جس میں ممتاز ترین یروشلم کا مرکزی عبادت خانہ تھا عوام پر ٹیکسوں اور بیگار کا اتنا بوجھ لاد دیا تھا جو ناقابل برداشت تھا اور جس کی وجہ سے لوگ اپنی زندگی ہی سے بیزار ہو گئے تھے۔ اسی دور کو دور تفریق کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے، سلاطین اول باب 10، آخری آیات بحوالہ مذاہب عالم۔ ایک تقابلی مطالعہ، صفحہ 53)

5.3.3 فلسطینی عہد کا تیسرا دور، عہد محکومی

یہ دور اسرائیلی مملکت کی زوال اور یہودا کے سکوت سے لے کر دوسری عام تباہی تک کے واقعات و حادثات پر مشتمل ہے۔ اس دور میں یہود یکے بعد دیگرے درج ذیل اقوام کے ماتحت باج گزار بن کر رہے۔

بابلی(586ق م۔538ق م)

ایرانی(538ق م-332ق م)

538ق م میں ایرانیوں نے کورش اعظم کی قیادت میں بابل کے مقبوضہ علاقوں پر اپنا اقتدار قائم کر لیا اور پہلی ایرانی سلطنت کی طرح ڈالی۔ اس دور میں یہودیوں کو واپس آجانے کی اجازت مل گئی۔ یروشلم پہنچنے کے بعد دارا اول کی اجازت سے 523ق م میں حجی نبی، زکریا نبی اور سردار کاہن یشوع کی نگرانی میں ہیکل سلیمانی نئے سرے سے تعمیر کیا گیا۔

اس کے بعد شاہ ایران نے یہودیوں کو دی جانے والی اپنی مراعات میں مزید اضافہ کر دیا اور عزیر(428ق م) کو شریعت موسوی کے نفاذ پر مامور کیا اور فرمایا کہ تو اپنے خدا کی اس دانش کے مطابق جو تجھ کو عنایت ہوئی ہے حاکموں اور قاضیوں کو مقرر کیا تا کہ دریا پار کے سب لوگوں کا جو تیرے خدا کی شریعت کو مانتے ہیں انصاف کریں اور تم اس کو جو نہ جانتا ہو سکھاؤ اور جو کوئی تیرے خدا کی شریعت پر اور بادشاہ کے فرمان پر عمل نہ کرے اس کو بلا توقف قانونی سزا دی جائے خواہ موت ہو یا جلاوطنی یا مال کی ضبطی ہو یا قید۔

شاہی فرمان سے راہ پا کر حضرت عزیر توریت کی حفاظت کی غرض سے اس کی تدوین کی جانب متوجہ ہوئے، پھر اسی کے ساتھ ساتھ اصلاحی سرگرمیوں اور کوششوں کا بھی اغاز کیا۔ سب سے پہلے انہوں نے یہودیوں کی دینی تعلیم و تربیت کا بندوبست کیا تا کہ ان کی اعتقادی و اخلاقی حالت کی اصلاح ہو سکے، پھر قوانین شریعت کا نفاذ کر کے ان کی معاشرتی و اجتماعی زندگی کو ان مفاسد سے پاک کیا جو غیر موزوں طور سے ان میں در آئی تھیں۔ اس ضمن میں ان تمام مشرک عورتوں کو طلاق دلوائی گئی جن سے یہودیوں نے بابل کی اسیری کے بعد شادیاں کر لی تھیں۔ ایرانی حکومت کے تحت یہودی قوم کا یہ دور (بعض مختصر ادوار کو چھوڑ کر) بڑے ہی سکون اطمینان کے ساتھ گزرا.

یونانی(332ق م۔175ق م) 332ق م میں ایرانی حکومت پر سکندر یونانی کے غلبہ و تمکن کے بعد یہودی ایرانیوں کے بجائے یونانیوں کی ماتحتی میں آگئے۔ اس دور میں یہودیوں پر کافی ظلم و ستم ڈھائے گئے۔ بیت المقدس کے ہیکل میں زبردستی بت رکھوائے گئے اور یہودیوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ ان کو سجدہ کریں۔ سبت کے احکام پر عمل کرنے اور بچوں کی ختنہ کرنے کی ممانعت کر دی گئی لیکن یہودی اس جبر سے مغلوب نہ ہوئے اور ان کے اندر ایک زبردست تحریک اٹھی جو تاریخ میں "مکابی" بغاوت کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بغاوت حضرت عزیر کی پھونکی ہوئی مذہبی روح بیداری کی بنا پر کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور انہیں ایک مستحکم اور آزاد ریاست قائم کرنے کا موقع مل گیا۔ یہ یہودی ریاست 67ق م تک باقی و برقرار رہی۔

رومی 63ق م 135ق م: مکابیوں کی تحریک جس اخلاقی و دینی روح کے ساتھ اٹھی تھی وہ بتدریج ختم ہوتی چلی گئی، جس کے نتیجے میں ان کے درمیان شدید اختلافات رونما ہوئے حتی کہ ان کے ہی بعض گروہوں نے رومی جنرل پومپی ائی کو فلسطین آنے کی دعوت دی چنانچہ پومپی ائی نے 63ق م میں بیت المقدس پر قبضہ کر کے ان کی آزادی کا خاتمہ کر دیا۔ (دیکھیے تفصیل: مذاہب عالم: ایک تقابلی مطالعہ، 58-59)

5.4 انبیاء یہود

یہ سچ ہے کہ قوم یہود میں بہت سارے انبیاء کرام مبعوث ہوئے ہیں۔ تمام انبیاء نے یہودیوں کو اصلاح و تربیت کی دعوت دی، توحید کے پیغام کو پہنچایا۔ ذیل میں یہودیوں کے معروف انبیاء کا مختصر تذکرہ پیش کیا جائے گا۔

5.4.1 سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام

حضرت یعقوب علیہ السلام خدا کے برگزیدہ پیغمبر تھے اور کنعانیوں کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے انہوں نے برسوں اس خدمت حق کو انجام دیا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام عبرانی میں اسرائیل ہے یہ اسرا (عبد) اور ایل (اللہ) دو لفظوں سے مرکب ہے اور عربی میں اس کا ترجمہ عبداللہ کیا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ اسحاقی خاندان جو ان کی نسل سے ہے اسی لیے بنی اسرائیل کہلاتا ہے اور آج بھی یہود و نصاری کے قدیم خاندان اسی نسبت کے ساتھ منسوب ہیں۔

5.4.2 سیدنا حضرت اسحاق علیہ السلام

سیدنا حضرت اسحاق علیہ السلام، سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام (خلیل اللہ) کے بیٹے سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بھائی اور سیدنا حضرت یعقوب عبرانی نام اسرائیل کے والد اور حسن و جمال میں یکتا رسول حضرت یوسف علیہ السلام کے دادا تھے۔ آپ کی ولادت کی خوشخبری فرشتوں کے ذریعے اس وقت دی گئی جب آپ کے والدین بڑھاپے کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ آپ کا شمار ان انبیاء میں ہوتا ہے جن کا نام پیدائش سے قبل رکھا گیا۔ جب فرشتوں نے آپ کے والد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو ایک بیٹے کی خوشخبری سنائی اس وقت سیدنا ابراہیم کی بیوی بھی قریب ہی موجود تھیں وہ ہنس پڑیں کہ اب ہم تو بوڑھے میاں بیوی کے ہاں بیٹا پیدا ہو گا۔ مگر فرشتوں نے کہا اللہ تعالی کے لیے کوئی ممانعت نہیں ہے۔ وہ جب چاہے جسے چاہے اولاد صالح عطا فرما دیتا ہے۔ فرشتوں نے نہ صرف سیدنا حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری سنائی بلکہ یہ بھی بتا دیا کہ اسحاق علیہ السلام کے یہاں بھی بیٹا پیدا ہو گا جن کا نام سیدنا یعقوب رکھا جائے گا۔

5.4.3 سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام

کلیم اللہ سیدنا حضرت موسی علیہ السلام اللہ تعالی کے وہ نبی ہیں جنہوں نے اپنے دور کے جابر و ظالم بادشاہ فرعون کے گھر میں پرورش پائی۔ وہ بھی ایسے حالات میں جبکہ فرعون نے نجومیوں کے کہنے پر بنی اسرائیل کے ہاں پیدا ہونے والے لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم دے رکھا تھا۔

سیدنا موسی علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے اللہ تعالی کے حکم سے انہیں صندوق میں بند کر کے دریا میں بہا دیا صندوق فرعون کے محل کے پاس پہنچا تو اس کے آدمیوں نے اسے نکال کر محل میں پہنچا دیا۔ پھر فرعون کے حکم سے آپ کی والدہ محترمہ کو بھی محل میں بلا لیا گیا۔

فرعون کے گھر میں پرورش پانے کے باوجود آپ نہایت متقی پرہیز گار ہونے کے ساتھ ساتھ دوسروں سے پیار کرنے اور ان کے دکھ درد میں کام آنے والے انسان تھے۔

سیدنا موسی علیہ السلام جب جوان ہوئے تو آپ کو مصر سے نکلنا پڑا، آپ کئی سال تک مصر سے دور رہے اور اسی دوران اللہ تعالی نے آپ کو اپنا نبی منتخب فرمالیا۔ پھر آپ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ آپ فرعون اور اس کی قوم سمیت پورے مصر باسیوں کو اللہ تعالی کی وحدانیت کی تعلیم دیں آپ علیہ السلام کو نو واضح نشانیاں اور معجزات دے کر فرعون کی طرف بھیجا گیا جن میں آپ علیہ السلام کے عصا کا سانپ بننا اور آپ کے دست مبارک کا نورانی ہو جانا (ید بیضا) قحط سالی، قمل، چند ایک نشانیاں ہیں۔ مگر فرعون اور اس کے حواریوں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے دین کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور جو لوگ سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے ان پر بھی شدید ظلم ڈھانے شروع کر دیئے۔

فرعون نے سیدنا موسی علیہ السلام کے مقابلے کے لیے اپنے جادوگروں کو جمع کیا لیکن انہیں سیدنا موسی علیہ السلام کے مقابلے میں شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔ فرعون کو جو خود کو خدا کہلواتا تھا وہ سیدنا موسی علیہ السلام اور آپ کی قوم کے درپہ آزار ہو گیا۔ اس نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کو ملک چھوڑنے کی بھی اجازت نہ دی۔ لیکن بالآخر سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل مصر سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ فرعون نے ان کا پیچھا بھی کیا لیکن موسیٰ علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی قوم کو سمندر نے راستہ دے دیا اور وہ سمندر پار کر گئے، جبکہ فرعون اپنے لشکر سمیت اسی راستے میں داخل ہوتے ہوئے اللہ تعالی کے حکم سے غرقاب ہو گیا۔ سیدنا موسی کو طور پہاڑ پر اللہ سبحانہ و تعالی سے کلام کرنے کا شرف بھی حاصل ہوا جس کے باعث آپ علیہ السلام کو کلیم اللہ کا خطاب ملا آپ پر اتاری جانے والی کتاب کا نام توریت ہے۔

5.4.4 سیدنا حضرت حزقیل علیہ السلام

حضرت موسی علیہ السلام کے بعد انبیاء بنی اسرائیل کا طویل سلسلہ ہے جو حضرت عیسی علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ صدیوں کے اس دور میں کس قدر انبیاء رسول مبعوث ہوئے ان کی صحیح تعداد رب العزت جانتا ہے۔ قرآن عظیم نے ان میں سے چند پیغمبروں کا ذکر کیا ہے ان میں سے بعض کا ذکر تو تفصیل سے آیا ہے اور بعض کا اجمال کے ساتھ اور بعض کا صرف نام ہی مذکور ہے۔ تورات میں قرآن عزیز کی بیان کردہ فہرست پر چند اور پیغمبروں کا اضافہ ہے اور ان کے واقعات اور حالات کا بھی۔ ان اسرائیلی پیغمبروں کے درمیان تاریخی ترتیب اختلافی مسئلہ ہے۔ البتہ یہاں یہ بتانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حزقیل علیہ السلام بھی انبیاء یہود یعنی انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہیں۔

تورات میں ہے کہ وہ بوذی کاہن کے بیٹے ہیں اور ان کا نام حزقی ایل ہے۔ عبرانی زبان میں ایل اسم جلالت ہے اور ہزقی کے معنی قدرت اور قوت کے ہیں۔ اس لیے عربی زبان میں اس مرکب نام کا ترجمہ قدرت اللہ ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام کے والد کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا اور جب ان کی بعثت کا زمانہ قریب آیا تو ان کی والدہ بہت ضعیف اور معمر ہو چکی تھیں، اس لیے اسرائیلیوں میں یہ "ابن العجوز" کے لقب سے مشہور تھے. حضرت حزقیل عرصہ دراز تک بنی اسرائیل میں تبلیغ حق کرتے رہے اور ان میں دین و دنیا کی رہنمائی کا فرض انجام دیتے رہے۔ (قصص القرآن جلد دوم، صفحہ 406)

5.4.5 سیدنا حضرت الیسع علیہ السلام

حضرت الیسع علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے۔ حضرت الیسع علیہ السلام حضرت الیاس علیہ السلام کے نائب اور خلیفہ ہیں اور اوائل عمر میں انہی کی رفاقت میں رہتے تھے اور انتقال کے بعد اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کی رہنمائی کے لیے حضرت الیسع کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور انہوں نے حضرت الیاس کے طریقے پر ہی بنی اسرائیل کی رہنمائی فرمائی۔

5.4.6 سیدنا حضرت شمویل علیہ السلام

ایسے انبیاء کرام بھی ہیں جن کا ذکر تو قرآن پاک میں موجود ہے لیکن ان کا نام مذکور نہیں۔ سیدنا شمویل علیہ السلام بھی ایسے ہی انبیاء کرام میں سے ہیں کہ ان کا ذکر قرآن پاک کی دوسری "سورۃ البقرہ" میں ملتا ہے لیکن آپ کا نام پورے قرآن پاک میں کہیں بھی مذکور نہیں۔ تاہم سبھی مفسرین قرآن نے ان کا نام تفاسیر میں لکھا ہے. آپ بھی سیدنا موسی علیہ السلام کی طرح بنی اسرائیل کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ آپ کے دور نبوت میں طالوت و جالوت کی لڑائی ہوئی جس کے دوران حضرت داؤد علیہ السلام نے جو بعد میں اسرائیل کے پیغمبر ہوئے جالوت کو قتل کر دیا اور طالوت کو فتح نصیب ہوئی۔

شمویل عبرانی ہیں اور عربی اس کا ترجمہ اسماعیل ہوتا ہے اور کثرت استعمال سے اشمویل شمویل رہ گیا۔ بہر حال جب شمویل علیہ السلام کے زمانے میں بھی عمالقہ کی دست برد اور ظالمانہ شرارتیں اسی طرح جاری رہیں تو بنی اسرائیل نے ان سے درخواست کی کہ وہ ہم پر ایک بادشاہ (حاکم) مقرر کر دیں جس کی قیادت میں ہم ظالموں کا مقابلہ کریں اور جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے دشمنوں کی لائی ہوئی مصیبت کا خاتمہ کر دیں۔ تورات میں بنی اسرائیل کے اس مطالبے کی کہ ہم پر ایک سلطان مقرر کر دیجئے یہ وجہ یہ بیان کی ہے:

اور ایسا ہوا کہ جب شمویل بوڑھا ہو گیا تو اس نے اپنے بیٹوں کو مقرر کیا کہ اسرائیل کی عدالت کریں اور اس کے پہلے بیٹے کا نام "یوایل" تھا اور اس کے دوسرے بیٹے کا نام "ابیاہ"۔ وہ دونوں بیر سبع میں قاضی تھے پر اس کے بیٹے اس کی راہ پر نہ چلے بلکہ نفع کی پیروی کرتے اور رشوت لیتے اور عدالت میں طرفداری کرتے تھے تب سارے اسرائیلی بزرگ جمع ہو کے راستے میں شمویل کے پاس آئے اور اسے کہا دیکھ تو بوڑھا ہے اور تیرے بیٹے تیری راہ پر نہیں چلتے اب کسی کو ہمارا بادشاہ مقرر کر جو ہم پر حکومت کرے جیسا کہ سب قوموں میں ہیں۔

5.4.7 سیدنا حضرت عزیر علیہ السلام

سیدنا عزیر علیہ السلام وہ نبی تھے جنہیں یہود اللہ تعالی کا بیٹا کہتے تھے بالکل اسی طرح جیسے سیدنا مسیح علیہ السلام کو نصاری اللہ تعالی کا بیٹا کہتے رہے لیکن اللہ تعالی نے قران پاک میں یہود و نصاری کی اس بات کو رد کیا اور فرمایا کہ دراصل یہ لوگ بہک گئے ہیں حضرت عزیر اللہ سبحانہ وتعالی کے وہ نبی ہیں جنہوں نے حیات بعد الموت کا مشاہدہ کیا۔

5.4.8 سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام

سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام کے صاحبزادے تھے۔ آپ سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ

السلام کی اولاد میں سے تھے۔ گویا آپ کا شمار ان نبیوں میں ہوتا ہے جنہیں نبوت وراثت میں ملی۔ سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے جلیل القدر والد سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف پرندوں اور جانوروں کی بولیاں نہ صرف سمجھتے تھے بلکہ پرندوں اور جانوروں سے ان کی بولی میں کلام بھی کر سکتے تھے۔ قرآن پاک میں اللہ سبحانہ وتعالی کی اس خاص نعمت کو جو اللہ تعالی نے اپنے اس نبی کو عطا کی تھی "فضل مبین" کا نام دیا ہے آپ جب سفر کرتے تو آپ کا تخت ہوا کے دوش پر سوار ہوتا اور لاتعداد پرندے آپ کے جلو میں محو پرواز ہوتے۔ آپ کے ساتھ پرواز کرنے والا ایک پرندہ "ہدہد" ہی آپ کے پاس ملکہ سبا بلقیس کی خبر لایا تھا۔ آپ نے ملکہ کو اسلام کی دعوت دی جو ملکہ نے قبول کی اور آپ پر ایمان لے آئی۔ سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام بڑے ہی عابد وزاہد پیغمبر تھے آپ نماز کی ادائیگی کو ہر بات پر ترجیح دیتے تھے۔

5.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- قوم یہود کون ہے اور اس کی تاریخ و تہذیب کیا ہے؟ یہود کو یہود کیوں کہا جاتا ہے۔ ان تمام حقائق کا انکشاف اس اکائی میں ہوا۔
- تاریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ 3- قوم یہود بھی نشیب و فراز سے دوچار ہوئی ہے۔ انہوں نے کئی بار خود کو نکبت و پستی میں ڈالا ہے۔
- قوم یہود کی تاریخ کے روشن اور تابناک دور تین ہیں جنہیں قاضیوں کا دور، دور تفریق اور عہد محکومی سے یاد کیا جاتا ہے۔
- قاضیوں کے دور کی تفصیلات کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ دور قضا تقریباً تین سو سال کا زمانہ ہے جس میں بنی اسرائیل کا انتظام و انصرام ان کے قضاۃ کے ذریعہ ہوا۔ جب کوئی قاضی؛ شریعت موسوی کا پابند ہوتا تو خدا کی نصرت اس کے ساتھ ہوتی اور پڑوس کی قومیں مغلوب رہتیں اور جب بھی کوئی قاضی خدا کا نافرمان یا شریعت موسوی کا فراموش کرنے والا ہوا تو وہ ذلیل وخوار ہوا اور آس پاس کی قومیں اس پر غالب آتی گئیں۔
- فلسطین میں یہودیوں کا داخلہ ہوا تو اس وقت کی مختصر تفصیل اس طرح ہے۔ اس دور میں حضرت موسیٰ علیہ السلام، ہارون علیہ السلام، یوشع علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا مصر میں ابتلاء اور موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے من جانب اللہ ان کا خروج غرق فرعون اور صحراء سینا کے راستے فلسطین میں یہود کا داخلہ اور تورات کا نزول۔
- دور جلاوطنی: یہ وہ دور ہے جب بنی اسرائیل کی شمالی حکومت یعنی اسرائیل کے دس قبائل ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جلاوطن کر دیے گئے اور آج تک ان کو کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس وادی میں کھو گئے یا زمین کے کس حصے نے ان کو نگل لیا۔ یہی دس قبائل بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑ (Lost Sheep of Bani Israel) کہلاتے ہیں۔ اسی دور کا دوسرا حصہ وہ ہے جو 606 ق م سے 532 ق م تک پھیلا ہوا ہے یعنی ستر سال۔ اس دور میں بنی اسرائیل کی یہودا نامی حکومت کا خاتمہ ہوا اور ہزاروں یہود کو بابل میں جلاوطن کر دیا گیا۔
- بنی اسرائیل اہل فارس کے زیر اقتدار: یہ وہ زمانہ ہے جو بابل کی حکومت کا خاتمہ ہو کر اہل فارس کا اقتدار فارس سے لے کر فلسطین

تک ہو گیا اور ان کی رواداری کی وجہ سے بنی اسرائیل کو بیت المقدس واپسی نصیب ہوئی اور ہیکل سلیمانی کو بھی از سر نو شاہان فارس نے بنانے کی اجازت دی اور مدد بھی کی۔

5.6 نمونہ امتحانی سوالات

5.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. کلیم اللہ کس نبی کو کہا جاتا ہے؟

(a). حضرت آدمؑ (b). حضرت موسیٰؑ (c). حضرت عیسیٰؑ (d). حضرت سلیمانؑ

2. ید بیضا کس نبی کا معجزہ تھا؟

(a). حضرت شموئیلؑ (b). حضرت موسیٰؑ (c). حضرت عیسیٰؑ (d). حضرت سلیمانؑ

3. موسیٰ علیہ السلام پر ان میں سے کون سی آسمانی کتاب نازل ہوئی تھی؟

(a). توریت (b). زبور (c). انجیل (d). قرآن

4. ہدہد کا واقعہ قرآن میں کس نبی کے ساتھ خاص ہے؟

(a). حضرت الیاسؑ (b). حضرت موسیٰؑ (c). حضرت حزقیلؑ (d). حضرت سلیمانؑ

5. حضرت حزقیل علیہ السلام کس قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے؟

(a). بنی اسرائیل (b). قوم عاد (c). قوم ثمود (d). قوم عمالقہ

6. اسرائیل کا عربی ترجمہ ہے؟

(a). اللہ کا دوست (b). اللہ کا محبوب (c). اللہ کا قریبی (d). عبد اللہ

7. اسرائیل کس نبی کو کہا جاتا ہے؟

(a). حضرت اسحاقؑ (b). حضرت یعقوبؑ (c). حضرت ہارونؑ (d). حضرت موسیٰؑ

8. فرعون نے جادوگروں سے مقابلہ کس نبی سے کرایا تھا؟

(a). حضرت موسیٰؑ (b). حضرت دانیالؑ (c). حضرت داؤدؑ (d). سب غلط

9. عصا کس نبی کا معجزہ تھا؟

(a). حضرت موسیٰؑ (b). حضرت زکریاؑ (c). حضرت داؤدؑ (d). حضرت یحییٰؑ

10. قوم یہود کا فلسطینی عہد کتنے ادوار پر منقسم ہے؟

(a). تین (b). پانچ (c). چار (d). آٹھ

5.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. قوم یہود کی تاریخ کو مختصر بیان کیجیے؟
2. قاضیوں کے عہد پر ایک مختصر نوٹ لکھیے؟
3. موسیٰ علیہ السلام کے حالات مختصر طور پر بیان کیجیے؟
4. حزقیل علیہ السلام پر ایک مختصر مضمون لکھیے؟
5. سلیمان علیہ السلام پر کے بارے اپنی معلومات مختصر قلمبند کیجیے۔

5.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. قوم یہود کی تاریخ کو تفصیل سے پیش کیجیے؟
2. انبیاء یہود پر ایک جامع مضمون لکھیے؟
3. قوم یہود کے فلسطینی عہد کو تفصیل سے بیان کیجیے۔

5.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. مذاہب عالم-ایک تقابلی مطالعہ مولانا انیس احمد فلاحی
2. دنیا کے بڑے مذاہب عادالحسن آزاد فاروق
3. قصص القرآن مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی
4. یہود و نصاریٰ تاریخ کے آئینہ میں ابن قیم جوزیہ
5. الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح۔ علامہ ابن تیمیہ

اکائی 6: توریت و دیگر کتابیں

اکائی کے اجزا:

6.0 تمہید

6.1 مقاصد

6.2 عہد نامہ قدیم اور اس میں شامل کتب و صحائف اور تحریریں

6.3 توریت اور اس کی کتب

6.4 ہفتادی ترجمہ یا ترجمۂ ہفتاد (Septuaginta)

6.5 یہودیت کی شریعت، تلمود یا تالمود

6.6 یہودیت کی دیگر کتب

6.7 کلیدی الفاظ

6.8 اکتسابی نتائج

6.9 نمونہ امتحانی سوالات

6.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

6.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

6.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

6.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

6.0 تمہید

عالم انسانی کے وہ مذاہب جن کی تعلیمات وحی الٰہی پر منحصر ہیں وہ الہامی یا آسمانی مذاہب کی صف و زمرہ میں آتے ہیں۔ جیسے یہودیت، عیسائیت اور اسلام۔ ان مذاہب کی تعلیمات بلکہ ان کا دستورِ حیات و نظامِ زندگی رب العالمین کا عطا کردہ ہے۔ اس نے جب اس دنیا

میں پہلا انسانی جوڑا بھیجا تو اس کو اس بات سے بھی آگاہ فرمایا کہ تمہیں زندگی گذارنے کے لئے جن اصول و قواعد کی ضرورت پڑے گی وہ میری جانب سے وقتاً فوقتاً ملتے رہیں گے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

"یہاں سے سب اترو پس تمہارے پاس میری طرف سے ہدایات آتی رہیں گی تو جو میری ہدایت پر عمل کریں گے انہیں نہ تو کوئی خوف ہو گا اور نہ ہی وہ غمزدہ ہوں گے"۔(بقرہ:38)

خالقِ کائنات نے ہر قوم کی ہدایت کے لیے اپنے برگزیدہ بندوں کو وقتاً فوقتاً بھیجا۔ قرآن پاک فرماتا ہے:"**ولکل قوم ھاد**"اور ہر قوم کے لئے ہادی گزرا ہے۔(سورۃ الرعد۔ 13) جملہ انبیاء کرام نے انہیں الہامی مذاہب اور ان کے بیان کردہ دستورِ حیات پر لوگوں کو زندگی گزارنے کی تعلیم و تلقین کی۔

یہودیت، عیسائیت اور اسلام الہامی یا آسمانی مذاہب ہیں کیوں کہ ان کی تعلیمات و احکام اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ ہیں، جو آسمانی کتب توریت، زبور، انجیل اور قرآن کی صورت میں بذریعۂ وحی ان ادیان و مذاہب کے انبیاو رسل علیہم السلام کو اپنی اپنی امتوں و قوموں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے عطا کئے گئے۔

مختصر یہ کہ یہودی ایک سامی مذہب(Semetic Religion)ہونے کے ساتھ ایک الہامی و آسمانی مذہب ہے اور اکثر و بیشتر اس کا دارومدار عہد نامہ قدیم بالخصوص توریت، تالمود، یہودی مفتیوں، ربیوں اور قاضیوں کے فتووں، فیصلوں اور تشریحوں پر مشتمل ہے۔

یہودی مذہب کے پیروکار(Followers) کسی ایک کتاب کو مبارک و مقدس نہیں مانتے ہیں بلکہ چند مستند و معتبر صحائف کے مجموعے کو مقدس تسلیم کرتے ہیں، جنہیں "مقدس کتابیں"(Holy Books) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس مجموعے میں شامل صحیفے، مختلف وقتوں میں مختلف مذہبی علما کے ذریعے ترتیب دیئے گئے ہیں۔ یہود(Jews) کا یہ مذہبی مجموعہ "بائبل(Bible) کا ہی حصہ ہے۔ یعنی بائبل کا پہلا تین چوتھائی حصہ انہیں کتب پر مشتمل ہے اور اس کا خصوصی تعلق یہودیت(Judaism) سے ہے، جو عہد نامہ قدیم" یا عہد نامہ عتیق (Bible Old Testament) کہلاتا ہے۔ ان کتابوں کی حقانیت کو عیسائی (Christians) بھی تسلیم کرتے ہیں۔ یعنی بائبل دو حصوں پر مشتمل ہے ایک حصے کا نام عہد نامہ عتیق یا عہد نامہ قدیم اور دوسرے حصے کا نام عہد نامہ جدید ہے۔ یہودی(Jews) عہد نامہ قدیم کو مانتے ہیں اور عیسائی عہد نامہ جدید(Bible New Testament) کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

بائبل یونانی لفظ بیلاس سے ماخوذ ہے جو اس چرمی وصلی کا نام ہے جو لکھنے کے لیے مصر میں استعمال ہوتی تھی۔ جب یہ صحیفے ابتدا میں چرمی وصلی پر لکھے گئے تو اس کا نام اس چرمی وصلی کی مناسبت سے "بائبل " کے نام پر مشہور ہو گیا۔ یا بائبل یونانی لفظ ببلیا (Biblia) کتابیں، سے مشتق ہے اور یہ ان الہامی کتابوں کا مجموعہ ہے جن کو کلیسائے جامع نے مستند قرار دے کر مسلمہ فہرست میں شامل کیا۔(ایف۔ ایس۔ خیر اللہ، قاموس الکتاب، مسیحی اشاعت خانہ، لاہور، 1993ء، ص:121)

یہودیوں کے مطابق ان کی مقدس کتابیں اصلاً عبرانی(Hebrew) زبان میں نازل ہوئی تھیں لیکن بعد میں ان کی زبانیں تبدیل

ہوتی رہیں۔ چنانچہ پہلے انہیں آرامی(Aramaic) زبان میں جمع کیا گیا۔ پھر یونانی بادشاہ کے حملے کے نتیجے میں جب یہودی اسکندریہ میں قید ہوئے تو وہاں سے رہائی کے بعد یہ کتابیں یونانی زبان میں جمع ہوئیں۔ ایک طویل عرصے کے بعد تورات کو پھر عبرانی کی طرف منتقل کیا گیا اور سب سے آخر میں رومیوں کا غلام بننے کے بعد رومی زبان میں ان کا ترجمہ کیا گیا۔

6.1 مقاصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبہ کو معلوم ہو گا کہ یہودیت کے دینی و مذہبی ادب اور بنیادی مقدس کتابوں میں کون کون سی کتابیں و صحیفے اور چیزیں شامل ہیں اور ان کی کیا مذہبی و تاریخی حیثیت ہے؟ نیز اس کی شریعت و فقہ کو کس نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس کے بنیادی ماخذ کیا ہیں اور یہودیت میں شریعت کا کیا مقام و کیا اہمیت ہے۔

6.2 عہد نامہ قدیم اور اس میں شامل کتب وصحائف اور تحریریں

بائبل کے پہلے تین چوتھائی حصے کا خصوصی تعلق یہودیت (Judaism) سے ہے، جو عہد نامہ قدیم ”یا عہد نامہ عتیق (Bible Old Testament) کہلاتا ہے۔ یعنی بائبل دو حصوں پر مشتمل ہے ایک حصے کا نام عہد نامہ عتیق یا عہد نامہ قدیم اور دوسرے حصے کا نام عہد نامہ جدید ہے۔ یہودی (Jews) عہد نامہ قدیم کو مانتے ہیں اور عیسائی عہد نامہ جدید (Bible New Testament) کو عہد نامہ قدیم کا ناسخ قرار دیتے ہیں۔

عہد نامہ قدیم کے دو نسخے ہیں (1) ایک عبرانی زبان میں مسورہ یعنی روایتی نسخہ۔ عبرانی زبان میں مسورہ روایت کو کہا جاتا ہے (2) اور دوسرا یونانی نسخہ سبعینیہ کہلاتا ہے۔ یہودی لوگ عبرانی نسخہ مسورہ کو مستند مانتے ہیں اور عیسائی یونانی نسخے کو تسلیم کرتے ہیں۔ اصل یونانی نسخے میں 19/کتب مسورہ سے زائد ہیں جو رومی اور یونانی کلیسا میں پڑھی جاتی ہیں۔ مگر پروٹسٹنٹ نے انہیں بائبل سے خارج کر دیا ہے۔(History of The English Bible P.13)

عبرانی نسخہ مسورہ تین حصوں پر مشتمل ہے(۱) توریت (2) (Torah) نبیم (3) (Nevim) کتبیم (Kethuvim)۔ اور ان تینوں کو تنک یا تناخ (TANAK) کہا جاتا ہے۔ تورات کے ”ت، نبیم کے ن اور کتبیم کے ک“ سے مل کر تنک بنا ہے۔ نبیم اور کتبیم کی کتب کی ترتیب یونانی اور مسورہ نسخوں میں مختلف ہے۔ عہد نامہ قدیم میں 39/ کتابیں ہیں، جن کی تفصیل اس طرح ہے:

(1) تورات:۔ توراۃ میں پانچ کتب ہیں (1) پیدائش (2) خروج (3) احبار (4) گنتی (5) اور استثنا۔ (2) پہلے کے انبیا کی کتب:۔ اس حصے میں 6/ کتب شامل ہیں یعنی (1) یسوع کی کتاب (2) قاضیوں کی کتاب (3) ایک سموئیل کی کتاب (4) دو سموئیل کی کتاب (5) ایک سلاطین کی کتاب اور (6) دو سلاطین کی کتاب۔ (3) متبرک تحریرات:۔ اس میں 13/ کتابیں ہیں (1) روتھ کی کتاب (2) ایک تواریخ کی کتاب (3) دو تواریخ کی کتاب (4) عزرا کی کتاب (5) نحمیاہ کی کتاب (6) استر کی کتاب (7) ایوب کی کتاب (8) زبور (9) امثال سلیمان کی کتاب (10) غزلیات سلیمان (11) نوحہ کی کتاب (12) یرمیاہ کی کتاب اور (13) دانیال کی کتاب۔ (4) بعد کے انبیا کی کتب:۔ یہ تین

ہیں۔یعنی سعیاہ، یرمیاہ، اور حزقیل۔(5) چھوٹے انبیا کی کتب:۔ اس میں 12/ کتب ہیں۔(1) ہوسیا(2) جول(3) آموس(4) عبیدیا(5) یونس(6) میکاہ(7) نحوم(8) حبقوق(9) ضفنیہ(10) ہگائی(11) زکریااور(12) ملاکی کتاب۔اس طرح عہد نامہ عتیق کی 39/ کتب ہیں۔

یعنی عبرانی زبان میں جو یہودی مذہبی ادب آج موجود ہے اس کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ان میں سے پہلا حصہ تورات کہلاتا ہے جو پانچ کتب پر مشتمل ہے جنہیں "کتب خمسہ موسوی (Law or Five Books of Moses)" کہتے ہیں۔دوسرا حصہ "نبیم (Prophets)" کہلاتا ہے جس کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے یعنی(ا) "پہلے کے انبیا(Early Prophet)" جن میں "سلاطین، سموئیل اور یسوع (Kings,Smauel, Joshue)" شامل ہیں۔ اور بعد کے انبیا(later Prophets) کی کتب سعیاہ ، یرمیاہ، اور حزقیل (Sayah, Jeremiah, Ezekil) اور چھوٹے انبیا(Minor Prophets) کی بارہ کتابوں پر مشتمل ہے۔ تیسرا حصہ خفیہ تحریرات (Secret writings) پر مشتمل ہے جس میں مختلف تشریحات و توضیحات شامل ہیں۔ اس مذہبی ادب میں سب سے اہم "تورات" (Torah) ہے جس کی تلاوت روزانہ وہفتہ واری عبادت یعنی "(Sabbath Service)" میں ضرور کی جاتی ہے۔

عہد نامہ قدیم(Bible Old Testament) ایک نظر میں

1-پیدائش	2-خروج	3-احبار	4-گنتی	5-استثنا	6-یشوع	7-قضاۃ	8-روت
9-سموئیل	10-سموئیل	11-سلاطین	12-سلاطین	13-تواریخ	14-تواریخ	15-عزرا	16-نحمیاہ
17-آستر	18-ایوب	19-زبور	20-امثال	21-واعظ	22-غزل الغزلات	23-یرمیاہ	24-یرمیاہ
25-نوحہ	26-حزقی ایل	27-دانی ایل	28-ہوسیع	29-یوایل	30-عاموس	31-عبدیاہ	32-یوناہ
33-میکاہ	34-ناحوم	35-حبقوق	36-صفنیاہ	37-حجی	38-زکریاہ	39-ملاکی	

عہد نامہ قدیم یا عتیق بالخصوص توریت کا تعلق براہ راست زندگی کے عملی مسائل سے تھا۔لیکن جیسے جیسے انسانی زندگی کے تقاضے و حالات بدلتے رہے اورانسانی سماج ترقی پذیر ہوتا گیا،یہودیوں کی شریعت کے اطلاق اور نفاذ میں بھی وسعت ہوتی رہی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت ایک رواں دریا کی مانند نشیب و فراز اور نئے نئے مقامات سے گزر کر تاریخ رقم کرتی رہی۔ حتّی کہ یہودی ربّیوں اور قاضیوں کے فتوؤں اور فیصلوں نے بھی شریعت میں امتیازی حیثیت حاصل کرلی۔اور اس طرح موسوی شریعت صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت تک محدود نہ رہی بلکہ فتوؤں، فیصلوں، ترجموں، تشریحوں اور تفسیروں کی بہت سی کتابوں کو بھی اپنے دائرے میں شامل کرلیا، جن کو آج عہد نامہ قدیم یا عتیق کے نام سے جاناجاتا ہے۔

عہد نامہ قدیم یا عتیق میں کل 39/ کتابیں شامل ہیں لیکن علمائے یہود نے ان میں سے 24/ یا 25/ کو مستند و معتبر مان کر کے باقی سے کنارہ کشی اختیار کرلی ہے۔یہودی علماو ربّیوں نے مستند و معتبر کتابوں کو بھی تین سلسلوں یا حصوں میں تقسیم کیا ہے۔اوّل تورات:۔اس میں پانچ اسفار یعنی پانچ کتابیں شامل ہیں۔1۔سفر تکوین، تخلیق یا پیدائش۔2۔سفر خروج۔3۔سفر احبار۔4۔سفر عدد یا گنتی۔5۔سفر استثنا۔

دوسرا نبیم :۔اس میں یوشع، قضاۃ، سموئیل اول، سموئیل دوم، یشعیاہ، یرسیاہ وغیرہ انبیا کی کتابیں شامل ہیں اوران کی تعداد تیرہ ہے۔
تیسرا کبتیم :۔اس میں زبور، امثال سلیمان، ایوب، دانیال، عزرا، نحمیاہ وغیرہ کی کتابیں ہیں جن کے اندر نظمیں، مناجاتیں اور تمثیلیں وغیرہ مذکور ہیں اوران کی تعداد سات ہے۔ اس طرح کل 25 / کتابیں ہوتی ہیں۔ مذکورہ بالا کتابوں کو 90ء میں سائنڈ نے قبولیت کی سند عطا کی تھی۔یہودیوں کی یہی کتابیں مقدس و اہم شمار ہوتی ہیں۔یہود و نصاریٰ کی مذہبی تاریخ میں ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابوں کا تذکرہ ملتا ہے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دس خدائی احکام ملنے اور مذکورہ کتابوں کی باقاعدہ ترتیب و تدوین کے دور تک لکھی گئیں لیکن خود یہودی علمانے انہیں مسترد کر دیااوراب وہ بالکل ناپید ہو چکی ہیں، اب ان کا کہیں وجود نہیں ملتا، ہاں بعض کتب میں ان کے نام مل جاتے ہیں۔

6.3 توریت اور اس کی کتب

"توریت" عبرانی لفظ ہے۔ لفظی لغوی و اعتبار سے جس کے مختلف معانی و مفاہیم ہیں۔ مثلاً: آگ نکالنا، شریعت و قانون، ہدایت و تعلیم یا شریعت۔ یہ تمام معانی توریت کے اصطلاحی معنی پر صادق آتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ توریت اگر تور سے ماخوذ و مشتق ہے تو اس کے معنی ہیں آگ نکالنا۔ اور آگ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گہرا تعلق ہے، کیوں کہ آپ کی بعثت اور نبوت کے لیے جو بات پہلے دن وجہ بنی، وہ آگ تھی۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

"جب انہوں (حضرت موسیٰ علیہ السلام) نے آگ کو دیکھا تو اپنی بیوی سے کہا ٹھہرو بے شک میں نے آگ دیکھی ہے، شاید میں اس سے تمہارے پاس کوئی انگارہ لے آؤں یا میں آگ سے راستے کی کوئی نشانی پاؤں۔ جب وہ آگ کے پاس پہونچے تو انہیں پکارا گیا، اے موسیٰ! بیشک میں ہی آپ کا رب ہوں، سو آپ اپنے جوتے اتار دیجے، بیشک آپ مقدس مقام طویٰ میں ہیں۔ اور میں نے آپ کو اپنی رسالت کے لئے چن لیا ہے۔ پس جو وحی کی جائے اس کو بغور سنئے۔ (طٰہٰ:9تا13)

اس طرح ممکن ہے کہ اسی مقدس وادی کی آگ اور پہلی وحی کی مناسبت سے ان صحیفوں کو تورات کہا گیا ہو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئے۔ اسی طرح دوسرے معانی کو قیاس کر سکتے ہیں، کیوں کہ یہود کی مذہبی اصطلاح میں توریت سے مراد مجموعہ کتب خمسہ یعنی وہ پانچ کتابیں ہیں جو انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئیں یا وہ کتب ہیں کہ جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بدست خود تحریر فرمایا تھا۔

یہودی اپنی تاریخ کی ابتدا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کرتے ہیں لیکن اس وقت جو یہودی مذہب ہمارے سامنے ہے وہ عذرا یا عزیر کے دور میں ترتیب و تشکیل دیا گیا۔ جس کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو مصر کے فرعون کے ظلم و ستم سے نکال کر فلسطین لے جانے کے لیے صحرائے سینا میں لائے۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو مقدس توریت عطا فرمائی جس کو پڑھنا، سمجھنا اور عمل کرنا بنی اسرائیل کے ہر فرد کے لیے ضروری قرار دیا گیا۔ یہودیوں کی مذہبی، سماجی و قومی زندگی کا نظام اسی توریت کے ماتحت ہے، جس کا ترجمہ عام طور پر، شریعت یا قانون کیا جاتا ہے لیکن ہدایت یا تعلیم زیادہ مناسب ہے۔

موجودہ توریت میں پانچ کتب شامل ہیں۔(1) سفر التکوین یا کتاب پیدائش (2) سفر الخروج یا کتاب الخروج (3) سفر اللاوین یا کتاب الاحبار (4) سفر العدد یا کتاب گنتی (5) سفر التثنیہ یا کتاب استثنا۔ یہی پانچ کتابیں توریت ہیں، جو حضرت موسیٰ کی مرتب کردہ سمجھی جاتی ہیں۔ انہیں میں وہ حصہ بھی ہے جس کو "احکامِ عشرہ" (Ten Commandment) کہا جاتا ہے۔ یہودیوں کے نزدیک یہ خدا کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر عطا کیا گیا تھا۔ عہد نامہ قدیم یا عتیق میں "توریت" کو سب سے مقدس سمجھا جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی شریعت انہیں میں درج ہے۔ ان کو کتب خمسہ موسوی بھی کہا جاتا ہے۔

کتابِ تکوین یا تخلیق یا کتابِ پیدائش: توریت کی پانچ کتب یا اسفار خمسہ کی پہلی کتاب ہے۔ جس کو یہودی عام بول چال میں بریشیت (ابتدا میں) کہتے ہیں۔ جو اس کتاب کی پہلی آیت کا پہلا لفظ ہے۔ اور اس کو "کُن" ہو جا کی مناسبت سے کتاب تکوین یا کتاب تخلیق بھی کہتے ہیں۔ اس میں مختلف مضامین سے متعلق روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً: تخلیقِ کائنات، انسان کی تخلیق اور اس کے گناہ، انسانی نسل کا فروغ وارتقا، طوفانِ نوح، مختلف اقوام کا عروج، حضرت ابراہیم کی موعود سرزمین میں تشریف آوری، عہد وپیمان، سدوم، عمورہ، حضرت سارہ، حضرت اسحٰق وحضرت اسماعیل کا تذکرہ، بیت ایل میں وعدہ کی تجدید، حضرت یوسف کا مصر میں فروخت ہونا، حضرت یوسف کا بادشاہ ہو جانا، ان کے والد اور بھائیوں کا مصر میں آنا، حضرت یعقوب وحضرت یوسف کی وفات اور حضرت یعقوب کا دھوکے سے اپنے بھائی کی برکت لینا وغیرہ۔ یعنی اس کتاب میں حضرت یوسف کے دور تک کے حالات وواقعات نیز بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے اور نجات پانے کی روداد کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ نیز اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کائنات کس طرح وجود میں آئی، پہلا انسانی جوڑا اس زمین پر کسی طرح ظاہر ہوا، گناہ کس طرح انسانی زندگی میں داخل ہوا اور اس کا بنی نوع انسان پر کیا اثر ہوا۔ خدا نے انسان کی نجات وکامیابی کے لئے کیا بندوبست کیا، خدا کی ذات اور اس کی صفات کے بارے میں کس طرح معلوم ہو سکتا ہے؟ اس زمین پر انسان کے کیا فرائض ہیں؟ خدا کے عدل وانصاف سے اور اس کی جزا وسزا کا کیا مطلب ہے؟

مختصر یہ کہ اس کتاب میں کائنات کی تخلیق اور مختلف خاندانوں کے حالات بڑی شرح وبسط کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں گویا کہ یہ موجودات یا مخلوقات کی تخلیق کا بہترین تعارف نامہ ہے۔ چنانچہ کتابِ پیدائش کے مختلف ابواب میں مذکور ہے کہ: خدا نے ساری چیزوں بالخصوص انسان کو پیدا کیا جو باغی اور گنہ گار بن گیا۔ گناہ چونکہ خدا کے خلاف بغاوت ہے اس لئے یہ ہمیشہ خدا کے غضب کو دعوت دیتا ہے جس کی مثال طوفانِ نوح کے واقعہ میں پیش کی گئی ہے۔ خدا نے طوفان نوح کے ذریعے عدالت کر کے اپنے قہر وجلال کا مظاہرہ کیا لیکن پھر بھی انسان نے بغاوت اور سرکشی کا راستہ نہ چھوڑا۔ حالاں کہ خدا نے ہمیشہ فضل وکرم کا اظہار فرمایا۔ آدم وحوا اگرچہ جنّت سے باہر کر دیئے گئے لیکن برباد نہ کئے گئے۔ نوعِ انسان کو طوفان کی نذر تو کیا مگر دنیا سے بالکل ختم نہیں کیا بلکہ ایک حصے کو باقی رکھا۔ اور ان کو منشر تو کیا لیکن باقی رکھا۔ (قاموس الکتاب، ص:214)

کتابِ خروج: یہ توریت کی پانچ کتابوں میں سے دوسری کتاب ہے۔ اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کی حکومت کے سنہرے دور، بنی اسرائیل کے ملک مصر سے نکلنے، بنی اسرائیل کے حضرت موسیٰ کی قیادت میں غلامی کی زندگی چھوڑ کر خداوند تعالیٰ کی ایک منتخب قوم

میں تبدیل ہونے اور انہیں روزمرہ کی زندگی گذارنے کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ کے ذریعے احکام اور قوانین دئے جانے کا بیان ہے۔ اسی میں وہ واقعات اور حالات بھی پائے جاتے ہیں جو اسرائیل کی تاریخ کا نقطۂ عروج ہیں۔ یعنی مصر سے رہائی اور شریعت کا عطا کیا جانا۔ اسی وجہ سے خروج کی کتاب کے واقعات، خدا کے اپنے لوگوں پر اپنی ذات کو منکشف کرنے کے تعلق سے ایک اہم کڑی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کا تعلق نہ صرف عہد عتیق سے بلکہ عہد جدید سے بھی ہے۔ اس کتاب کا بڑا موضوع وہ واقعات ہیں جو بنی اسرائیل کے مصر سے خروج پر برآمد ہوئے اور جو خروج کے بعد رونما ہوئے تھے۔ اور ان واقعات کو سن وسال کی عام اصطلاح میں ہی ترتیب دیا گیا ہے، جو عبرانی تاریخی نقطۂ نظر کے مطابق ہے۔ (قاموس الکتاب، ص:373)

اس کتاب میں بہت سے معجزات کا بھی ذکر ہے جن میں سے بعض قرآن کریم میں بھی مذکور ہیں۔ انہی معجزات کی وجہ سے بنی اسرائیل خود کو اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ قوم سمجھنے لگی اور پھر اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دشمنی پر آمادہ ہوگئی۔ اس میں وہ دس خدائی احکام بھی موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ نے پتھر کی تختیوں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے۔ اس کتاب خروج میں بنی اسرائیل کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اُس کے حضور میں مختلف قسم کی قربانیوں اور نذروں کے پیش کرنے کے طور طریقے بھی بتائے گئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے جو خیمہ بنایا تھا، اُس کا تفصیلی ذکر بھی اسی کتاب میں موجود ہے۔ مختصر یہ کہ اس کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: پہلا حصہ بنی اسرائیل کی مصر میں غلامانہ زندگی کے بیان پر مشتمل ہے۔ دوسرا حصہ بنی اسرائیل کے جنگلوں میں پھرنے سے متعلق ہے۔ اور تیسرا حصہ بنی اسرائیل کو وادی سینا میں شریعت دیے جانے کے بارے میں ہے۔

کتابِ احبار: یہ توریت کی تیسری کتاب ہے جس کو یہودی عام بول چال میں ویقرا (اور اس نے بلایا) کہتے ہیں۔ کیوں کہ عبرانی زبان میں یہ کتاب اسی لفظ سے شروع ہوتی ہے۔ مثناہ میں اس کتاب کے مختلف نام ذکر کئے گئے ہیں۔ مثلاً: توریت کوہنیم (کاہنوں کے قوانین) سفر کوہنیم (کاہنوں کا صحیفہ)، توریت ہا قربانیم (قربانیوں کے قوانین)۔ اس کے یہ نام مختلف مضامین کی وجہ سے رکھے گئے ہیں۔ یہ کتاب زیادہ تر شرعی قوانین پر مشتمل ہے لیکن بعض دوسرے مضامین بھی اس میں شامل ہیں۔ اس میں بیان کردہ مضامین کا مختصر خاکہ اس طرح ہے: قربانیوں کے قوانین، خیمۂ اجتماع کی عملی خدمت کی ابتدا، پاک اور ناپاک سے متعلق قوانین، کفارے کا عظیم دن، مختلف امور سے متعلق مختلف قوانین، تنبیہہ اور وعدے اور فدیہ کی رقم کا تعیّن اور نجات وغیرہ۔ علاوہ ازیں خداوند کے موسیٰ سے کلام، عقد و نکاح، پاک دامنی، روزمرّہ کی زندگی سے متعلق تعلیمات اور خدا کے احکام سے بنی اسرائیل کے برتاؤ کا بھی ذکر ہے۔ (قاموس الکتاب، ص 31، 32)

کتاب احبار کو پڑھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے عبادت کرنے کے کیا کیا طریقے تھے، کن رسموں کی بجا آوری ان پر فرض وضروری تھی۔ ان کے پیشواؤں کو کون سے فرائض انجام دینا لازمی تھے۔ نیز مختلف قربانیوں، تہواروں، عیدوں، مخصوص دنوں، امر و نہی، حلال و حرام وغیرہ کا بیان بھی اس کتاب میں تفصیل سے موجود ہے۔ اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: 1۔ خداوند قدوس کی عبادت اور 2۔ پاک زندگی کے اصول و قواعد۔

کتابِ عدد یا کتاب گنتی: یہی توریت کی چوتھی کتاب ہے جو بنی اسرائیل کے چالیس سالہ ابتدائی دور کی تاریخ پیش کرتی ہے۔ یہودی عبادت خانوں میں اس کتاب کو اس کے پہلے لفظ یا پہلے چند الفاظ کے بعد کسی لفظ سے موسوم کیا جاتا تھا۔ اس کتاب کا یہ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے پہلے چند ابواب مختلف قسم کے اعداد و شمار خصوصاً مردم شماری کے اعداد و شمار پر مشتمل ہیں۔ یعنی اس کا یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ جب بنی اسرائیل نے فرعون و قبطیوں کی غلامی سے نجات پائی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں ایک عظیم فوج کی شکل میں منظم کرنے کے لیے اُن کی مردم شماری کی، جس کے مطابق ان کی تعداد بیس لاکھ تھی لیکن کوہ سینا کے دامن سے روانہ ہونے کے بعد یہ تعداد کم ہو گئی۔ ملک کنعان میں داخل ہونے سے قبل ایک بار پھر اُن کی مردم شماری کی تا کہ معلوم ہو جائے کہ کتنے جوان فوجی خدمت انجام دینے کے قابل ہیں۔

بنی اسرائیل ملک مصر سے نکلنے کے بعد زیادہ سے زیادہ دس دن میں وعدہ کئے گئے ملک کنعان پہنچ سکتے تھے، لیکن انہیں وہاں پہنچنے میں اڑتیس سال کا طویل زمانہ لگ گیا۔ اس درمیان وہ لوگ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رہبری میں مصر سے نکلے تھے، سوائے یشوع اور ایک دوسرے یہودی کے سب انتقال کر گئے اور صرف اُن کی آل اولاد ہی دریائے اردن پار کر کے کنعان پہنچ سکی۔ حتّٰی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی کنعان کی سرزمین پر قدم نہ رکھ سکے۔ یہ دونوں اس لیے بچ گئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق جہاد کی حمایت کی تھی جبکہ باقی بنی اسرائیل نے ملک کنعان کا حال سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خداوند قدوس کو کافی برا بھلا کہا تھا۔ بنی اسرائیل کی نئی نسل یشوع کی قیادت میں کنعان پہنچی جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔

ان کی اس مصیبت و تکلیف کا سبب بیان کرتے ہوئے کتاب گنتی میں آگاہ کیا گیا ہے کہ کوہ سینا پر بنی اسرائیل نے خداوند سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کے احکام و قوانین کو مانیں گے، ہمیشہ اُس کے مطیع و فرماں بردار رہیں گے لیکن رفتہ رفتہ وہ خدا کے احکام کی خلاف ورزی کرنے لگے اور بت پرستی اور کئی دوسری برائیوں میں مبتلا ہو گئے۔ یہاں تک کہ خدا کی نعمتوں اور برکتوں کا شکر ادا کرنے کے بجائے اُس کو برا بھلا کہنے لگے۔ اس لئے خدا نے ان کو بعض ایسے مصائب و تکالیف میں گرفتار کیا جو اُن کی آئندہ نسلوں کے لیے باعث عبرت بنے۔ اس طرح اس کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے احکام و قوانین سے عداوت و بیزاری کا انجام کتنا خطرناک ہوتا ہے۔ (قاموس الکتاب، ص:840)

کتابِ استثنا: استثنا کا معنی و مطلب ہے ''شرع کا اعادہ''۔ اس کا یہ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی گذشتہ کتابوں میں بیان کردہ شریعت کے احکام و قوانین کو اختصار سے دوسری بار تحریر فرمایا ہے۔ مجموعی طور پر یہ وہی احکام و قوانین اور تعلیمات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا کی طرف سے بنی اسرائیل کو اُن کی اڑتیس سالہ جنگلوں میں بھٹکنے کے دوران مختلف اوقات میں دیتے رہے تھے۔

اس کتاب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آخری خطبات ذکر ہیں اور ساتھ ہی آپ کی زندگی کے آخری دنوں کے واقعات اور آپ کی وفات کا ذکر بھی پایا جاتا ہے۔ اور یہ اپنی ترتیب کے اعتبار سے تین فصلوں میں تقسیم ہے۔

1. حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خطبات جو تمہیدی نوعیت کے ہیں اور جن میں ماضی کے واقعات کا تھوڑا بہت ذکر بھی کہیں کہیں پایا جاتا ہے۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام حورب پہاڑ سے اُس وادی تک جہاں انہوں نے خیمے گاڑ رکھے تھے کہ سفر کی منزلوں کو دھراتے ہیں، آنے والی نسلوں کو تنبیہ و نصیحت کرتے ہیں اور پناہ کے تین شہروں کا بھی انتخاب کرتے ہیں۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک مسلسل خطبے کی شکل میں ہیں جو خدا کے دس احکام کے اعادہ سے شروع ہوتا ہے اور مختلف قوانین کے حوالے سے ختم ہوتا ہے۔
2. وہ قوانین جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کے سامنے بیان کئے، یہ ایک ضمیمہ ہے جس میں خطاب بھی ہے اور تذکرہ بھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بیان پر ختم ہوتا ہے۔ باب 27/ پتھروں پر شریعت کے قوانین لکھنے اور ایک پاک عہد کے متعلق ہدایات پر مشتمل ہے۔ باب 28/ میں فرماں برداروں کے لئے خیر و برکت اور نافرمانوں پر لعنت کا بیان ہے۔ باب 29/ اور 30/ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام لوگوں سے یہ عہد لیتے ہیں کہ وہ صرف اور صرف اپنے خدا یہوداہ کی عبادت کریں گے۔
3. باب 31/ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یشوع کو جو نصیحتیں کیں اور ان کو کیا فرائض سونپے اور انہوں نے کس طرح مل کر لوگوں کو ایک "گیت" سکھایا، اس کا ذکر ہے۔ اور کتاب کا خاتمہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے حضرت موسیٰ کے قبیلوں کو برکت دینے اور لوگوں کو اُن کے جانشین یشوع کی اطاعت کرنے کے ذکر سے ہوتا ہے۔ نیز اسی باب میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس شریعت کو ایک کتاب میں لکھ کر کاہنوں کو دیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اسے لوگوں کے سامنے پڑھیں۔ اور مزید یہ بھی حکم دیا کہ "شریعت کی کتاب" کو شہادت کے لئے عہد کے صندوق کے پہلو میں رکھا جائے۔ اور آئندہ حکمرانوں کو چاہیئے کہ وہ اس کتاب کی نقل تیار کریں جو کاہنوں کی تحویل میں ہے۔ (قاموس الکتاب، ص 45)

مذکورہ بالا کتبِ خمسہ یا اسفارِ خمسہ میں سب سے اول کتابِ پیدائش، پھر کتابِ خروج اور پھر کتابِ استثنا کو اہم مقام حاصل ہے اور یہودی علما اکثر ان کے ہی حوالے پیش کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اہلِ یہود کی مقدس کتب کے تین اجزا ہیں۔ پہلا جزو براہ راست اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیا تھا جس کو تورات کہتے ہیں۔ دوسرا نبییم جس میں حضرت موسی علیہ السلام اور دیگر انبیا علیہم السلام کا تذکرہ ہے۔ تیسرا کتبیم جس میں زبور اور دیگر انبیا کے قصص و واقعات مذکور ہیں۔ یہودیوں کی کتاب مقدس کو اجمالی طور پر اردو زبان میں تنک کے بجائے تناخ لکھا جا رہا ہے۔ اور لفظ "تنک" تورات، نبییم، اور کتبیم کے ابتدائی حروف (ت، ن، ک) سے مل کر بنا ہے۔

تناخ کے نزول و ترسیل کے حوالے سے یہودیوں کا قول ہے کہ "یہ کوہِ سینا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئیں، انہوں نے اسے اپنے خلیفہ حضرت یشوع کو روایت کیا اور انہوں نے اُن ستر بزرگانِ اسرائیل کو یہ منتقل کیں جو ابتدائی دور میں اسرائیل کے قاضی تھے وہاں سے یہ اہلِ اسرائیل کو نقل کی گئیں اور پھر اہلِ اسرائیل ہی میں یہ سینہ بسینہ نقل ہوتے ہوئے حضرت عزرا (عزیر) اور انکی فقیہ کی مجلس تک پہنچیں اور اُن سے یہ پیرو شیم تک پہنچیں جنہوں نے ان کو تالیف کیا۔ اسی مناسبت سے اسے "توراہ شبل پے" یعنی زبانی شریعت بھی کہا

جاتا ہے۔

یہودیوں کے علاوہ عیسائی اپنی اصطلاح میں توریت کا اطلاق ان تمام کتابوں پر کرتے ہیں جس کا نام وہ عہد نامہ عتیق یا عہد نامہ قدیم کی کتب رکھتے ہیں، اور وہ ہیں بنی اسرائیل کے انبیا کی کتب، ان کے قاضیوں کی تاریخ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل ان کے بادشاہوں کی خبریں، چاہے ان کے تحریر کرنے والوں کا انہیں علم ہو یا نہ ہو۔ اور بعض اوقات یہ لوگ توریت کا اطلاق ان کتابوں کے مجموعے اور اناجیل پر بھی کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے نزدیک توریت وہ آسمانی کتاب ہے جس کو اللہ رب العلمین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر لوگوں کی ہدایت ورہبری کے لیے نازل فرمایا اور تختیوں پر مکتوب (لکھی ہوئی) صورت میں انہیں عطا کیا۔ اور بعض مسلم محققین وعلما توریت کا اطلاق عہد قدیم کی سب کتب پر کرتے ہیں اور ان کے اس قول کی دلیل وثبوت "صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب "انا ارسلنک شاھداً "حدیث 4838 ہے۔

6.4 ہفتادی ترجمہ یا ترجمۂ ہفتاد (Septuaginta)

ہفتادی ترجمہ یا ترجمۂ ہفتاد کے لغوی معنی ہیں "ستر (بزرگوں یا سنتوں) کا ترجمہ"۔ عہد نامہ قدیم یا عتیق کا سب سے پرانا اور سب سے اہم ترجمہ جو تیسری صدی قبلِ مسیح (BC) میں عبرانی زبان (Hebrew Language) سے یونانی (Greek Language) میں کیا گیا، لاطینی (Greek Language) میں اسے سپتوا گنتا (Septuaginta) کہتے ہیں اور اس کا مخفف "LXX" ہے جو رومی گنتی کے مطابق ستّر (70) ہے۔ یہودی روایت کے مطابق اسکندریہ کے کتب خانہ کے محافظ نے مصر کے حاکمِ وقت بطلیمس اوّل (285 ق م تا 246 ق م) سے گزارش کی کہ یہودی کتاب مقدس کا ترجمہ کتب خانہ کے لئے کروایا جائے۔ اس پر بطلیمس نے یروشلم کے سردار کاہن سے درخواست کی کہ وہ انہیں یہ مہیا کرے۔ روایت کے مطابق سردار کاہن نے ستر یا بہتر بزرگ یہودی عالموں کو توریت کے ایک مستند نسخے کے ساتھ اسکندریہ بھیجا جہاں انہوں نے بہتر ہفتے میں اس ترجمہ کو مکمل کیا۔ بعد میں عہد نامہ قدیم (پرانا عہد نامہ) کی باقی کتابوں اور "اپاکرفا" کا بھی ترجمہ اس میں شامل کیا گیا۔ (قاموس الکتاب، ص 1080۔1081)

اس ترجمہ کا اصل مقصد یہ تھا کہ وہ یہودی جو قید وبند کے زمانے میں وطن چھوڑ کر مصر میں بس گئے تھے، کتاب مقدس کا اپنی نئی زبان میں جو انہوں نے اب اپنالی تھی تلاوت یا مطالعہ کر سکیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عبرانی زبان متروک ہو گئی۔ ہفتاوی ترجمہ کی اہمیت اس معنی کر بھی ہے کہ ان لفظوں کے معانی جو بعد میں متروک ہو گئے ہفتادی ترجمہ میں ملتے ہیں۔ اسی لئے بعض جگہ یہ ترجمہ مسوراتی متن سے بہتر ہے۔ پہلی صدی کے کلیسا نے ہفتادی ترجمہ قبول کیا۔ عہد نامہ جدید (نئے عہد نامہ) میں جو اقتباسات پرانے عہد نامہ سے لئے گئے ہیں وہ اکثر ہفتاوی ترجمہ سے لئے گئے ہیں۔ پرانے عہد نامہ کا موجودہ اردو ترجمۂ ہفتادی، اصل عبرانی نسخوں سے کیا گیا ہے اسی لئے بعض مرتبہ الفاظ میں کچھ فرق آجاتا ہے۔ (قاموس الکتاب، ص 1080۔1081)

6.5 یہودیت کی شریعت، تلمود یا تالمود

تلمود عبرانی زبان (Hibrew Language) کا لفظ ہے جس کا مادہ "لمد" ہے۔ عبرانی میں لمد کے معنی وہی ہوتے ہیں جو عربی میں لمذ کے ہوتے ہیں، یعنی تعلیم یا پڑھنا۔ اسی سے تلمیذ بمعنی شاگرد بھی آتا ہے۔ گویا کہ تلمود کا معنی تعلیم (Study or teaching) ہے۔

اصطلاحًا یہ یہودیوں کی کتاب فقہ یا شریعت یا یہودیت کا مجموعۂ قوانین ہے، جو یہودیوں کی زندگی میں تقدس کا درجہ رکھتا ہے اور اسے یہودی فقہی یا شرعی احکام کی ضابطہ بندی یا قانون سازی میں دوسرا ماخذ قرار دیا گیا ہے۔ نیز یہ ان تعلیمات کا مجموعہ ہے جنہیں علماء یہود نے توریت کی شرح اور اس کے اصولوں سے استنباط و اخذ کر کے ترتیب دیا ہے۔ یعنی تالمود علماء یہود کے اجتہادی مسائل و احکام کا مجموعہ ہے جو عہد نامہ عتیق کی روشنی میں ترتیب دئے گئے ہیں۔ تالمود بھی یہودی مذہبی ادب کا ایک خاص حصہ ہے جو دو مکتبۂ فکر کی وجہ سے وجود میں آیا اسی لئے دو تالمود ہیں اور دونوں کو علیحدہ علیحدہ ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ ایک فلسطینی تالمود دوسرے بابلی تالمود۔ فلسطینی تالمود کی چوتھی صدی کے آخر میں یروشلم کی اکیڈمی میں ترتیب و تدوین کی گئی جس میں 39/ ابواب ہیں۔ بابلی تالمود بابل اکیڈمی کے ذریعے تیار کی گئی جس میں 37/ ابواب ہیں۔ یہودیوں کے یہاں بابلی تالمود کو فلسطینی تالمود پر فوقیت حاصل ہے اور عام یہودیوں میں بھی اس کو قومی فوقیت و حمایت حاصل ہے۔ نیز یہودیوں کے مذہبی ادب، اعتقادات اور مذہبی فلسفے پر بھی بابلی تالمود کو برتری حاصل ہے۔ فلسطینی تالمود بعض اوقات توریت کی نصوص و عبارات کے برخلاف ہوتی ہے۔

خیال رہے کہ یہودیوں کی جماعت قرائین تلمود کے احکام کے تابع نہیں ہے۔ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ توریت کی شرح میں وہ آزاد فکر والے ہیں۔ تلمود یروشلم مختصر اور جامع ہے اور یہ چوتھی صدی عیسوی کے آخر میں مکمل ہوئی۔ بابلی تالمود کی تالیف و ترتیب میں تالمود یروشلم یا فلسطینی تالمود سے استفادہ کیا گیا ہے، جو فلسطینی تالمود سے تین گنا بڑی ہے اور چھٹی صدی عیسوی میں پایہ تکمیل کو پہونچی، اس کو ہماری تالمود بھی کہتے ہیں۔ اس کے مطابق یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ اللہ کے سب سے محبوب و پیارے ہیں یہاں تک کہ فرشتوں سے بھی۔ ایک مسیحا کا انہیں اب بھی انتظار ہے تاکہ وہ آئیں اور خدائی بادشاہت قائم ہو اور ان کا درجہ سب سے اونچا ہو۔ تالمود حقیقت میں ان تعلیمات اور مباحث کی تلخیص ہے جو مذہبی اور قانونی مسائل و معاملات کے بارے میں روم کے بادشاہ ٹائٹس کے توسط سے یروشلم کی تباہی کے بعد تین چار صدیوں تک یہودی علما و فقہا کے مابین زیر بحث رہے۔ بعض یہودی اس کی صحت پر شک کرتے ہیں لیکن اکثر اس کو الہامی مانتے ہیں اور اسے شفوی و زبانی روایات سمجھتے ہیں۔

تالمود میں احکامات، روایات، واقعات، اخلاقی قوانین، عبادات اور دیگر مسائل کا ذکر ہے اور اسی سے یہودیوں میں علم و فن اور درس و تدریس کا شوق پیدا ہوا لیکن اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ علم و فن میں کمال کے بعد یہودی علما و فقہا نے مذہبی قوانین کو بے جا انسانی تقاضوں کی صورت میں تبدیل کر کے تحریف کا کام شروع کر دیا۔ (ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ، ص:290)

دونوں تالمود آرامی زبان میں لکھی گئیں کیونکہ یہی ان کی روزمرہ کی زبان تھی اور عبرانی سے ان کا تعلق تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ بابلی

تالمود کی بنسبت فلسطینی تالمود آسان اور مختصر ہے۔ بابلی تلمود بہت طویل اور دقیق ہے، اس میں مسائل شریعت کے علاوہ تاریخ، جغرافیہ اور آثار قدیمہ سے متعلق بھی بہت سی معلومات ہیں۔ بابلی تلمود نے یہودیوں کے دین و مذہب، ان کی روزمرہ کی زندگی، ان کے طرز بیان اور ان کے اندازِ فکر پر بہت ہی گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔

دونوں تالمود کی عناوین و مضامین کے لحاظ سے بھی دو قسمیں ہیں۔ 1۔ ہلکہ یعنی خالص احکام و شرائع کا مجموعہ۔ اس میں 613/ اوامر و نواہی، ان کی جزئی تفصیل، حلال و حرام کے مسائل اور صغیرہ و کبیرہ گناہوں کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔ دوسرا ہجدہ یعنی روایات و سیر اور آثار و قصص وغیرہ کا مجموعہ۔ اس میں الٰہیات سے متعلق اسرار و رموز، خدا اور انبیا سے منسوب بے ہودہ افعال، سحر و جادو اور خبیث ارواح کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔

مشنی یا مشناہ

مشنیٰ یا مشناہ بھی یہودیوں کی شریعت یا فقہی کتاب تالمود کا ایک اہم حصّہ ہے۔ یہودی مذہبی علما (ربّیوں) کے یہاں دو قسم کے قوانین و دستور یا احکام تھے۔ ایک روایتی قوانین یا روایتی احکام جو سینہ بہ سینہ پشت در پشت زبانی محفوظ رکھے جاتے تھے اور دوسرے تحریری قوانین و دستور یعنی جو توریت (حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پانچ کتابیں یا اسفار خمسہ) کی صورت میں خاص و امتیازی سمجھے جاتے تھے۔ یہودی مذہبی علما (ربّیوں) کے مطابق دونوں کی ابتدا حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی سے ہوئی تھی۔ ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ تحریری قانون یعنی شریعت میں اصولوں کا خلاصہ اور یہودی قوم کے لئے عام قوانین درج ہیں لیکن ان کے ساتھ ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وہ قوانین بھی سینہ بہ سینہ چلے آرہے تھے جو تحریری قوانین کی تشریح اور توضیح کر کے انہیں مکمل کرتے تھے۔ یہودی علما کا یہ ایمان تھا کہ شریعت میں کوئی ایسا قانون یا حکم یا ضابطہ یا اصول نہیں تھا جس کی تشریح اور اس کو عمل میں لانے کی ہدایت خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زبانی نہ دی ہو۔ یہ زبانی ہدایات حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یسوع کے سپرد کیں اور بعد ازاں یہ پشت در پشت سینہ بسینہ محفوظ رکھی گئیں۔ قانون کے اس حصہ کا نام مشنہ یا مشنیٰ (بمعنی دہرانا، عربی میں مثنیٰ) رکھا گیا۔

مختصر یہ کہ روایتی قوانین یا احکام یا تفسیروں کو یہودی علما خصوصاً ربی یہوادہ نے 200ء کے قریب باقاعدہ ایک جگہ جمع کیا اور ان کو مشنیٰ کا نام دیا۔ بعد میں اس خیال سے کہ کہیں یہ زبانی روایات وغیرہ یعنی مشنی ضائع نہ ہو جائے، طبریاس کے مدرسے کے ربی یہوادہ اور دیگر اساتذہ و علما اس کو احاطۂ تحریر میں لے آئے اور اس طرح اس کو محفوظ کیا گیا۔ (قاموس الکتاب، ص:256)

مشناہ چھ حصوں میں منقسم تھی اور عبرانی زبان میں 63/ عنوانات کے تحت لکھی گئی تھی۔ جس میں مختلف فتویٰ جات، فیصلے، سنتِ انبیا و مجالس عالیہ (ستر بزرگوں کی سینائی قاضی عدالت) ہیں۔ ہر علاقے کے یہودیوں نے اس کی افادیت و اہمیت کے پیس نظر اس کو قبول کیا اور یہودی علما کئی صدیوں تک اس کو قانونی بنیاد کے طور پر استعمال کرتے رہے۔ اس کی تشریح و توضیح کے لیے اس پر درس دیتے رہے۔ اور یہ تشریحی و توضیحی درس آرامی زبان میں ترتیب دئے جاتے رہے، جن کو جماریٰ کہا گیا جس کے معنی ہیں "تکملہ"۔ ابتدائی تیسری صدی عیسوی کے دور میں جمارا کی تدوین و ترتیب کا آغاز ہوا۔ پہلے تشریحی و توضیحی زمانے میں مشناہ کے صرف احکام ہی کی تشریح و توضیح کی گئی اور اس کی

باقاعدہ ابواب بندی بھی کی گئی۔ جیسے: جماریٰ کا پہلا باب زراعین ہے جس کے معنی بیج کے ہیں اور یہ زراعت اور کاشتکاری سے متعلق ہے۔ دوسرا باب مواعد ہے، جو تہواروں اور رسموں کے سلسلے میں ہے۔ تیسرے باب کا نام ناشیم ہے جس کے معنی ہیں عورتیں۔ اس میں شادی او رجسمانی تعلقات کے بارے میں احکام ہیں۔ چوتھا باب نیزاکین ہے جو تاوان اور کفارے سے متعلق ہے۔ پانچواں باب قود الیشین یعنی مقدس چیزوں کے بارے میں ہے۔ اس طرح یہ مجموعہ قوانین یعنی مشنا کل 63/ ابواب پر مشتمل ہے۔

جماریٰ یا جمرا

تلمود کے دو جزو یا دو حصّے ہیں، اول مشنیٰ، جس کو عبرانی میں ہالاخاہ (فقہ یہود) کہتے ہیں۔ یہ سب سے اولین مجموعہ ہے جو دوسری صدی عیسوی تک زبانی اور سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا رہا۔ دوسرے جزو یا حصّے کا نام جمارہ ہے۔ یہودی حاخامات (یہودیوں کے پیشواؤں کا لقب) نے مشنی کی جو تشریحات و توضیحات تحریر کیں اس کا مجموعہ جمارہ کہلاتا ہے۔ مشنی کے اختتام کے بعد یہودی مدراش میں یہی رائج تھا۔ مشنی اور جماریٰ یہ دونوں نام آپس میں ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہوتے ہیں۔

مختصر یہ کہ تالمود میں تحریری اور زبانی قوانین و احکام کے ساتھ ان تشریحی، توضیحی اور نظیری قوانین کو بھی شامل کر لیا گیا جو مختلف شرعی مقدموں کے فیصلوں کے نتیجے میں نکل کر سامنے آئے تھے اور بعد کے فیصلوں کے لئے مثال اور نمونہ بنے۔ اسیری یعنی یہودیوں کے قید ہونے کے بعد کے زمانے میں انہیں معیاری درجہ دیا گیا۔ اور زبانی روایات اور ان کی تفسیر و تشریح کے مجموعے کو جُمرا نام دیا گیا۔

جُمرا یا جُماریٰ کے لفظی و لغوی معنی علم، فہم و عرفان وغیرہ کے ہیں۔ محققین کے لئے اس میں صرف یہودیت میں پائی جانے والی بحث و جرح ہی موجود نہیں ہے بلکہ یہ مذہبی یہودیوں کی تاریخ کے حوالے سے تناخ (عہد نامہ قدیم) کے بعد نہایت اہم و شاہکار تصنیف ہے۔ یہودی جب بھی کسی مسئلہ پر فتویٰ (فیصلہ) دیتے، جو بعد ازاں "ہالاخاہ" (سنت / دستور) بن جاتا تو روایت کرتے کہ "فلاں ربی سے یہ دستور ہے یا فلاں ربی کو ہم نے یہ کرتے دیکھا یا فلاں ربی کو یہ کہتے سنا۔

تالمود دو قسم کی ہیں اور دو مختلف یہودی مدارس یا اداروں میں ان کی ترتیب و تدوین کی گئی اور ان کو تحریری جامہ پہنایا گیا۔ فلسطین کے مدرسوں خاص کر طبریاس کے مشہور مدرسے میں ربی یوحنّا نے تیسری صدی عیسوی میں یروشلمی تلمود شائع کی۔ بابلی تلمود کا پہلا مؤلف ربی آشی تھا۔ ان تلمودوں کی آخری شکل بعد میں نمودار ہوئی۔ یروشلمی تلمود چوتھی صدی عیسوی میں مکمل ہوئی اور بابلی چھٹی صدی عیسوی کے شروع میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ (قاموس الکتاب، ص:257)

تلمود میں توریت کا ایک حصہ ضرور موجود ہے مگر سب سے زیادہ حصہ مذہبی رہنماؤں اور پیشواؤں کے خیالات، ان کے غور و فکر اور انکی بحثوں کا خلاصہ ہے۔ علاوہ ازیں اس میں حکومت کرنے کے طریقے، سوسائٹی پر کنٹرول، مذہبی رسومات، خاندانوں کے درمیان تعلقات، معیشت، تعلیم و تربیت، زراعت کرنے کے طریقے اور دیگر تمام معاملات کے متعلق احکام و تعلیمات ہیں۔ یہ صرف ایک زمانے کے نہیں بلکہ مختلف زمانوں میں ہونے والے مناظروں، بحثوں (Debates)، تحقیقوں (Researchs)، خیالات اور ہدایات کا مجموعہ ہے۔ اس میں طب (Medicine)، علم ہیئت و فلکیات (Astronomy)، جادوگری (Witchcraft)، جنسی خواہش (Sex)، ہنسی مذاق

اور زندگی کے دیگر تمام شعبوں کے متعلق معلومات ہیں۔ یہ کتاب 36/ جلدوں پر مشتمل ہے، اس میں ایک ملین آٹھ سو ہزار الفاظ ہیں اور ہزاروں برسوں میں لکھی گئی ہے۔

یہودی "حاخاموں" نے برسوں توریت پر مختلف خود ساختہ شرحیں اور تفسیریں لکھیں ہیں۔ ان تمام شرحوں اور تفسیروں کو حاخام "یوخاس" نے 1500ء میں جمع بندی کر کے اس میں کچھ دوسری کتابوں کا جو 230ء اور 500ء میں لکھی گئی تھیں اضافہ کر دیا۔ اس مجموعے کو "تلمود" یعنی تعلیم شریعت و دیانت اور آداب یہود کے نام سے موسوم کیا گیا۔ یہ کتاب یہودیوں کے نزدیک بہت تقدس کی حامل ہے اور توریت و عہد عتیق کے مساوی حیثیت رکھتی ہے۔ (بلکہ توریت سے بھی زیادہ اہمیت کی حامل ہے جیسا کہ گرافٹ نے کہا: جان لو کہ حاخام کے اقوال پیغمبروں سے زیادہ بیش قیمت ہیں)۔

یہودی حاخامات کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے طور سینا پر موسیٰ علیہ السلام پر دو شریعتیں نازل کیں۔ ایک مکتوب شریعت اور دوسری زبانی شریعت اور یہی زبانی شریعت اصل شریعت ہے، جو اللہ کی مراد اور مکتوب شریعت یعنی تورات کی حقیقی تفسیر ہے۔ چنانچہ یہود کے اندر دُہری شریعت کا آغاز ہوا اور 40/ نسلوں تک یہ سری (خاموش) شریعت زبانی منتقل ہوتی رہی اور یہودی حاخامات زبانی و سری شریعت کی آڑ میں تورات کی من مانی تفسیر کرتے رہے۔ زبانی شریعت کے مکتوب نہ ہونے کی وجہ سے یہودی قوم متعین عقائد پر متفق نہیں تھی۔ ہر یہودی ربی کی اپنی تشریح و تفسیر ہوتی، جس پر اس کے خاندان اور متبعین یقین رکھتے تھے۔

تالمود تمام یہودی مکاتب فکر کیلئے حجت نہیں بلکہ یہ یہودیت کے ایک مخصوص مگر اکثریتی گروہ کیلئے ضرور حجت ہے۔ موجودہ آرتھوڈکس جوڈاازم (Orthodox Judaizm) میں تالمود کے راوی یہ ہی ہیں جن کا گزشتہ سطور میں ذکر کیا گیا ہے۔

یاد رہے کہ تالمود میں محض احکامات، ان کی تفسیر، تشریح اور ان کے نفاذ و اطلاق پر ہی بحث موجود نہیں بلکہ اس میں انبیاء کرام کی سوانحِ حیات کے حوالہ سے بھی معلومات اور قصص الانبیا بھی موجود ہیں۔ بلکہ بہت سی معلومات اہلِ اسلام کے یہاں قرآن و حدیث میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اس طور پر یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ ابتدائی مسیحی و مسلمانوں کا شمار ان حضرات میں ہوتا ہے جو تالمود کے مضامین کو "درست" اور روایت کرنے والوں کو معتبر جانتے تھے۔

تالمود کا قول نہ ہی اہل اسلام کیلئے حجت ہے اور نہ ہی اہل مسیحیت کیلئے اس طور پر یہ کتاب ان دونوں ادیان میں الہامی تصور نہیں کی جاتی ہے تاہم اسکے مضامین کا دونوں ادیان کی مقدس و قدیم کتب میں ہونے کے شواہد و حوالہ جات کو جھٹلانا بھی ایک مشکل امر ہے۔ یہودیت میں بھی کچھ اقلیتی مکاتبِ فکر اس کے الہامی ہونے کے قائل نہیں تاہم یہودیت کا اکثریتی حلقہ اس کے الہامی ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے۔

6.6 یہودیت کی دیگر کتب

1. مدراش

یہودیوں کے دینی و مذہبی ادب کی ایک قسم کا نام مدراش ہے۔ یعنی یہ تناخ کے ہر جزو پر موجود تعلیقات و تشریحات کا مجموعہ ہے۔ بعض اجزا تو چند جملوں پر ہی مشتمل ہیں، تلمود میں بھی اس کے کچھ حصے پائے جاتے ہیں۔ عزرا نے بہت دنوں تک لوگوں کے سامنے بائبل یا عہد نامہ قدیم کی آیات کی تشریح و تفسیر بیان کرنے کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا جو مدراش کہلایا۔ پھر یہ قسم بھی تلمود میں شامل کر دی گئی۔ تلمود کی تدوین کے بعد ہی ایک مدراش لکھی گئی جو بارھویں صدی عیسوی میں ربّی شلومو نے مختصر بائبل کے نام سے لکھی تھی۔

2. فتاویٰ

یہودیوں کے دینی و مذہبی ادب کی ایک قسم کا نام فتاویٰ ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یہودیوں کو دنیا بھر میں منتشر کر دیا گیا تھا، یروشلم میں ان کے داخلے پر پابندی تھی، جس کے نتیجے میں بابل میں ان کے دو بڑے مذہبی مرکز بن گئے جن کے سربراہوں کو تمام یہودی دنیا میں خاص مذہبی اہمیت و قیادت حاصل تھی۔ اور یہ حضرات اپنے زمانے کے سب سے بڑے یہودی عالم و مجتہد شمار ہوتے تھے۔ ساری دنیا کے یہودی اپنے مذہبی مسائل و مذہبی معاملات حل کرنے کے لیے ان کی طرف رخ کیا کرتے تھے اور یہ عالم و مجتہد ان کے استفتا کے جواب میں فتوے جاری کرتے تھے۔ وقت کے نشیب و فراز کے ساتھ یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ لیکن مذکورہ بالا دور کے سوالات کے جوابات پر مشتمل مذہبی ادب آج بھی محفوظ اور رائج ہے جس کو (Responsa) کہتے ہیں۔

3. اپاکرفایا اپوکریفا

یہودیوں کے دینی و مذہبی ادب کی ایک قسم کا نام اپاکرفا یعنی پوشیدہ مکتوبات و مخطوطات ہیں۔ لفظ ''اپاکرفا'' قرون وسطی کی لاطینی زبان کے ایک اسم صفت اپوکریفس (Apocryphus) سے ماخوذ ہے، جس کے معنی خفیہ، چھپی ہوئی چیز یا غیر مستند، غیر مصدقہ کے ہیں۔ یعنی کتبِ متروکہ، یا عہد نامہ کے کچھ قدیم نسخوں میں ایسی کتب جو بعد میں غیر مصدقہ یا غیر مستند قرار دے کر شامل نہیں کی گئیں۔

عزرا کے بارے میں مشہور ہے کہ بابل میں قید و بند کی زندگی سے واپسی کے بعد جب اس نے نئے سرے سے توریت کو مرتب کیا اور لکھا تو ستّر پوشیدہ مکتوبات و مخطوطات بھی لکھے، اگرچہ وہ عام طور پر رائج نہ تھے لیکن خاص لوگوں کو ان کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ان مکتوبات یا مخطوطات کو یہودی اصطلاح میں ''سفریم جنوریم'' کہتے ہیں۔ جنوریم کے معنی قیمتی چیزوں کو محفوظ رکھنے کے ہیں۔ ان میں سے چودہ کتب موجودہ تالمود میں محفوظ ہیں۔ ان کتب کے بارے میں یہودیوں میں شدید اختلافات پائے جاتے ہیں اور ان کا ایک فرقہ ان کو جعلی کتب کا نام دیتا ہے۔ نیز عہد نامہ قدیم کے یونانی ترجمے میں 14/ ایسی کتابوں کے نام ملتے ہیں جنہیں یہود ہی اپوکریفا یعنی جعلی کتابیں کہتے ہیں۔

4. ترجوم یا ترگوم

یہودیوں کے دینی و مذہبی ادب کی ایک قسم کا نام ترجوم ہے جس کے معنی ''تفصیلی ترجمہ'' کے ہیں۔ ترجُوم یعنی تناخ کا آرامی ترجمہ جس کو یہودی ربیوں نے دوسرے انتشار و خلفشار کے بعد لکھا۔ اس دور میں آرامی زبان یہودیوں کے درمیان رائج ہو چکی تھی اور عبرانی زبان صرف عبادات و رسوم تک محدود ہو گئی تھی۔ اور عزرا کے زمانے میں یہ دستور ہو گیا تھا کہ یہودیوں کے عبرانی زبان نہ سمجھنے کے باعث یہود کے علماء تورات کی اصل آیتوں کا آرامی (Aramaic) زبان میں ترجمہ سنایا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ کنیسوں میں توریت اسی طرح پڑھی جانے

لگی اور ان ترجموں نے مستقل حیثیت اختیار کرلی اور پھر یہ عہد مسیحی میں کتابوں کی شکل میں مرتب ہوگئے، جن کی تعداد دس کے قریب ہے۔

ترجوم کی ابتدا اور ارتقا کا پس منظر یہ تھا کہ جب بنی اسرائیل قید و بند کی زندگی سے واپس آئے تو عزرا فقیہ نے شریعت کا عبرانی نسخہ ان کے سامنے پڑھا لیکن چونکہ عام لوگ عبرانی (Hebrew) زبان سے ناواقف تھے اور آرامی زبان ہی جانتے تھے لہٰذا لاوی عام لوگوں کے لئے ان پڑھی ہوئی عبرانی عبارتوں اور ان کے معنی و مفہوم کو آرامی زبان میں بتاتے اور سمجھاتے تھے۔ (نحمیاہ ۸: ۱ تا ۸) اس کے بعد آنے والے زمانہ میں یہ باقاعدہ دستور بن گیا اور چونکہ عام لوگ عبرانی سے ناواقف تھے۔ لہٰذا عبادت خانوں میں پہلے عبرانی نسخہ کی ایک ایک آیت پڑھی جاتی تھی، پھر ایک شخص جو "ترجمان" کہلاتا تھا، اس آیت کا آرامی زبان میں ترجمہ کرکے اپنے الفاظ میں اہلِ یہود کے خصوصی عقائد کے مطابق اس عبارت کو سمجھاتا تھا۔ مترجم کو حکم تھا کہ وہ کوئی کتاب استعمال نہ کرے تاکہ لوگ الہامی عبرانی عبارت (جو کتاب میں لکھی ہوتی تھی) اور زبانی ترجمہ کے الفاظ میں تمیز کر سکیں۔ اس ترجمہ شدہ تشریحی و توضیحی آرامی عبارت کا نام یہودی اصطلاح میں "ترجوم" یعنی تفصیلی ترجمہ ہے۔ بعد ازاں ان توضیحی تشریحات کو کتابی شکل میں تحریر کیا گیا اور کنعان اور بابل کے مدرسوں کے علما و ربّیوں نے اس کے فرائض انجام دئے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور اونکیلوس یا ایکولا (Onkelos or Aquila) کا "بابلی ترجوم" ہے جو دوسری صدی عیسوی میں لکھا گیا یا موجودہ شکل میں تیسری صدی کے آخر میں مرتب ہوا۔

6.7 کلیدی الفاظ

ربّی : ربّی کا معنی و مفہوم ہے یہودی عالم و معلم۔ قدیم عبرانی میں اس لفظ کے معنی سردار یا معلم کے ہوتے ہیں۔ تورات کے معلمین کو ربّی کہتے ہیں۔ عربی میں اس کے لیے حاخام کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے جو حکیم سے ماخوذ ہے۔ عرب ممالک میں یہودی پیشواؤں کو اسی لقب سے پکارا جاتا ہے۔ یہود کے علما کو احبار بھی کہا جاتا ہے، جس کی واحد حبر ہے، یہود اپنے علما اور فقہا کے لیے ربی، ربّانی اور احبار کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

سامی مذاہب (Semetic Religions): یہودیت، عیسائیت اور اسلامی سامی مذاہب کہلاتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کے فرزند حضرت سام (Sam) کی نسبت سے سامی کہلاتے ہیں۔ کیوں کہ حضرت سام کی نسل سے پیدا ہونے والی اقوام نے ان کو سب سے پہلے اور اکثریت کے ساتھ قبول کیا، اس لئے ان کو سامی کہا جاتا ہے۔

ہالاخاہ : ہلاخایا ہالاخاہ کا مطلب ہے، تحریری اور زبانی توریت پر مشتمل یہودی قوانین کا مجموعہ۔ یہ احکامات یا بابلی قوانین، تلمود اور ربی قوانین پر مبنی ہے۔ ان قوانین کو محض مذہبی نہ سمجھا جائے بلکہ یہ روزمرہ کے معمولات سے بھی متعلق ہوتے ہیں۔

حاخام : یہودیوں کے پیشوا، ربّی یا عالم کا لقب

6.8 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- یہودیت سامی، الہامی اور آسمانی مذہب ہے۔
- بائبل یہود و نصاریٰ دونوں کے مذہبی ادب یا کتابوں و صحیفوں اور مختلف تحریروں کا مجموعہ ہے۔
- یہودی عہد نامہ قدیم کو مانتے ہیں جو 39/ کتب و صحف پر مشتمل ہے۔
- توریت پانچ کتابوں پر مشتمل ہے یعنی کتاب پیدائش، کتاب خروج، کتاب احبار، کتاب گنتی اور کتاب استثنا۔
- یہودیوں کی شریعت کا نام تالمود ہے، جس میں مشناہ اور جُماریٰ بھی شامل ہیں۔
- تالمود کی دو قسمیں ہیں ایک فلسطینی تالمود دوسرے بابلی تالمود۔
- ہفتادی ترجمہ، یونانی زبان (Greek Language) میں عہد نامہ قدیم کا ترجمہ ہے جو ستر یہودی علما نے کیا تھا۔
- اپاکرفا، یہودیوں کے پوشیدہ مکتوبات یا ان 14/ کتب پر مشتمل مذہبی ادب ہے جس کو اکثر یہودی علما جعلی قرار دیتے ہیں۔
- ترجوم یا ترگوم عبرانی توریت کی آرامی زبان میں ترجمانی و تشریح کا نام ہے۔
- عذرا نے لوگوں کے سامنے بائبل کی آیات کی جو تشریح و توضیح بیان کی وہ مدراش کہلاتی ہے۔

6.9 نمونہ امتحانی سوالات

6.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. یہودی کونسا مذہب ہے؟

(a). ایرانی (b). سامی (c). عربی (d). مصری اللہ

2. بائبل کے کتنے حصّے ہیں۔

(a). دو (b). تین (c). چار (d). پانچ

3. عہد نامہ عتیق کو کون مانتے ہیں؟

(a). مسلمان (b). عیسائی (c). یہودی (d). مجوسی

4. مشناہ و جماریٰ کس میں شامل ہیں؟

(a). عہد نامہ قدیم (b). عہد نامہ جدید (c). توریت (d). تالمود

5. توریت میں کتنی کتابیں ہیں؟

(a). چار (b). پانچ (c چھ (d). سات

6. ہفتادی ترجمہ کتنے یہودی عالموں نے کیا؟

(a). پچاس (b). ساٹھ (c). ستر (d). اسی

7. تالمود کی کتنی قسمیں ہیں؟

(a). چار (b). تین (c). دو (d). پانچ

8. اپاکرفا میں کتنی کتب شامل ہیں؟

(a). چوبیس (b). چونتیس (c). چودہ (d). چالیس

9. یہودیوں کی شریعت کا کیا نام ہے؟

(a). بائبل (b). زبو (c). تالمود (d). عہد نامہ قدیم

10. ترجوم توریت کی کیا ہے؟

(a). عبرانی تشریح (b). سریانی تشریح (c). آرامی تشریح (d). عربی تشریح

6.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. نبیم اور کتبیم کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں۔
2. توریت کی پانچ کتابوں کے نام بتایئے۔
3. ترجوم اور اپاکرفا کا مختصر تعارف پیش کیجیے۔
4. منشاہ وجماریٰ کیا ہیں؟ تفصیل سے بیان کیجیے۔
5. اپاکرفا کس کو کہتے ہیں اور اس کی کیا اہمیت ہے۔

6.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. عہد نامہ قدیم سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ تفصیل سے بیان کیجیے۔
2. تالمود کا مذہبی و تاریخی پس منظر تفصیل کے ساتھ تحریر کیجیے۔
3. توریت اور اس کی کتبِ خمسہ کا اپنے لفظوں میں ایک خاکہ پیش کیجیے۔

6.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

4. قاموس الکتاب (لغاتِ بائبل) : ایف۔ایس۔ خیر اللہ، مسیحی اشاعت خانہ، لاہور، 1993ء
5. مذاہبِ عالم کا تقابلی مطالعہ : پروفیسر غلام رسول چیمہ، غلام رسول اینڈ سنز، لاہور، 2016ء
6. یہودیت، عیسائیت اور اسلام : شیخ احمد دیدات،، عبداللہ اکیڈمی، لاہور، 2010ء
7. دائرہ معارف اسلامیہ : پنجاب یونیورسٹی لاہور
8. مذاہبِ عالم کا انسائیکلوپیڈیا : لیوس مور (مترجم) یاسر جواد، البلاغ پبلی کیشنز، دہلی
9. ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ : ڈاکٹر عبدالرشید، طاہر سنز، کراچی، 1986ء

اکائی 7: مشترک تعلیمات اور تحریفات

اکائی کے اجزا:

7.0 تمہید

7.1 مقاصد

7.2 ابتدائی تاریخ یا اصل سے متعلق مشترک تعلیمات

7.3 عقائد سے متعلق مشترک تعلیمات

7.4 عبادات سے متعلق مشترک تعلیمات

7.5 اخلاق و آداب سے متعلق مشترک تعلیمات

7.6 تیوہار ورسومات سے متعلق مشترک تعلیمات

7.6.1 دیگر شرعی مسائل اور امور سے متعلق مشترک تعلیمات

7.7 توریت ویہودیت میں تحریف

7.8 عہد نامہ قدیم اور توریت میں تحریفات کی مثالیں

7.9 قرآن میں تحریفاتِ توریت کی مثالیں

7.10 اکتسابی نتائج

7.11 نمونہ امتحانی سوالات

7.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

7.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

7.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

7.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد

7.0 تمہید

یہودی مذہب اور اسلام کے مابین عقائد، اعمال، عبادات، اخلاق و رسومات اور دیگر تعلیمات سے متعلق بہت سی چیزوں میں کافی حد تک یکسانیت و مماثلت پائی جاتی ہے۔ اگر ہم ان کی تعلیمات کو ان مذاہب کے اصل ماخذ کی روشنی میں سمجھیں تو ہمیں دونوں مذاہب میں بہت سے احکامات اور تعلیمات ایک دوسرے کی توضیح و تشریح معلوم ہوں گے۔ یہودی مذہب بنسبت اسلام کے قدیم مذاہب میں شمار کیا جاتا ہے اور اس کے احکام و تعلیمات کے مطابق بنی اسرائیل خدا کے پسندیدہ اور منتخب کردہ لوگ ہیں اور زمین پر بسنے والے تمام انسانوں میں سب سے زیادہ معزز و مکرم ہیں۔ بنی اسرائیل یا یہود کے لیے سب سے زیادہ مقدس و بنیادی کتب یا صحیفے توریت کی پانچ کتابیں ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئیں۔

دونوں مذاہب میں متعدد مشترک اقدار، ہدایات، احکامات اور اصول بیان کیے گئے ہیں۔ حتیٰ کہ یہودی تاریخ بھی اسلامی تعلیمات و تاریخ کا حصہ سمجھی جاتی ہے کیوں کہ قرآن و حدیث میں کئی ایسے انبیاء کرام و رسولانِ عظام کا تذکرہ ہے جن کو یہودی اور مسلمان دونوں اپنا نبی یا رسول تسلیم کرتے ہیں۔ مثلاً: حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف اور حضرت موسیٰ علیہم السلام وغیرہ۔

اسلام اور یہودیت کے درمیان کثیر مشترک پہلو پائے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام جوں جوں ترقی کرتا گیا یہودیت سے قریب تر ہوتا گیا۔ دونوں مذاہب عقائد و اعمال، عبادات و رسومات اور اخلاق و آداب کے اعتبار سے بہت سی باتوں میں مماثل و مشترک ہیں، دونوں مذاہب کا آغاز سامی اقوام کی مشرق وسطی تہذیب میں ہوا ہے۔ دونوں مذاہب کے بنیادی مذہبی نظریئے، تعمیری ڈھانچہ، فقہ، شریعت اور اعمال وغیرہ میں بہت زیادہ یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اسلام کی بہت ساری روایات یا تہذیبیں تناخ یعنی قدیم یہودی مذہبی ادب سے ماخوذ و مشترک ہیں جنکو مشترکہ طور پر اسرائیلیات کے نام سے جانا جاتا ہے۔

علاوہ ازیں اگر آپ تقابلِ ادیان یا ادیان و مذاہب کے طالب علم یا محقق سے دریافت کریں کہ کون سا مذہب اسلام سے سب سے زیادہ مماثلت اور یکسانیت رکھتا ہے اور کون سی ملت و قوم مسلمانوں سے سب سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے تو قریب قریب سب یہودی مذہب اور یہودی قوم کا نام ذکر کریں گے۔ لیکن اس قدر مشابہت و مماثلت اور یکسانیت کے باوجود اس حوالے سے ہمارے یہاں کافی لاعلمی اور بے توجہی پائی جاتی ہے حالانکہ یہودیوں کی تاریخ، تہذیب اور مذہب کا مطالعہ کرنا اور پھر اس کا اسلام سے تجزیہ و موازنہ کرنا ہمارے لیے انتہائی مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

اگر ہم بات کریں دینِ یہود میں تحریفات و ترمیمات کی تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہودیوں کے علما و اَحبار نے اپنی عقل اور اپنے حالات کے مطابق اپنی ترقی و حرص و طمع کے لیے کچھ نظریات و اَفکار گھڑ لیے تھے۔ پھر وہ کوشش کرکے توریت کی آیتوں میں دور دراز کی لفظی و معنوی تاویل و تحریف کرکے اپنے ان نظریات و اَفکار کو ثابت کرتے تھے۔ حالانکہ وہ یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ کتاب اللہ کی آیات کا اصل معنی و مفہوم کیا ہے۔ اس کے باوجود اُس کے ترجمے اور مفہوم میں کچھ کلمات کا اضافہ کرکے تبدیلی پیدا کر دیتے تھے اور اُسے عام

لوگوں کے سامنے بیان کرتے تھے اور انہیں یہ ذہن نشین کراتے تھے کہ وہ جو کچھ بیان کر رہے ہیں، وہ اللہ کی کتاب میں موجود ہے اور وہ کتاب اللہ پر صحیح عمل کرنے والے ہیں۔ عام طور پر اُن کی یہ عادت بن چکی تھی کہ وہ تورات کے اصل نسخوں کو عوام سے دور رکھتے تھے اور انہیں اپنے مراکز میں محفوظ اور بند رکھتے تھے۔ اس طرح دور دراز کے علاقوں میں اُن کی تحریف شدہ باتیں پھیل گئیں۔ پھر جب جالوت اور بُختِ نصر کے حملوں کے نتیجے میں ان کے مراکز تباہ و برباد ہوئے تو تورات کے اصل نسخے بھی اُس کی زد میں آ گئے۔ اور پھر جب از سر نو توریت کے لکھنے کا موقع فراہم ہوا تو اُن کے لیے تورات کی اصل عبارت اور اُن میں اضافہ شدہ حواشی اور شروح میں فرق و امتیاز پیدا کرنا مشکل ہو گیا۔

7.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد طلبہ یہ جان سکیں گے کہ یہودیت اور اسلام دونوں آسمانی، الہامی اور سامی مذاہب ہیں۔ اس اعتبار سے ان کے عقائد، اعمال، عبادات، اخلاق و آداب، تیوہار و رسومات، اور دیگر احکامات و تعلیمات میں کونسی چیزیں ہیں جو ایک دوسرے سے مماثل و مشترک ہیں؟ اور یہودیت اور ان کی مذہبی کتاب توریت میں لفظی و معنوی اعتبار سے کس طرح کی تحریف ہوئی ہے۔

7.2 ابتدائی تاریخ یا اصل سے متعلق مشترک تعلیمات

☆ یہودی مذہب سامی اور الہامی مذہب ہے اسی طرح اسلام بھی سامی مذہب ہے۔ یعنی سب سے پہلے ان کو اکثریت کے ساتھ سامی اقوام نے قبول کیا اور ان کی تعلیمات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہیں۔

☆ عہد نامہ قدیم کے مطابق قوم یہود یا بنی اسرائیل کی ابتدا حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور بالخصوص حضرت یعقوب علیہ السلام سے ہوتی ہے اور ان کی اولاد ہی یہودی یا بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔ اور قرآن و حدیث اور اسلامی تاریخ بھی یہی حقیقت بیان کرتی ہے۔

☆ یہودی مذہب میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد یا بنی اسرائیل کا تذکرہ بہت زیادہ اہمیت و فضیلت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ خدا نے بنی اسرائیل کو بہت سی نعمتوں سے نوازا اور ان پر کثرت سے نوازشات فرمائیں۔ اور قرآن بھی ان کی عظمتِ رفتہ اور فوقیت کی اس طرح گواہی دیتا ہے: "اے بنی اسرائیل یاد کرو میرا وہ احسان جو میں نے تم پر کیا اور یہ کہ میں نے تمہیں اس سارے زمانے پر فضیلت عطا فرمائی۔" (بقرہ:47)

"اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم تم پر جو اللہ نے انعام کیا ہے اس کو یاد کرو جب اللہ نے تم میں نبیوں کو بنایا اور تم کو بادشاہ بنایا اور تم کو وہ کچھ دیا جو تمام جہانوں میں کسی کو نہیں دیا تھا۔" (مائدہ:20)

☆ یہودیوں کے مذہبی ادب "عہد نامہ قدیم" میں ان کو جگہ جگہ بنی اسرائیل کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور قرآن و حدیث میں بھی یہودیوں کا بنی اسرائیل کے نام سے کثرت سے ذکر کیا گیا ہے۔

☆ یہودی مذہب میں مختلف انبیاء و رسل علیہم السلام اور بعض ممتاز و معزز خواتین و حضرات سے متعلق کچھ روایات مذکور ہیں اور

ان سے ملتی جلتی روایات قرآن وحدیث اور تفسیر وسیرت کی کتابوں میں بھی ملتی ہیں جن کو اسرائیلیات کے نام سے جانا جاتا ہے۔

7.3 عقائد سے متعلق مشترک تعلیمات

☆یہودی مذہبی کتب میں تعلیم دی گئی ہے کہ پوری کائنات میں صرف ایک خدا ہے اور وہی سب سے افضل واعلیٰ ہے۔ چنانچہ زبور میں ہے: "کیوں کہ خداوند کے علاوہ اور کون سا خدا ہے اور ہمارے خداوند کو چھوڑ کر اور کون چٹان ہے؟" (زبور، پہلی کتاب، باب 18، آیت 31)

عقیدہ توحید کی اس تعلیم کو قرآن مجید میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے:

"اللہ وہ ہے جو تمہارا رب ہے، ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں۔" (غافر:4)

یہودی مذہب میں کہا گیا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو، اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اور قرآن میں بھی یہی تعلیم و پیغام دیا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ آلِ عمران آیت نمبر 64 میں ہے:

"اے نبی! آپ فرما دیجیے کہ اے اہلِ کتاب! آؤ اس کلمے کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے وہ یہ کہ ہم ایک اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔"

توحید ذات کے علاوہ توحید صفات سے متعلق بیہودی مذہبی کتب میں خدا کی جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ مکمل اسلام سے ملتی جلتی نظر آتی ہیں۔ مثلاً: "اے خداوند اسرائیل کے خدا تیرے جیسا کوئی خدا نہ آسمان میں ہے اور نہ زمین میں ہے جو کہ اپنے بندوں کے لیے اپنی رحمت کو نگاہ میں رکھتا ہے۔" (سلاطین اول، 23-8)

یہودی مذہب کے مطابق خدا ہر جگہ موجود (Omnipresent) ہے۔ اس کائنات میں کوئی ایسا مقام نہیں ہے جہاں وہ موجود نہیں ہے۔ اور یہ کائنات وجملہ اشیاء عالم اسی کی تخلیق کردہ ہیں۔ اور کائنات کی ہر شے مکمل طور سے اسی پر منحصر ہے۔ چنانچہ بائبل میں ہے: خداوند کے کلام سے آسمان اور ان کے تمام لشکر اس کے منھ کے دم سے (وجود میں آئے) اس نے کہا ہو جا اور وہ ہو گیا۔ اس نے فرمایا اور وہ برپا ہوا۔ (زبور 33، آیت 9-6)

☆خدا نے چھے دن میں آسمان اور زمین اور دریا اور سب کچھ جو اِن میں ہے بنایا۔ (خروج 10/31-11/15)

عہد نامہ قدیم (Bible Old Testament) میں خداوند قدوس کے لیے بہت سے صفاتی اسماء کا تذکرہ ہے اور ان اسماء میں سب سے زیادہ اس کے "یہودہ" نام کو عظمت وفضیلت دی گئی ہے جو بائبل میں تقریباً 6823 / بار آیا ہے۔ ان اسماء کا ذکر کرتے ہوئے غیر اللہ کی پرستش سے سختی سے منع فرمایا گیا ہے اور اس کی مختلف خدائی صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ بائبل میں بیان کیا گیا ہے: "خداوند آسمان پر سے دیکھتا ہے، وہ سارے بنی آدم پر نگاہ کرتا ہے، وہ اپنی سکونت کے مقام سے زمین کے سب باشندوں کو ملاحظہ فرماتا ہے۔" (زبور 23، آیت 14-13)

☆ خداوند قدوس مہذب ہے، وہ تمام زمین کے اوپر بادشاہِ عظیم ہے۔(زبور 27، آیت 1)

☆ خداوند سے متعلق یہودی کتب میں ہدایت و نصیحت کی گئی ہے کہ اس کے کرم پر اطمینان اور صبر سے اس سے امید وابستہ رکھ اور مایوسی کا شکار نہ ہو۔ چنانچہ کتابِ مقدس میں مذکور ہے:"خداوند میں مطمئن رہو اور صبر کے ساتھ اس کے کرم کی امید رکھو۔"

خدا سے متعلق اسی ہدایت و نصیحت کو قرآنِ حکیم میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے:"بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

یہودی مذہبی کتب کے مطابق خدا سے متعلق ایک عقیدہ یہ ہے کہ وہ دلوں کے راز سے باخبر ہے اور کوئی شے اس کے احاطۂ علم سے باہر نہیں۔ چنانچہ زبور میں ہے:"تو کیا خدا اس کو دریافت و معلوم نہ کرے گا؟ کیوں کہ وہ دلوں کے رازوں کو جانتا ہے۔"(زبور، دوسری کتاب، باب 44، آیت 21)

اسی عقیدے کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین میں چھپی ہوئی چیزوں کو جاننے والا ہے بلکہ وہ دلوں کے رازوں سے باخبر ہے۔"(فاطر:38)

یہودیت کا عقیدہ ہے کہ خدا ساری کائنات کا مالک و بادشاہ ہے۔ چنانچہ زبور میں ہے:"وہ تمام روئے زمین کا بادشاہ ہے۔ کیوں کہ خدا ساری کائناتِ ارضی کا شہنشاہ ہے۔"(زبور، دوسری کتاب، باب 47، آیت 7-3)

خدا سے متعلق یہی عقیدہ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے مثلاً:"اے نبی ﷺ آپ فرما دیجیے کہ اے اللہ تو ہی مالک الملک ہے جس کو چاہے سلطنت عطا کرے اور جس سے چاہے چھین لے۔"(آل عمران:26)

یہودی مذہب میں تعلیم دی گئی ہے کہ انسان کو خدا سے اپنے گناہوں پر مغفرت و بخشش طلب کرنا چاہیے اور اس کے رحم و کرم کے لیے دعا کرنی چاہیے۔ چنانچہ کتابِ مقدس میں لکھا ہے کہ:"اے خدا! اپنی شفقت و مہربانی کے مطابق مجھ پر رحم کر، اپنی رحمت کی کثرت کے حساب سے میری خطائیں معاف کر۔ میرے گناہوں کو درگزر فرما۔"(زبور، دوسری کتاب، باب 51، آیت 1،2،9)

گناہوں اور خطاؤں سے معافی و بخشش کے اسی تصور کو قرآن و حدیث میں مختلف مقامات پر ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً:

"اے میرے رب! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما اور تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔"(مومنون:118)

یہودی مذہبی کتب میں بیان کیا گیا ہے کہ عزت و ذلت یا بلندی و پستی کا دینے والا خدا ہے، اس کے علاوہ کسی پر اس کا اختیار نہیں۔ چنانچہ زبور میں ہے:"وہ کسی کو پست کرتا ہے اور کسی کو عزت و سرفرازی عطا کرتا ہے۔"(زبور، تیسری کتاب، باب 75، آیت 2)

عزت و ذلت کے اسی اختیار کو قرآن مجید میں مختلف مقامات پر واضح فرمایا گیا ہے۔ مثلاً:"اے نبی ﷺ آپ فرما دیجیے کہ اے بادشاہت کے مالک تو جس کو چاہتا ہے حکومت و سلطنت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے اور تو جس کو چاہے عزّت دیتا ہے اور جس کو چاہے ذلّت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ سب بھلائی تیرے ہی اختیار میں ہے۔ بے شک تو ہر ممکن چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔"(آلِ عمران: 26)

☆ بارہویں صدی کے مشہور و معروف یہودی فلسفی و عالم اور رَبی موسیٰ بن میمون نے "شولوشاہ عصر اکارم" کے نام سے توریت کے ان تمام احکام و اصول کو ترتیب دیا ہے جو یہودی عقائد میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ 13/ بنیادی عقائد و احکام یا اصول ہیں جن کو یہودی عبادت کے بعد پڑھتے ہیں اور شروع میں "انی مامن" یعنی میں ایمان لایا کہتے ہیں۔ موسیٰ بن میمون کے مطابق یہ 13/ اصول یا عقائد یہودی مذہب کے وہ بنیادی حقائق ہیں جن پر تمام مذہبی عقائد کی بنیاد ہے اور وہ حسب ذیل ہیں:

1. اس بات پر عقیدہ و یقین رکھنا کہ خدا اس کائنات کا خالق ہے، جو موجود ہے، ہر جہت، سمت اور صفت میں کامل و اکمل ہے اور تمام تر موجودات اس کے ماتحت وزیرِ قدرت ہیں۔
2. اس بات پر عقیدہ و یقین رکھنا کہ خدا ایک اور بے مثل ہے۔
3. اس بات پر عقیدہ و یقین رکھنا کہ خدا مکان اور مادّہ وغیرہ سے پاک ہے، نہ وہ تھکتا ہے اور نہ ہی سردی، گرمی کا اس پر اثر ہو سکتا ہے۔
4. اس بات پر عقیدہ و یقین رکھنا کہ خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔
5. اس بات پر عقیدہ و یقین رکھنا کہ صرف وہی عبادت و بندگی کے لائق ہے۔ اس کے علاوہ کوئی نہیں۔
6. اس بات پر عقیدہ و یقین رکھنا کہ خدا اپنے بندوں سے انبیاورُسل کے واسطے سے بات کرتا ہے۔
7. حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کاملہ اور ان کی بتائی ہوئی تمام غیب و حاضر سے متعلق باتوں پر عقیدہ و یقین رکھنا۔
8. توارۃ کے کلامِ الٰہی ہونے پر عقیدہ و یقین رکھنا۔
9. توارت کے تحریف و تنقیص سے بری و پاک ہونے پر عقیدہ و یقین رکھنا۔
10. اس بات پر عقیدہ و یقین رکھنا کہ ہر چیز خدا کے علم اور احاطے میں ہے۔
11. خدا کے سزا و جزا پر قادر ہونے یا سزا و جزا من جانب اللہ ہے اس بات پر عقیدہ و یقین رکھنا۔
12. مسیح اور ان کے دور کے واپس آنے پر عقیدہ و یقین رکھنا۔
13. روز حشر اور مردوں کے دوبارہ جی اُٹھنے پر عقیدہ و یقین رکھنا۔

یہودیت کے مذکورہ بالا بنیادی عقائد و حقائق اور اصول اکثر اسلامی عقائد و اسلامی تعلیمات سے میل کھاتے ہیں۔ یعنی دو کو چھوڑ کر باقی سارے احکام اسلام میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ذیل میں ہم ان مشترکات کو بالترتیب بیان کر رہے ہیں۔ چنانچہ قرآن و حدیث اور اسلامی شریعت میں ہے: "اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمینوں کو اور ان تمام چیزوں کو جو ان میں ہیں چھے دنوں میں پیدا کیا۔" (سجدہ:4)

"اور مشرق و مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں، تم جس طرف رُخ کرو اُدھر خدا کی ذات ہے۔" (بقرہ:115)

"وہ ذات نہایت بابرکت ہے، جس کے قبضۂ قدرت میں تمام جہانوں کی سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔" (ملک:1)

"اے نبی ﷺ آپ فرما دیجیے کہ اللہ ایک ہے۔ اور اس کے مثل کوئی نہیں۔" (اخلاص:4، 1، شوریٰ:11)

"(اللہ) زندۂ جاوید ہے۔ دوسروں کو قائم کرنے والا ہے۔ نہ اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔" (بقرہ:255)

"ہر چیز فنا ہونے والی ہے، ہمیشہ باقی رہنے والی تمہارے عظمت و بزرگی والے رب کی ذات ہے۔" (رحمن:26،27)

"اللہ ہی تمہارا رب ہے، اس کے سوا کسی کی بندگی و عبادت نہیں، ہر چیز کا بنانے والا تو اس کی ہی پوجا کرو۔" (انعام:102)

کسی بشر کو نہیں پہنچتا کہ اللہ اس سے کلام فرمائے مگر وحی کے طور پر یا اس طرح کہ وہ خاص بشر پر ردۂ عظمت کے ادھر ہو یا کوئی فرشتہ (کسی نبی کے پاس) بھیجے کہ وہ اس کے حکم سے وحی پہنچائے جو وہ چاہے۔" (شوریٰ:51)

"اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے فرعون میں تمام عالموں کے رب کا بھیجا ہوا رسول ہوں، میرے لیے کسی طرح درست نہیں کہ اللہ پر حق اور سچ کے علاوہ کچھ اور کہوں بے شک میں تمہارے لیے تمہارے پروردگار کی طرف سے دلیل اور نشانی لایا ہوں۔" (اعراف:104)

"بے شک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ اسی کے مطابق انبیاء کرام یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں اور مشائخ بھی کیونکہ وہ اللہ کی کتاب کے محافظ و نگہبان مقرر کیے گئے تھے اور اس پر گواہ تھے یعنی حکمِ الٰہی کا یقین رکھتے تھے۔" (مائدہ:45)

اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور اللہ کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔" (نساء:126)

"(اے اللہ) اور تو جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے۔ ساری بھلائی تیرے قبضۂ قدرت میں ہے۔" (آلِ عمران:26)

"کافروں کا یہ باطل گمان ہے کہ ان کو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا نہیں جائے گا۔ آپ فرما دیجیے: کیوں نہیں؟ میرے رب کی قسم! تم کو ضرور بہ ضرور دوبارہ اٹھایا جائے گا پھر تم کو تمہارے اعمال کی ضرور بہ ضرور خبر دی جائے گی۔ اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔" (تغابن:7)

یہودی لوگ اپنی مذہبی کتب کے مطابق حیات بعد الموت پر یقین رکھتے ہیں۔ اور اسلام کا بھی یہ آخری بنیادی عقیدہ ہے، جس کو تسلیم کیے بغیر کوئی بھی مسلمان نہیں ہو سکتا۔

خداوند سے متعلق یہودی مذہب کا عقیدہ ہے کہ وہ لوگوں کی فریاد سنتا ہے۔ چنانچہ زبور میں ہے کہ:

"جب میں پکاروں تو مجھے جواب دے، اے میرے سچائی و صداقت کے خدا۔ اور جب میں خداوند کو پکاروں گا تو وہ میری پکار سن لے گا۔" (کتابِ مقدس، زبور، پہلی کتاب، باب نمبر 4، آیت 3-1)

یہی عقیدہ قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: "اور اے (رسول ﷺ) جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں (تو آپ فرما دیجیے کہ) بیشک میں ان کے قریب ہوں دعا کرنے والا جب دعا کرتا ہے تو اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔" (بقرہ:186)

☆ یہودی مذہب کی مقدس کتاب توریت میں خدا پر توکل کرنے کی تعلیم دیتے ہوئے کہا گیا ہے:

"اور خداوند پر توکل و بھروسہ کرو۔" (کتابِ مقدس، زبور، پہلی کتاب، باب 4، آیت 5)

اور قرآن میں توکل علی اللہ کی تعلیم دیتے ہوئے حکم دیا گیا ہے کہ:

"اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔" (آلِ عمران:122)

یہودی مذہب کا ماننا ہے کہ انسان کو قلبی سکون و اطمینان عطا کرنے والا صرف اور صرف خدائے پاک ہے۔ چنانچہ زبور میں ہے:

"خداوند فقط تو ہی مجھے اطمینان و سکون عطا کرتا ہے۔" (کتابِ مقدس، زبور، پہلی کتاب، باب 4، آیت 8)

بعینہٖ اسی بات کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"خبردار اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان و سکون ملتا ہے۔" (رعد:28)

☆ یہودی مذہب کا عقیدہ ہے کہ انسان کو صرف خدا کی بارگاہ میں اپنی فریاد کرنی چاہیے اور اُسی سے دعا و التجا کرنی چاہیے۔ چنانچہ کتابِ مقدس میں ہے: "اے میرے بادشاہ! اے میرے خداوند! میری فریاد کی طرف متوجہ ہو کیوں کہ میں تجھ ہی سے دعا کرتا ہوں۔" (زبور، پہلی کتاب، باب 5، آیت 2)

یہی اسلامی عقیدہ ہے جس کو قرآن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"اے ہمارے رب ہماری دعا کو قبول فرما۔ اور ہم صرف اور صرف تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔" (ابراہیم:40، فاتحہ:5)

☆ یہودیت میں عیسائیت کے عقیدۂ تثلیث اور مسیح کو خدا ماننے کے عقیدے کا انکار کیا گیا ہے اور اس کو توحید کے منافی قرار دیا گیا ہے اور اسلام کا بھی ٹھیک یہی موقف و عقیدہ ہے۔ اسلام بھی عقیدۂ تثلیث اور حضرت مسیح کے خدا یا خدا کے بیٹے ہونے کا سختی سے انکار کرتا ہے۔

☆ یہودی مختلف انبیاء کرام و رسولانِ عظام کو مانتے ہیں مثلاً: حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ادریس، حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت یوشع، حضرت ایوب، حضرت یونس اور حضرت الیاس علیہم السلام وغیرہ۔ اور مسلمان بھی مذکورہ بالا انبیاء و رسل کو مانتے اور ان کی تعظیم و تصدیق کرتے ہیں۔

☆ یہودیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت عظیم رسول مانا گیا ہے اور بائبل میں سیکڑوں مقامات پر ان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح اسلام میں بھی ان کو عظیم رسول تسلیم کیا گیا ہے اور قرآن مجید میں 136 مقامات پر نام لے کر ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن کے علاوہ احادیثِ رسول ﷺ میں بھی کثرت سے ان کا تذکرہ موجود ہے۔

☆ عہد نامہ قدیم یا عتیق میں مختلف انبیائِ کرام و رسولانِ عظام کے مختلف معجزات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے متعلق بھی بہت سے معجزات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنے عصا کو دریا پر مارنے اور پھر دریا کے درمیان سے پھٹنے اور بنی اسرائیل کو راستہ دینے کے معجزے کو بیان کرتے ہوئے کتابِ مقدس میں کہا گیا ہے کہ:

"اس (حضرت موسیٰ علیہ السلام) نے سمندر کے دو حصے کر کے ان (بنی اسرائیل) کو اس کے کنارے پر اُتارا اور پانی کو پشتے کی طرح کھڑا کر دیا۔" (زبور، تیسری کتاب، باب 78، آیت 13)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اسی معجزے کو قرآن مجید سورہ شعراء، آیت 63 میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے:

"تو ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ آپ اپنا عصا سمندر پر ماریں، تو اچانک سمندر پھٹ گیا، پس اس کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا۔" (سورہ شعراء، آیت 63)

☆ عہد نامہ قدیم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے متعلق دوسرا معجزہ یہ ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں نے ایک پتھر پر اپنا عصا مار کر بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کے لیے بارہ چشمے جاری فرمائے۔ چنانچہ زبور میں ہے: "اس (حضرت موسیٰ علیہ السلام) نے چٹان میں سے ندیاں جاری کیں اور دریاؤں کی طرح پانی بہایا۔" (زبور، تیسری کتاب، باب 78، آیت 12)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس معجزے کو قرآن مجید سورہ بقرہ، آیت 60 میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے پانی طلب کیا تو ہم نے فرمایا: اپنا عصا اس پتھر پر مارو تو اس سے بارہ چشمے جاری ہو گئے، بے شک ہر گروہ نے اپنے پانی پینے کے مقام کو جان لیا۔"

☆ عہد نامہ قدیم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کے کچھ عبرت ناک و سبق آموز عذاب کے واقعات کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ مثلاً: "بچھڑا بنانا اور پھر اس کو پوجا کرنا" جس کو زبور میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"انہوں (بنی اسرائیل) نے حورب میں ایک بچھڑا بنایا اور ڈھالی ہوئی مورت کو سجدہ کیا۔ اس طرح انہوں نے خدا کے جلال کو گھاس و چارا کھانے والے بیل کی شکل و صورت سے بدل دیا۔" (زبور، تیسری کتاب، باب 106، آیات 19، 20)

اسی واقعہ کو قرآن مجید میں بھی مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً: سورۂ بقرہ، آیت 54 میں ہے:

"اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت سے کہا: اے مری اُمت! بے شک تم نے بچھڑے کو (معبود) بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، پس تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف توبہ کرو۔"

☆ یہودیت کا عقیدہ ہے کہ خداوند نے مختلف نبیوں پر مختلف صحیفے نازل فرمائے یعنی ان کے یہاں مقدس صحیفوں کا تصور و نظریہ ہے۔ اور یہ اسلام کا بھی عقیدہ و تصور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی ہدایت کے لیے مختلف انبیاء و رسل پر مختلف صحیفے و کتابیں نازل فرمائیں۔ مثلاً: "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سو صحیفے اور چار کتابیں نازل فرمائیں۔ حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس صحیفے، خنوخ پر تیس صحیفے، حضرت ابراہیم پر دس صحیفے نازل کیے گئے اور موسیٰ علیہ السلام پر تورات سے پہلے دس صحیفے نازل کیے گئے اور تورات، انجیل، زبور اور فرقان (قرآن) کو نازل کیا گیا۔ (حلیۃ الاولیاء، جلد 1، ص 167، دار الکتاب العربی، بیروت، 1407ھ)

☆ یہودی مذہب میں سب سے عظیم و اعلیٰ کتاب توریت کو مانا گیا ہے اور عہد نامہ قدیم میں کثرت سے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ دینِ

اسلام میں بھی اس کو آسمانی کتاب بتایا گیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور قرآن میں 18/ مرتبہ اس کا نام لے کر ذکر کیا گیا ہے۔

☆زبور بھی یہودیوں کی مذہبی کتاب ہے جس کو خدا نے حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل فرمایا۔ اور قرآن بھی یہی کہتا ہے کہ اللہ نے داؤد علیہ السلام پر زبور نازل فرمائی چنانچہ سورۂ نساء میں ہے: "اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو زبور عطا فرمائی۔" (النساء:163)

☆یہودی مذہب فرشتوں پر بھی ایمان و عقیدہ رکھنے کی تعلیم دیتا ہے۔ یہودیت میں فرشتوں کی مختلف ذمہ داریاں و فرائض بیان کیے گئے ہیں اور مختلف ناموں سے ان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مثلاً: ایلوہیم، لشکر خداوندی، خدا کے مشاورتی، خدا کی مرضی پر چلنے والے، خدا کے احکام کا نفاذ کرنے والے، خدا کے الفاظ کو قائم کرنے والے اور خدا کی مرضی انسان پر ظاہر کرنے والے وغیرہ۔ (کتاب پیدائش، باب6-1)

اسی طرح دین اسلام بھی فرشتوں پر عقیدہ و ایمان رکھنے کی تعلیم دیتا ہے اور قرآن و حدیث اور تفسیر میں فرشتوں کے مختلف فرائض ذکر کیے گئے ہیں اور انہیں مختلف اسماء گرامی سے یاد کیا گیا ہے۔ مثلاً: مقربین فرشتے، اعلیٰ علیین فرشتے، حضرت جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام وغیرہ۔

☆یہودی مذہب قیامت اور جزا و سزا کا قائل ہے۔ چنانچہ زبور میں مذکور ہے کہ "میرا بدلہ دینے والا زندہ ہے اور وہ آخرت کے روز زمین پر قائم و دائم ہو گا۔ اگرچہ مرنے کے بعد میرا جسم بے جان ہو جائے گا لیکن میں اپنے گوشت میں سے خدا کو دیکھوں گا۔"

اسی طرح دینِ اسلام میں قیامت، جزا و سزا پر ایمان و عقیدہ رکھنا فرض و ضروری ہے۔ اور قیامت کے دن انسان کے اعضاء اس کے اعمال خیر یا اعمالِ بد کی گواہی دیں گے، اس تعلق سے قرآن و حدیث میں بہت سے حوالہ جات موجود ہیں۔ چنانچہ سورہ یٰسین میں ہے:

"ہم آج اُن کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں ان کے کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے۔" (یٰسین:65)

☆توریت کی روایات کے مطابق خداوند نے بنی نوع انسان کو اپنی شبیہ کے مطابق پیدا کیا ہے اور بقیہ مخلوق پر انسان کو غلبہ و فوقیت اور تحکم عطا کیا ہے۔ دینِ اسلام کا بھی اسی سے ملتا جلتا موقف و نظریہ ہے کہ اللہ نے انسان کو فطرتِ سلیمہ پر پیدا کیا ہے اور ساری مخلوق پر فضیلت و برتری عطا کی ہے اور اسی لیے اس کو اشرف المخلوقات کے لقب سے سرفراز کیا گیا ہے۔ (کتاب پیدائش 6:1، سورہ التین:4)

7.4 عبادات سے متعلق مشترک تعلیمات

☆یہودی مذہب کے مطابق یہ دنیا نیک کام کرنے کے لیے ہے۔ یہاں اچھے و نیک کام کرنا چاہئیں تاکہ اُخروی نجات حاصل کر سکیں اور مرنے کے بعد کی زندگی کو کامیاب بنا سکیں۔ یہی تصور و تعلیم اسلام پیش کرتا ہے کہ دنیا دارالعمل ہے یہاں انسان کو نیک و اچھے اعمال کرنا چاہئیں تاکہ آخرت میں فلاح و بہبود حاصل ہو سکے۔ چنانچہ بائبل کے عہد نامہ قدیم میں تحریر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے برسوں صحرائے سینا میں پھرنے کے بعد اپنی قوم کے لیے ایک عبادت کا خیمہ بنایا، جس میں قیامِ عبادت اور تابوتِ سکینہ کی جگہ تھی۔ حضرت

جالوت کے دور تک یہودی اس خیمے کی طرف رخ کر کے اس طرح عبادت کرتے رہے جیسے یہ ان کا قبلہ ہو۔ اسی خیمۂ عبادت کی جگہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہیکل کی مستقل عمارت تعمیر کروائی تھی، جس کو قُدس کا نام دیا گیا تھا۔ ''ہیکل'' کی عظمت و فضیلت کے بارے میں عہد نامہ قدیم میں مذکور ہے کہ: ''دنیا کے ہر کونے سے یہودی ہیکل کی زیارت کے لیے آتے تھے۔'' (زبور 1:122-4)

یہودیوں کی طرح مسلمانوں کے لیے بھی یہ جگہ یعنی ''ہیکل سلیمانی'' نہایت مقدس و مبارک ہے۔ اس لیے کہ یہ ان کا قبلۂ اول ہونے کے ساتھ ساتھ مسجدِ اقصیٰ کا مقام بھی ہے۔ نیز یہ وہ عظیم تاریخی مقام ہے جہاں محمد رسول اللہ ﷺ نے معراج کے موقع پر انبیاء کرام و رسولانِ عظام کی امامت فرمائی، یہیں آپ کا نورانی براق باندھا گیا اور یہیں سے آپ نے ساتوں آسمان اور عرشِ اعظم وغیرہ کی معراج میں سیر فرمائی۔ جیسا کہ قرآن مجید سورہ سبا، آیت 14/ اور سورۂ اسرا میں مذکور ہے.

☆ ہر یہودی پر مذہبی طور پر فرض ہے کہ وہ دن میں تین بار نماز ادا کرے صبح، دوپہر اور شام۔ اسی طرح ہر ایک مسلمان پر فرض ہے کہ وہ پانچ بار نماز ادا کرے۔

☆ یہودیت میں بنیادی طور پر تین نمازیں تین انبیاء کرام کی یادیں ہیں جو ان پر فرض و واجب ہوئیں۔ یعنی حضرت ابراہیم سے صبح، حضرت اسحاق سے دوپہر اور حضرت یعقوب علیہم السلام سے شام کی نمازیں ان تک پہنچیں اور یہ ان کی یادگار ہیں۔ اسی طرح قرآنی تفاسیر اور احادیث کے مطابق اسلام کی پانچوں نمازیں مختلف انبیاء و رسل کی یادیں ہیں جو ان پر فرض ہوئیں۔

☆ ہر یہودی پر فرض ہے کہ وہ دن میں تین بار نماز ادا کرے، صبح، دوپہر اور شام، کھانے سے پہلے دعاء شکرانہ پڑھے، زندگی کی ہر لذت و نعمت پر شکر کا اظہار کرے اور ہر روز کتاب مقدس توریت کی کچھ آیات تلاوت کرے۔ مذکورہ بالا جملہ تعلیمات قرآن و حدیث میں بھی مسلمانوں کو واضح طور پر دی گئی ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے: ''بے شک نماز مسلمان پر مقررہ اوقات میں فرض ہے۔'' (نساء:103)

''اور اپنے رب کی حمد تسبیح کر سورج نکلنے سے پہلے اور سورج ڈوبنے کے بعد اور رات کے کچھ وقت میں تسبیح پڑھا کر اور ان کے کناروں میں۔'' (طٰہٰ:135)

کھانے سے پہلے دعاء اور کسی نعمت کے حصول پر شکر سے متعلق ارشاد فرمایا گیا: ''برخوردار کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھو، داہنے ہاتھ سے کھانا کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھایا کرو۔'' (صحیح بخاری، حدیث 5061 / 5063)

اسی طرح کھانے کے بعد بھی دعاء شکرانہ پڑھنے کی آپ ﷺ نے تاکید فرمائی ہے۔ (سنن ابو داؤد، حدیث 3850)

''اگر تم میرا شکر ادا کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ عطا کروں گا۔'' (ابراہیم:7)

اور قرآن کی تلاوت سے متعلق تو قرآن و حدیث میں بہت سے مقام پر ہدایت و نصیحت فرمائی گئی ہے۔ مثلاً:

''تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جو قرآن کو پڑھیں اور دوسروں کو پڑھائیں۔'' (صحیح بخاری، حدیث 4739)

☆ یہودیوں کی تمام عبادات تنہا تنہا بھی ادا ہو سکتی ہیں اور باجماعت بھی لیکن باجماعت عبادت ادا کرنے میں زیادہ فضیلت و ثواب

ہے۔اس لیے کہ جب جماعت اکٹھی ہو جائے تو وہ خدا کے دربار میں بطور بنی اسرائیل حاضر ہوتی ہے۔اسی طرح اسلام میں تنہا تنہا بھی عبادت کی جاسکتی ہے اور جماعت کے ساتھ بھی۔ لیکن جماعت کے ساتھ عبادت کرنے میں بہت زیادہ فضیلت وثواب ہے۔

☆یہودی عبادات زیادہ تر ان کے صومعہ (Synagouge) میں ادا کی جاتی ہیں جس کی بہت زیادہ فضیلت ہے اور اسلام میں بھی مساجد میں عبادت کرنے کا 27/ درجے زیادہ ثواب وفضیلت بیان کی گئی ہے۔

☆یہودی اپنی عبادات یروشلم یعنی بیت المقدس کی طرف منھ کر کے ادا کرتے ہیں اور مسلمان بیت الحرام یعنی خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں اور اسلام کے ابتدائی دور میں تقریباً 17/ ماہ بیت المقدس کی طرف بھی رُخ کر کے نمازیں ادا کی گئیں۔

☆یہودیوں کی نماز یا عبادات میں اللہ کی مقدس کتاب عبرانی توریت اور زبور کی آیات پڑھی جاتی ہیں اور مسلمان بھی اپنی نماز میں اللہ کے مقدس کلام وکتاب "قرآن مجید" کی آیات پڑھتے ہیں۔

☆یہودیوں کے یہاں عبادت کے وقت جسم اور لباس پاک وصاف ہونا اور لباس کا عمدہ وبہتر ہونا ضروری ہے اور دینِ اسلام کا بھی یہی حکم ہے کہ نمازی کا بدن اور جسم پاک وصاف ہو اور ظاہری شکل وصورت ولباس بھی بہتر ہو۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

"اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجیے اور اپنا لباس پاک رکھئے اور ناپاکی سے دور رہئے۔" (مدثر:3 تا5)

"اے اولادِ آدم! ہر عبادت کے وقت زینت اختیار کریں یعنی عمدہ لباس پہنیں۔" (اعراف:31)

☆ یہودی مذہب میں مردوں وعورتوں کو علیحدہ علیحدہ عبادت کرنے کا حکم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے "صومعہ" (Synagouge) میں عورتوں کے لیے بالکل الگ بالکونی میں عبادت کا انتظام ہوتا ہے۔اسی طرح اسلام میں بھی مردوں وعورتوں کا اختلاط جائز نہیں بلکہ الگ الگ عبادت کرنے کا حکم ہے اور اسی وجہ سے بہت سی مساجد میں عورتوں کے لیے پردے کے ساتھ علیحدہ انتظام کیا گیا ہے۔

☆یہودی اپنی نماز یا عبادت کے وقت اپنے سر پر ٹوپی ضرور رکھتے ہیں جس پر چھے کونوں والا ستارۂ داؤدی بنا ہوتا ہے اور مسلمان بھی اپنی نماز یا عبادت کے وقت ٹوپی پہنتے ہیں جو نماز کے آداب میں داخل ہے۔

☆یہودی اپنی نمازوں یا عبادات کو مختلف ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ مثلاً: صبح کی عبادت یا نماز کو شاخاریت، دوپہر کی عبادت کو منخا اور شام کی عبادت کو معاریب کہتے ہیں۔ اور اسلامی پنج وقت نمازوں کو بھی مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ مثلاً: فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشا۔

☆زمانۂ قدیم سے یہودیوں میں روزے رکھنا بھی بطور عبادت جاری وساری ہیں۔ ان کے روزے قومی بھی ہوتے ہیں کہ پوری قوم روزے رکھتی ہے جیسے: یومِ کفارہ کا روزہ۔ نیز جب یہودی قوم کسی خطرے سے دوچار ہوتی ہے تو سبھی روزے رکھتے ہیں۔ (قضاۃ 20:26) اور منت کے انفرادی روزے رکھنے کا بھی رواج پایا جاتا ہے (2- سموئیل 12:22) یہودیت میں روزہ ایامِ رنج وغم کی یاد منانے اور گناہوں کی

بخشش کے لیے بھی رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ "عہد نامہ قدیم" میں ہے:

"موسیٰ نے ایک سالانہ روزہ ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ کو کفارے کا رکھنے کا حکم دیا۔" (کتاب احبار 16:29/31)

"سموئیل 7:6" کے مطابق اس زمانے کی ایسی بہت سی مثالیں ہیں جب کسی خاص وجہ سے روزہ رکھا گیا، گناہ سرزد ہونے پر یا آنے والی بلا کو ٹالنے کے لیے روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا۔

"اسیری کے بعد چار اور سالانہ روزے مقرر کیے گئے۔" یہ یہودی تاریخ میں چار بڑے حادثوں کی یاد میں تھے۔ (زکریاہ 8-19)

"خدا کی مدد اور ہدایت حاصل کرنے کے لیے بھی روزہ رکھا جاتا تھا۔" (خروج 34:28، استثنا 9:9)

یہودیت کی طرح اسلام میں بھی مختلف مقاصد اور نیتوں کے ساتھ مختلف روزے رکھے جاتے ہیں۔ مثلاً: نفلی روزے، منت کے روزے، کفارے کے روزے اور رمضان کے فرض روزے وغیرہ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے۔" (بقرہ:183)

☆ یہودی مذہب میں قربانی بھی خاص و اہم عبادت ہے اور اس کی بہت اہمیت و فضیلت بیان کی گئی ہے۔ کتابِ مقدس میں مختلف قربانیوں کا ذکر ملتا ہے۔ زمانہ قدیم سے بنی اسرائیل صبح و شام سوختنی قربانی دیا کرتے تھے جس میں چوپایوں میں بھیڑ، بکریاں اور پرندوں میں فاختہ اور کبوتر کو ترجیح دی جاتی تھی۔ قربانی دینے والے حسبِ توفیق مویشی، بھیڑ یہاں تک کہ پرندوں کو بھی سوختنی قربانی کے لیے پیش کر سکتے تھے۔ (احبار، 2:1-3-4) خدا کو خوش کرنے کے لیے نذر کی قربانی پیش کی جاتی تھی جس میں بیل، بھیڑ اور بکریوں کے پہلوٹے بچے ذبح کیے جاتے۔ (احبار 22:26-27) سلامتی کا ذبیحہ یا قربانی خدا کی نعمتوں اور رحمتوں کے اظہارِ تشکر کے طور پر کی جاتی۔ اس کے لیے حکم تھا کہ گائے بیل میں سے چاہے نر ہو یا مادہ لیکن جو بے عیب ہو اس کو خداوند کے حضور قربان کرے۔ (احبار 3:1) دانستہ یا غیر دانستہ گناہ یا خطا کی تلافی کے لیے بچھڑے کی قربانی پیش کرنے کا حکم تھا۔ عام شخص کی خطا پر بے عیب بکری اور پوری جماعت کو ایک بچھڑا خطا یا گناہ کی قربانی کے طور پر چڑھانے کے لیے لانے کا حکم تھا۔ (احبار 13:4، 14) یہودی یہ تمام قربانیاں قربتِ الٰہی، محبتِ الٰہی، اظہارِ تشکر، ظاہری و جسمانی، رسمی اور اخلاقی نجاست و آلودگی سے طہارت حاصل کرنے کے مقصد سے کرتے تھے۔

یہودیت کی طرح اسلام میں بھی اللہ کی رضا و خوشنودی اور اس کی نعمتوں و رحمتوں پر شکر کا اظہار کرنے کے لیے قربانی کی جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے: "آپ فرما دیجیے کہ بیشک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔" (انعام:162)

نیز یہودی شریعت کی طرح اسلامی شریعت میں بھی گائے، بھینس، بیل، بکرا اور بھیڑ کی قربانی پیش کرنے کا حکم ہے۔

7.5 اخلاق و آداب سے متعلق مشترک تعلیمات

یہودی مذہب کی اخلاقی تعلیم کے مطابق یہودیوں پر ممنوع ہے کہ وہ فحش کلام کریں، کسی کو مشتعل کریں اور لاچار و کمزور انسان

کے سامنے غیر معمولی قابلیت کا مظاہرہ کریں۔ قرآن وحدیث میں بھی اکثر مقامات پر ان باتوں کو غیر اخلاقی وممنوع قرار دیا گیا ہے۔

یہودیت کی مذہبی کتب میں اولاد کی تعلیم وتربیت کے بارے میں سختی کرنے کے احکام موجود ہیں، اس لیے یہودیوں میں اولاد کی تعلیم وتربیت پر بہت زیادہ خاص توجہ دی جاتی ہے۔ اسی طرح دین اسلام میں اولاد کو اچھی تعلیم وتربیت دینا والدین پر اولاد کا حق اور فرض قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اپنی اولاد کی قدر کرو اور ان کو اچھے ادب کی تعلیم دو۔" (سنن ابی ماجہ، حدیث 3671)

"اپنی اولاد کو تین چیزیں سکھاؤ، اپنے نبی کی محبت، اہل بیت کی محبت اور قرآن کریم کی تلاوت۔" (الجامع الصغیر للسیوطی، حدیث 311)

یہودی مذہب کی اخلاقی تعلیم میں ننگے کو کپڑا پہنانا، غریب کو کھانا کھلانا اور بیمار کی مدد کرنا وغیرہ بھی شامل ہیں۔ بائبل کے مطابق انبیا کے صحیفوں میں خیرات دینے کی ترغیب دی گئی ہے اور مسیحی دور سے قبل یہ ایک اہم مذہبی فریضہ بن گیا۔ (زبور 12:9، ایوب 12:29)

"انبیاء نے خیرات کو ایک اور جہت دی اور خیرات کو محتاجوں کا حق قرار دیا اور کہا خدا روزے سے زیادہ خیرات کو اہمیت دیتا ہے۔" (یسعیاہ 7:58)

اور عہد نامہ قدیم میں خیرات کا تصور پیش کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ "اپنے بھائی یعنی فقیروں اور محتاجوں کے لیے اپنی مٹھی کھلی رکھنا۔" (قب امثال 12:14، 20:31)

اسی طرح اسلام میں فقیروں، محتاجوں، بے سہاروں، ضرورت مندوں اور دیگر اہم امور کے لیے صدقہ وخیرات کرنا فرض اور ضروری ہے۔ قرآن وحدیث میں کثرت سے اس تعلق سے آیات اور احادیث موجود ہیں۔ (آل عمران 92، توبہ 60)

☆ یہودی اخلاقی تعلیمات کے مطابق یہودیوں کو یہ غور وفکر کرنا ضروری ہے کہ وہ خدا کے سامنے کھڑے ہیں اور اپنا سب کچھ خدا کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ اور یہی تعلیم ایک مسلمان کو اسلام میں دی گئی ہے۔ چنانچہ نبیٔ اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: "تم اللہ کی ایسے عبادت کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور تم نہ دیکھ سکو تو یہ سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔" (صحیح بخاری: 4777)

☆ نیک انسان یا ایک اچھے یہودی کی صفات بیان کرتے ہوئے زبور میں کہا گیا ہے کہ:

"مبارک ہے وہ انسان جو شر پسندوں کے مشورے پر عمل نہیں کرتا اور خطا کرنے والوں کی صف میں کھڑا نہیں ہوتا اور قہقہہ لگانے والوں کی مجلس میں نہیں بیٹھتا بلکہ خداوند کی شریعت میں اس کی رضا وخوشنودی ہے اور اس کی شریعت واحکام پر رات دن اس کی توجہ مرکوز رہتی ہے۔" (کتابِ مقدس، زبور، پہلی کتاب، باب نمبر ا، آیات نمبر 2-1)

اسی طرح ایک نیک مسلمان کی صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن مجید میں کہا گیا ہے:

"اور وہ جو بے فائدہ بات اور لغو کام سے روگردانی کرنے والے ہیں اور اگر اتفاقیہ طور پر بے ہودہ مجلسوں کے پاس سے گزرتے ہیں

تو سنجیدگی اور شرافت سے گزرتے ہیں اور جب کوئی بیہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے رُخ پھیر لیتے ہیں اور جو اپنی راتوں کو اپنے رب کے حضور سجدہ اور قیام میں گزارتے ہیں۔" (سورہ مومنون:3، فرقان:72، قصص:55، فرقان:64)

☆ یہودی مذہبی کتاب میں جھوٹ کی وعید بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ: "(اے خداوند) تو ان کو جو جھوٹ بولتے ہیں ہلاک فرمائے گا۔ (کتاب مقدس، زبور، پہلی کتاب، باب 5، آیت 6)

اسی بات کو قرآن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: "تمہیں خرابی ہو اللہ پر جھوٹ نہ باندھو کہ وہ تمہیں عذاب سے ہلاک کر دے۔ اور بے شک نامراد رہا، جس نے جھوٹ باندھا۔ تو زمین پر چل کر دیکھو کہ کیسا انجام ہوا جھوٹ بولنے والوں کا۔" (طٰہٰ: 61، آلِ عمران:137)

☆ جو لوگ دوسروں کا برا سوچتے ہیں ان کو تنبیہ کرتے ہوئے کتابِ مقدس میں فرمایا گیا ہے کہ:

"اس نے گڑھا کھود کر اس کو گہرا کیا اور اس گڑھے میں جو اس نے بنایا تھا خود ہی گرا، اس کی شیطانیت و شرارت اس پر ہی لوٹے گی اور اس کا ظلم اس کے سر پر ہی واقع ہو گا۔" (کتابِ مقدس، زبور، پہلی کتاب، باب 7، آیت 15)

قرآنِ مجید میں اسی تعلیم کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"اے لوگو! تمہاری شرارت و سرکشی صرف تمہارے لیے ہی نقصان دہ ہے۔ دنیا کی زندگی کا کچھ فائدہ اٹھا لو پھر تمہیں ہماری ہی طرف لوٹنا ہے۔ جس نے برے کام کیے ہیں ان کا نقصان بھی اسی کے لیے ہے۔" (یونس 22، بقرہ:286)

☆ یہودی مذہب میں اخلاقی طور پر درج ذیل باتوں کو غلط و اعمالِ بد قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً: کسی سے کوئی بات سننا اور اس کو غلط انداز سے دوسرے کے سامنے پیش کرنا، سچ جانتے ہوئے بھی زبان بند رکھنا اور دوسری قوموں سے مال وغیرہ پر سود لینا۔ (کتابِ خروج، باب 22، آیت 35، کتاب احبار، باب 25، آیت 26، کتاب استثنا، باب 23، آیت 19)

اسی طرح اسلام کے اندر بھی مذکورہ بالا باتوں کو مذموم و افعال قبیح بیان کیا گیا ہے۔ قرآن و حدیث میں بہت سی آیات اور احادیث اس پر شاہد ہیں بلکہ سود کی تو حد درجہ مذمت و لعنت اور ممانعت کی گئی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"اے ایمان والو! دوگنا چوگنا سود سود نہ کھاؤ، اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔" (آل عمران:130)

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن صرف اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جس کو شیطان نے چھو کر مخبوط الحواس کر دیا ہو۔" ((بقرہ:275)

لوگوں کے سامنے حق بات بیان کرو اس کو مت چھپاؤ۔ (آلِ عمران:187)

☆ یہودیت میں توریت کے احکام عشرہ (Ten Commandments) کی بہت زیادہ اہمیت ہے، یہ دس خدا کے احکام یہودی اخلاقی دستور میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، جو اس طرح ہیں:

1. خداوند کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔
2. سبت یعنی ہفتے کے دن سارے کام کاج چھوڑ کر عبادت کرنا۔
3. اپنے ماں باپ کی عزت و خدمت کرنا تاکہ عمر میں خیر و برکت ہو۔
4. انسان کا خدا اس کی رگوں میں موجود ہے۔
5. انسان قبر کی کوئی تصویر نہیں بنائے گا۔
6. انسان چوری اور زنا نہیں کرے گا۔
7. انسان اپنی عمر سے آگے جا کر کوئی برا عمل نہیں کرے گا۔
8. انسان اپنے آس پاس کے لوگوں کے لیے جھوٹی گواہی نہیں دے گا۔
9. کسی انسان کا قتل نہیں کرے گا۔
10. انسان اپنے پڑوسیوں، نوکروں اور بیوی سے برا سلوک نہیں کرے گا، حرص و طمع نہیں کرے گا، پڑوسی کے گھر، بیوی، غلام، بیل، خچر بلکہ اس کی کسی چیز کا لالچ نہیں کرے گا۔(توریت، کتاب استثنا25-5، کتابِ خروج12-20تا17)

مذکورہ بالا دس خدائی احکام میں سے ایک یا دو کو چھوڑ کر باقی سبھی احکام کی ہدایت و نصیحت واضح طور پر قرآن و حدیث میں بھی فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:

1. اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔(النساء:36)
2. اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔(النساء:36)
3. اور ہم اس کی شہِ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔(ق:16)
4. اور جو مرد یا عورت چور ہو تو ان کا ہاتھ کاٹو، یہ بدلہ ہے ان کے کیے کا، اللہ کی طرف سے سزا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (مائدہ:38)
5. اور زنا کاری کے قریب نہ جاؤ بے شک وہ بے حیائی اور بہت ہی بری راہ ہے۔(بنی اسرائیل:32)
6. بے شک اللہ حکم دیتا ہے کہ عدل و احسان (نیک کام) کرو اور رشتے داروں کو دو اور بے حیائی اور بری سرکشی سے منع فرماتا ہے۔ (النحل:90)
7. اور جب بات کہو تو انصاف کی کہو اگرچہ تمہارے رشتے دار کا معاملہ ہو، اللہ کا عہد پورا کرو۔(سورہ انعام:152)
8. جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کیے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا۔(مائدہ:32)
9. رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم! وہ ایمان والا نہیں جس کا پڑوسی اس کی ایذا رسانی سے بے خوف نہیں۔(صحیح بخاری، حدیث:5670)

☆یہودی مذہب میں نیکوکاروں اور دین داروں کو خدا کے قریب بتایا گیا ہے۔ چنانچہ کتابِ مقدس زبور میں ہے کہ:

"جان لو کہ خداوند نے نیکوکاروں اور دین داروں کو اپنے لیے مخصوص کر رکھا ہے۔ یعنی یہ اللہ کے دوست ہیں۔" (کتابِ مقدس، زبور، پہلی کتاب، باب 4، آیت 3)

اسی بات کو قرآن مجید میں اس طرح پیش کیا گیا ہے:

"بے شک اللہ تعالیٰ دین داروں اور احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" (النحل:128)

"بے شک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے۔" (بقرہ:257)

7.6 تیوہار ورسومات سے متعلق مشترک تعلیمات

☆یہودیوں میں بہت سے تیوہار اور رسومات مختلف واقعات اور سانحات کی یاد میں منائے جاتے ہیں۔ پوریم کا تیوہار ہامان سے بچ جانے کی خوشی میں منایا جاتا ہے اور گناہوں سے توبہ و معافی تلافی کے لیے "عشرہ ایامِ توبہ اور یومِ کپور" منایا جاتا ہے۔ اسی طرح اسلام میں بہت سے تیوہار ورسومات مختلف واقعات وسانحات کی یاد میں منائے جاتے ہیں۔

☆یہودی مذہب میں یوم السبت یعنی سنیچر کے دن کو بہت مبارک و مقدس مانا جاتا ہے۔ اور اس دن کام کاج چھوڑ کر سارے یہودی آرام کرتے ہیں۔ توریت کی تلاوت کرتے ہیں، عبادت گاہ میں دعا وعبادت کرتے ہیں اور عمدہ کھانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اسی طرح اسلام میں جمعہ کو بہت مبارک و مقدس بلکہ ہفتے کی عید مانا جاتا ہے اور اس دن نماز وعبادت کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔

☆یہودی خوشی کے طور پر مختلف عیدیں مناتے ہیں۔ مثلاً عیدِ فسح: یہ یہودیوں کی مشہور عید ہے جو سات روز منائی جاتی ہے، اور یہ فرعون سے نجات کی خوشی میں منائی جاتی ہے۔ یومِ خمیس: یہ عید فسح کے بعد پچاسویں دن منایا جاتا ہے اس میں سات بیل یا سات دنبے یا سات بھیڑیں ذبح کی جاتی ہیں۔ شبوعوت کو اردو میں ہفتوں کی عید کہتے ہیں جو حضرت موسیٰ کو توریت عطا ہونے کی خوشی میں منایا جاتا ہے۔ نرسنگوں کی عید: اس کو نئے چاند کی عید بھی کہتے ہیں۔ اس دن صبح سے شام تک نرسنگے پھونکے جاتے ہیں اور خوش حالی کے لیے روٹی اور پھل کو شہد میں ڈبو کر کھایا جاتا ہے۔ سوکوت یا عیدِ خیام: اس میں یہودی خیمے لگا کر اس میں دن گزارتے ہیں اور یہ مصر سے کامیابی کے ساتھ نکلنے کی نسبت سے منایا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا تمام عیدوں پر بہترین پکوانوں اور دعوتوں کا بھی خاص اہتمام ہوتا ہے۔

اسی طرح اسلام میں بھی مختلف عیدیں منائی جاتی ہیں اور ان موقعوں پر لباس و طعام اور دعوتوں کا خاص اہتمام و انتظام کیا جاتا ہے۔ بالخصوص عید الضحیٰ کے موقع پر کثرت سے قربانی کی جاتی ہے۔

☆یہودیوں میں ختنہ کی رسم بھی قدیم زمانے سے جاری ہے، ہر لڑکے کا پیدائش کے دن سے آٹھویں دن ختنہ کیا جاتا ہے اور اس کو اللہ کا عہد وپیمان قرار دیا جاتا ہے۔

اسی طرح اسلام کہتا ہے کہ ختنہ انبیاء کرام کی سنت ہے اور مسلمانوں میں ختنہ ساتویں یا آٹھویں دن یا جب سہولت ہوتی ہے تب

ضرور کی جاتی ہے اور اس کو عوام میں مسلمانی کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

☆ یہودی مذہب میں شادی کو مرد اور عورت کے درمیان ایک پاک بندھن تصور کیا جاتا ہے اور انہیں ایک جان دو جسم سمجھا جاتا ہے۔ یہودی شریعت کے مطابق بنا شادی کے ایک مرد کو نامکمل مانا جاتا ہے۔ گویا کہ مرد و عورت ایک دوسرے کی شخصیت کو مکمل کرنے والے ہیں۔ (کتابِ پیدائش 12:26،27)

اسی طرح قرآن و حدیث میں نکاح کو ایک پاک و مقدس معاہدہ قرار دیا گیا ہے۔ اور اس کو ایمان کے مکمل ہونے کا ذریعہ، مرد و عورت کے لیے محبت والفت اور تسکین کا باعث اور ایک دوسرے کو لباس سے تشبیہ دی گئی ہے۔ (سنن بیہقی، حدیث 7/77، روم 21)

☆ یہودیوں کے یہاں نکاح و شادی کا ایک نظام ہے جس میں ایجاب و قبول اور مہر بھی شامل ہے اور اسلام کے اندر بھی ایجاب و قبول اور مہر نکاح کے اہم رکن ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اسلام میں اہلِ کتاب یعنی یہودیوں کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے۔

☆ یہودی مذہب میں تعدد ازدواج کی بھی اجازت تھی لیکن اس کی کوئی حد مقرر نہیں تھی۔ ایک مرد جتنی چاہتا شادیاں کر سکتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت سے پہلے بنی اسرائیل کے یہاں تعدد ازدواج کا دستور تھا جس کو حضرت موسیٰ نے بھی باقی رکھا۔ (سید امیر علی، روحِ اسلام، کشمیر کتاب گھر، جموں، 1996، ص 359)

اسی طرح اسلام میں تعدد ازدواج یعنی صرف اور صرف چار تک بہت سی شرائط کے ساتھ نکاح کی اجازت ہے۔ (نساء۔3)

☆ یہودی مذہب میں نکاح کے موقع پر لڑکے والے لڑکی کے والدین کو کچھ مال یا رقم پیش کرتے ہیں جس کو عبرانی زبان میں موہر کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اسلام میں لڑکا لڑکی کو جو مال یا رقم نکاح کے وقت ادا کرنے کا اقرار کرتا ہے اور پھر دیتا ہے اس کو مہر کہا جاتا ہے۔ (نساء ۔۴)

☆ یہودی مذہب میں طلاق کو برا سمجھا جاتا ہے اور اس سے نفرت کا اظہار ملتا ہے لیکن اس کے باوجود طلاق کی اجازت موجود ہے اور اس کا اختیار و حق مرد کو حاصل ہے۔ (ابو الکلام آزاد، مسلمان عورت، اشاعت القرآن، دہلی 1963ء، ص 23)

اسی طرح اسلام میں طلاق کو حلال چیزوں میں اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند چیز بیان کیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود بحالت مجبوری اور کچھ مصلحتوں کے پیشِ نظر طلاق کی اجازت دی گئی ہے اور اس کا مکمل حق و اختیار مرد کو حاصل ہے۔ ہاں عورت کو طلاق کے مطالبے کا اختیار دیا گیا ہے۔ (سنن ابو داؤد، جلد 2، حدیث 410)

☆ یہودی موت کا نام سن کر "قاضی صادق بابرکت ہو" (Blessed be the true Juged) کہتے ہیں۔ اسی طرح مسلمان موت کی خبر سن کر اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہیں۔

☆ یہودی مذہب کے مطابق مرنے والے کے جسم کو غسل دیا جاتا ہے، سفید کفن پہنایا جاتا ہے، مذہبی احکام و رسم و رواج کے مطابق جنازے کی اجتماعی دعا کی جاتی ہے، اس کے بعد زمین میں تیار قبر میں اس کو دفن کر دیا جاتا ہے۔ میت کو یروشلم (بیت المقدس) کے

رُخ پر لٹایا جاتا ہے اور پھر مٹی چڑھائی جاتی ہے۔ ان کے قبرستانوں کو "بیت حائم یا بیت اولام" کہا جاتا ہے۔

ٹھیک اسی طرح اسلام میں مردے کو غسل و کفن دیا جاتا ہے، جنازے کی نماز (دعا) ادا کی جاتی ہے، قبر میں دفن کیا جاتا ہے لیکن اس کا رخ خانہ کعبہ کی طرف کیا جاتا ہے اور پھر مٹی دی جاتی ہے۔

7.7 دیگر شرعی مسائل اور امور سے متعلق مشترک تعلیمات

☆ یہودی مذہبی قوانین، فقہ یا شریعت کا ایک نظام ہے جو زبانی و تحریری روایات پر مشتمل و منحصر ہے۔ اور جس کو یہودیت میں بلاخاہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح دینِ اسلام میں بہت سے احکام و قوانین زبانی و تحریری روایات پر مشتمل و منحصر ہیں جن کو قوانینِ شریعت، احکامِ شرعیہ، فقہی قوانین، احکامِ فقیہ یا اسلامی شریعت کے نام سے جانا جاتا ہے۔

☆ یہودیوں کے جملہ مذہبی احکام و تعلیمات میں سے شریعت، مذہبی قوانین کا مطالعہ اور اس پر غور و فکر کرنے کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے بلکہ ہر یہودی پر مذہبی اعتبار سے فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کو یہودی شریعت یا مذہبی قوانین سے روشناس کرائے۔ اسی طرح دینِ اسلام میں بھی خاص تاکید فرمائی گئی ہے کہ مسلمان شرعی احکام یا مذہبی قوانین سے خود بھی آگاہ ہوں اور اپنی اولاد کو بھی ان کی تعلیم و تربیت دیں۔

☆ یہودی مذہب میں مذہبی رسومات و روایات اور شعائر کی پابندی کو بھی دین کا ایک اہم حصہ قرار دیا گیا ہے اور دینِ اسلام میں بھی بعض رسومات و روایات اور شعائر کو دین کا جزو لاینفک بیان کیا گیا ہے۔

☆ یہودی مذہب طہارت و پاکی اور عدل و انصاف پر یقین رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی مذہبی کتب میں انصاف اور پاکی پر خاص زور دیا گیا ہے۔ اسی طرح اسلام میں طہارت و پاکی اور عدل و انصاف کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے بلکہ طہارت کو آدھا ایمان بتایا گیا ہے اور ہر حال میں عدل و انصاف سے روگردانی کو منع کیا گیا ہے۔ (کتاب استثناء، باب 23)

☆ یہودی مذہب میں غذا اور خوراک سے متعلق کافی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور اس تعلق سے کافی سخت احکامات پائے جاتے ہیں، جو یہودیت کی رسمی پاکیزگی اور فطرت پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی طرح دینِ اسلام میں بھی کھانے اور پینے کے تعلق سے ایک تفصیلی نظام پیش کیا گیا ہے اور حلال و حرام کا خاص خیال رکھا گیا ہے جو اسلام کے دینِ فطرت اور پاک ہونے کی ترجمانی کرتا ہے۔

☆ یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان شریعت کے اعتبار سے بہت زیادہ مماثلت و مشابہت ہے۔ دونوں مذاہب میں حلال و حرام کا تصور ایک دوسرے سے بہت میل کھاتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے صرف یہودیوں کا ذبح کیا ہوا گوشت کھانا جائز ہے کیوں کہ وہ بھی اللہ کے نام پر قربانی کرتے ہیں اور سور یا گوشت خور جانور نہیں کھاتے۔

☆ کتاب احبار، باب 10، آیت 9 اور 10 کے مطابق یہودی مذہب میں شراب کو ممنوع و حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور دینِ اسلام میں بھی شراب کو قطعاً حرام بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں ہے: "(اے نبی ﷺ!) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا مسئلہ پوچھتے

ہیں، آپ فرما دیجیے کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے۔"(بقرہ:219)

☆کتاب احبار، باب ۱۱، آیت ۷ کے مطابق یہودیت میں خنزیر کا گوشت حرام قرار دیا گیا ہے، اور دینِ اسلام میں بھی اس کو سخت حرام بتایا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:"خنزیر نجس و ناپاک ہے، خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ، اس کا گوشت ہو یا جسم کے دیگر حصے۔"(انعام: 145)

☆یہودی حلال جانوروں کو کھانے سے پہلے خدا کا نام لے کر ذبح کرتے ہیں اور مسلمان بھی شریعت کی رو سے حلال جانوروں کو کھانے سے پہلے "بسم اللہ اللہ اکبر" کہہ کر ذبح کرتے ہیں جو کہ فرض ہے۔

☆موسوی شریعت کے مطابق سور، خون، مردار اور خدا کے علاوہ کسی اور کے نام پر ذبح کیے گئے جانور کھانے کے لیے پاک نہیں ہیں۔ لیکن بکری کو حلال اور بہت مفید جانور مانا گیا ہے اور اس کی بہت تعریف کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ گائے، بیل اور دوسرے حلال جانوروں کو دولت کی علامت قرار دیا گیا ہے۔(کتاب پیدائش 34:29-28)

اسی طرح اسلام میں مذکورہ بالا جانوروں کو حلال قرار دیا گیا ہے۔ اور ان کے بہت سے فوائد بیان کیے گئے ہیں۔(سورہ النحل:66)

یہودی شریعت کا حکم ہے وہ سب جانور جن کے پاؤں الگ اور چِرے ہوئے ہیں اور وہ جگالی کرتے ہیں تم ان کو کھاؤ۔ مثلاً: گائے، ، بیل، بھینس، بکری اور بھیڑ وغیرہ۔ مگر جو جگالی نہیں کرتے ہیں یا جن کے پاؤں الگ ہیں ان میں سے تم ان جانوروں کو نہ کھانا۔ جیسے: اونٹ اور خرگوش اور خنزیر بھی تمہارے لیے ناپاک ہے۔ تم ان کا گوشت نہ کھانا، ان کی لاشوں کو نہ چھونا وہ تمہارے لیے ناپاک ہیں۔"(کتاب احبار، 1:1-8)خون اور مردار بھی حرام ہیں۔(احبار، 13:3، کتاب استثنا، 21:41)

یہودی شریعت کی طرح اسلامی شریعت میں بھی جگالی کرنے والے گائے، بھینس، بکری اور بھیڑ وغیرہ کا گوشت حلال قرار دیا گیا ہے اور خنزیر، مردار اور خون کو ناپاک و حرام قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ بقرہ، آیت 173 میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:"اور اللہ نے تم پر جس کا کھانا حرام کیا ہے وہ صرف مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ حلال جانور ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔"

☆یہودی مذہب میں قبر پرستی کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے اور اسلام میں بھی قبر پرستی حرام و ممنوع ہے۔

☆یہودی مذہب کہتا ہے کہ کوئی بھی انسان موروثی یا پیدائشی طور پر گناہ گار نہیں ہوتا اور اسلام کا بھی یہی نظریہ ہے کہ کوئی بھی انسان موروثی طور پر گنہ گار نہیں۔

☆یہودیت میں ہم جنس پرستی یعنی عورت کی عورت سے اور مرد کی مرد سے شادی جائز نہیں اور اسلام بھی اس کی یعنی ہم جنس پرستی کی سختی سے مخالفت کرتا ہے۔

☆یہودیت میں حالتِ حیض میں عورت سے پرہیز کرنا ضروری ہے اور مباشرت کرنا سخت منع ہے۔ اسی طرح اسلام میں بھی حالتِ حیض میں عورت سے اجتناب کرنا لازمی اور جماع کرنا حرام ہے۔

☆عہد نامہ قدیم کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حسبِ ضرورت یہودیت میں ذخیرہ اندوزی کرنا جائز ہے۔ یعنی جب کہ جمع کیے جانے والے غلے یا اناج وغیرہ سے واجب الادا حصوں کو ادا کر دیا جائے تو اس کے بعد ذخیرہ اندوزی کی اجازت ہے۔ چنانچہ توریت، کتاب پیدائش میں ہے:

"اور وہ (حضرت یوسف) لگاتار سات سال تک ہر قسم کی غذا و خوراک جو مصر میں پیدا ہوتی تھی جمع کر کے شہروں میں اس کا ذخیرہ کرتا گیا۔ یوسف نے غلّہ سمندر کی ریت کی طرح انتہائی کثرت سے ذخیرہ کیا۔ یہاں تک کہ حساب رکھنا بھی چھوڑ دیا کیوں کہ وہ بے شمار تھا۔" (کتاب پیدائش، باب 41، آیت 48، 49)

یہودیت کی طرح دینِ اسلام بھی کچھ شرائط کے ساتھ ذخیرہ اندوزی کی اجازت مرحمت فرماتا ہے۔ یعنی ذخیرہ اندوزی اس لیے نہ ہو کہ بازار میں اس کی کمی کی صورت میں مہنگا کر کے بیچا جائے اور اللہ کے بندوں کی مجبوری و پریشانی کا فائدہ اٹھایا جائے بلکہ نیت یہ ہو کہ بازار کے حالات بدل جانے پر فروخت کر کے فائدہ کمایا جائے۔ چنانچہ فقہ کی مشہور کتاب در مختار و حاشیہ ابن عابدین میں ہے: "اور اگر کوئی شخص ذخیرہ اندوزی یا عام لوگوں کو ضرر و نقصان پہنچانے کی نیت کے بغیر غلہ خرید کر رکھ لیتا ہے اور وہ غلہ بازار میں مناسب قیمت پر مل رہا ہے تو یہ ممنوع ذخیرہ اندوزی میں شامل نہیں ہو گا۔ اسی طرح اگر کوئی بڑا شہر ہے کہ جس میں کوئی شخص غلہ وغیرہ لے کر محفوظ کر لیتا ہے اور اس کے غلہ ذخیرہ کرنے سے لوگوں کو نقصان نہیں پہنچتا تو اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہو گا۔" (در مختار و حاشیہ ابن عابدین، رد المختار، 6/398)

☆یہودیت کی سب سے اہم و مقدس کتاب توریت کے مطابق اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو زخمی یا قتل کرتا ہے تو اس کے عوض و انصاف میں اس کو بھی زخمی یا قتل کیا جائے گا۔ چنانچہ کتابِ خروج میں بیان کیا گیا ہے کہ:

"لیکن اگر اس کو کوئی اور ضرر پہنچا ہو تو جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت، ہاتھ کے بدلے ہاتھ اور پاؤں کے بدلے پاؤں لے لینا۔ جلانے کے بدلے جلانا، زخم کے بدلے زخم اور چوٹ کے بدلے چوٹ پہنچانا۔" (کتابِ خروج، باب 21، آیت 22 تا 25)

کسی انسان کو زخمی کرنے یا قتل کرنے کی صورت میں یہی تعلیم قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

"اور ہم نے توریت میں ان پر یہ فرض کیا تھا کہ جان کا بدلہ جان، اور آنکھ کا بدلہ آنکھ اور ناک بدلہ ناک اور کان کا بدلہ کان اور دانت کا بدلہ دانت ہے اور زخموں میں بدلہ ہے، تو جس نے خوشی سے بدلہ دیا تو وہ اس (کے گناہ) کا کفارہ ہے۔"

7.8 توریت و یہودیت میں تحریف

یہودیوں کے مذہبی ادب یا مذہبی کتابوں کو کئی انقلابات اور زمانے کے نشیب و فراز سے گزرنا پڑا۔ آج جو مذہبی ادب یا کتب و صحائف ان کے یہاں موجود ہیں وہ اس وقت سے چودہ سو سال بعد ترتیب دیئے گئے جس وقت کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے احکامِ عشرہ دیئے گئے تھے۔ ان میں سے کچھ کتابیں خود یہودی عالموں و ربّیوں نے رد کر دیں اور کچھ آج بھی یونانی

زبان میں تراجم کی صورت میں موجود ہیں۔ لیکن مذہبی اعتبار سے ان کی کوئی اہمیت نہیں۔ مذاہبِ عالم کی تاریخ کے مطابق توریت کبھی بھی محفوظ نہ رہ سکی اور تقریباً سات مرتبہ یہ دنیا سے بالکل ناپید ہوگئی۔ اس طرح چودہ سو سال بعد لکھا جانا اور سات بار معدوم و ناپید ہو جانا اس کے اندر تحریف اور تبدیل ہونے کا واضح ثبوت ہے۔ حالانکہ اور بھی بہت سے شواہد و دلائل ہیں نیز مختلف کتب کے باہمی متضاد بیانات و عبارات بھی اس کی روشن دلیل ہیں۔

یہودیوں کے مطابق ان کی کتابیں حقیقت میں عبرانی (Hebrew) زبان میں نازل ہوئی تھیں لیکن بعد میں ان کی زبانیں تبدیل ہوتی رہیں۔ چنانچہ پہلے انہیں آرامی (Aramaic) زبان میں جمع کیا گیا۔ پھر یونانی بادشاہ کے حملے کے نتیجے میں جب یہودی اسکندریہ میں قید ہوئے تو وہاں سے رہائی کے بعد یہ کتابیں یونانی (Greek) زبان میں جمع ہوئیں۔ ایک طویل عرصے بعد تورات کو پھر عبرانی زبان کی طرف منتقل کیا گیا اور سب سے آخر میں رومیوں کا غلام بننے کے بعد رومی زبان میں ان کا ترجمہ کیا گیا۔

مذکورہ بالا حقائق کی تصدیق یہودی مذہبی ادب یا کتب سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ سفر التواریخ کے چونتیسویں اصحاح میں تحریر ہے کہ: ”حلقیا کاہن کو سفر شریعۂ رب ملا تو اس نے اس کو منشی سافن کے حوالے کر دیا اور پھر سافن اس کو بادشاہ کے پاس لے آیا۔ (کتاب مقدس: 2/458) یعنی توریت گم ہوگئی تھی جو حلقیا کو مل گئی اور اس نے اس کو سافن کو دے دیا تھا۔

یہودیت کے مذہبی ادب کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ توریت کا روایتی نسخہ مسورہ عبرانی زبان میں تھا جو ہیکل میں روایتی طور پر تلاوت کیا جاتا تھا لیکن اس نسخے کے بارے میں کوئی علم نہیں کہ وہ آج کہاں ہے۔ نیز توریت، کتاب استثناء 13:40، 5:22، 5:10-4 کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہاڑ پر بیٹھ کر احکامِ عشرہ کی صرف دو تختیاں (الواح) کندہ کرلی تھیں، ان کے علاوہ اور کوئی کتاب نہیں لکھی۔ یہی تختیاں خداوند کے صندوق میں محفوظ تھیں۔ مگر یہ صندوق فلسطینی لوگ بنی اسرائیل سے چھین کر لے گئے اور بادشاہ مساؤل (طالوت) دشمنوں سے ان کو چھین کر واپس لایا اور حضرت سلیمان کے زمانے میں وہ صندوق کھولا گیا تو اس میں صرف دو تختیاں (الواح) نکلیں۔ اس کے بعد ان کا بھی علم نہیں کہ وہ کہاں ہیں کیونکہ یہودی قوم پر دشمنوں نے کئی حملے کیے اور ان کے ہیکل کو جلا دیا اور یہودیوں کو قیدی بنا کر جلاوطن کر دیا۔ (سلاطین اول 8:9، تواریخ دوم 5:10)

اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہ تو خود توریت لکھی اور نہ کسی سے لکھوائی۔ حالانکہ بعض حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ: ”حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توریت کو لکھا اور اس کو بنولاوی کے اماموں کے حوالے کر دیا اور بنو ہارون یہودیوں کے قاضی اور حکام تھے۔ اور موسیٰ نے بنو اسرائیل کے سامنے توریت کی صرف نصف سورۃ ظاہر کی تھی۔ خداوند نے موسیٰ سے اس سورۃ کے بارے میں کہا کہ یہ سورۃ میرے لیے بنی اسرائیل کے خلاف گواہی ہوگی۔ باقی توریت کو حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کی اولاد کے حوالے کر دیا تھا تاکہ وہ لوگوں کی تحریف و تبدیل سے محفوظ رہے۔ اس لیے اولادِ ہارون حقیقت میں توریت کو پہچانتے تھے اور اس کے اکثر حصوں کو انہوں نے یاد کر لیا تھا۔ لیکن بخت نصر کو جب بیت المقدس پر غلبہ حاصل ہوا تو اس نے ان تمام لوگوں کو قتل کرا دیا اور یہودیوں کے ہیکل کو جلا دیا۔ اور یہود کے ان علماؤں میں سے کسی نے بھی توریت کو یاد نہیں کیا تھا۔ ہر ایک نے صرف چند فصلیں یاد کی تھیں۔“ (یہود و نصاریٰ

تاریخ کے آئینے میں، ص:236)

یہود و نصاریٰ کی مذہبی کتب اور تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ توریت پندرہ سو قبل مسیح لکھی گئی، پہلے ایک جلد میں تھی لیکن 284/ قبل مسیح میں جب یہودیوں کے ستر یا بہتر عالموں نے توریت کا عبرانی زبان سے یونانی میں ترجمہ کیا تو اس کو پانچ کتابوں میں تقسیم کر دیا۔ علاوہ ازیں توریت تقریباً سات بار تباہی، بربادی اور گمشدگی کا شکار ہوئی۔ پہلی گمشدگی اور بربادی 698/ق م بادشاہ یہویہ کے دور میں ہوئی اور تقریباً 75/ سال بعد 624/ق م بادشاہ بوسیاہ کے زمانے میں کاہنوں کے سردار حلقیاہ نے اعلان کیا کہ اس نے ہیکل یروشلم توریت پائی ہے۔ جس کو اس کے وقت کے بادشاہ نے پڑھوا کر سنا تو گھبرا کر اپنے کپڑے پھاڑ دیئے۔ (دوم سلاطین 22:8 تا 11) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ شاہ مصر نے جب یروشلم پر حملہ کیا اور ہیکل اور یہودی بادشاہ کے گھر کو لوٹا تو اس وقت توریت ضائع ہوئی اور تین سو سال تک لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہی۔ (اول سلاطین 14:26، 28) توریت کی دوسری بربادی تقریباً 600/ق م بخت نصر بادشاہ کے ذریعے ہوئی، جس نے بے رحمی سے یہودیوں کو قتل کیا، قیدی بنایا، کسی پر رحم نہ کیا، مال و خزانوں کو لوٹ لیا، خدا کے گھر کو جلایا، یروشلم کی دیوار کو ڈھا دیا، ساری قیمتی چیزوں کو برباد کر دیا، ہیکل اور اس میں موجود توریت کے نسخے کو جلا دیا۔ (دوم تواریخ، باب 36)

بخت نصر کی سلطنت بابل میں یہودی تقریباً 70/ سال قیدی رہے، جب وہاں سے آزاد ہوئے تو اپنی زبان بھول گئے تھے۔ قید سے رہائی کے بعد انہوں نے دوبارہ توریت کو ترتیب دینے کی طرف توجہ دی اور عزرا نے اس کام کو مکمل کیا۔ عزرا نے توریت کو کس طرح ترتیب دیا اور کن کن مراحل سے گزرا یہ ساری تفصیل عہد نامہ قدیم میں موجود ہے۔ (عزرا کتاب دوم 14:20 تا 40)

توریت کی تیسری بربادی 170/ق م میں انطاکیہ کے یونانی بادشاہ اینٹوینس کے ذریعے ہوئی جس نے یہودیوں کو تباہ و ہلاک کرنے کے لیے یروشلم پر بار بار حملے کیے، ہیکل اور مقدس صحیفوں کو برباد و جلا کر خاک کر دیا۔

چوتھی بربادی 70ء میں شہزادۂ روم طیطس کے ذریعے ہوئی جس نے یروشلم پر حملہ کر کے گیارہ لاکھ یہودیوں کا قتل عام کیا، ہیکل کو تباہ و برباد کیا اور ہزاروں کو قیدی بنا کر فروخت کیا۔

پانچویں بربادی طیطس کے حملے کے تقریباً 65/ سال بعد قیصر ہڈرین کے زمانے میں واقع ہوئی۔ اس دور میں یہودیوں نے اپنی طاقت جمع کر کے رومیوں کے ساتھ مقابلہ کیا اور شکست کھائی۔ اور نتیجے میں تقریباً 5/ لاکھ یہودی قتل ہوئے، باقی شہر سے نکال دیئے گئے، بیت المقدس کو تباہ کر دیا گیا اور جیوپیٹر دیوتا کا مینار اور کوہ کلوری پر وینس دیوی کی مورتی رکھ کر شہر کا نام ایلیار کھ دیا گیا۔

توریت کی چھٹی بربادی 400ء کے قریب اس وقت ہوئی جب کہ وحشی قوموں نے موسویت اور مسیحیت کو تباہ و برباد کر دیا اور مکتوبات، صحیفوں اور کتب خانوں کو آگ کے حوالے کر دیا گیا۔

ساتویں بربادی 613ء میں اس وقت رونما ہوئی جب کہ ایران کے بادشاہ خسرو پرویز نے یروشلم پر چڑھائی کر کے تقریباً نوے ہزار آدمی قتل کیے اور تمام گرجوں اور متبرک مقامات کو تباہ و برباد کر دیا۔ (مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ص:393 تا 398)

مذکورہ بالا تمام حقائق کی روشنی میں آپ خود نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ توریت اپنی اصل صورت میں کس حد تک باقی رہی ہو گی؟ اور بار بار کی گمشدگی و بربادی کے بعد کس طرح تحریف و ترمیم سے محفوظ رہی ہو گی؟

مختصر یہ کہ توریت یا یہودی مذہبی کتب میں تحریف و تبدیلی کا سب سے بڑا ثبوت توریت کی مختلف وقتوں میں از سر نو ترتیب و تالیف اور مختلف زبانوں میں تبدیلیاں و تراجم ہیں۔ ان کی بناء پر توریت اور دین یہود میں تحریف اور تبدیلی واقع ہوئی۔ علاوہ ازیں یہودیوں نے بھی اپنی مذہبی کتب بالخصوص توریت اور اس کی تعلیمات کو خورد برد کیا۔ ظاہر ہے اتنی تبدیلیوں، ترجموں اور بربادی کے بعد کوئی چیز اپنی اصلی حالت پر قائم نہیں رہ سکتی۔ یہودی مذہبی کتب و صحائف بالخصوص توریت سے متعلق تحریف و ترمیم کا واضح ثبوت قرآن مجید سے بھی ملتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے: ''اے مسلمانو! کیا تم امید رکھتے ہو کہ یہ (یہودی) تمہاری خاطر ایمان لے آئیں گے؟ حالانکہ ان کا ایک گروہ اللہ کا کلام سنتا تھا پھر جان بوجھ کر اس میں تبدیلی کر دیتا تھا۔'' (بقرہ:75)

یہود توریت میں دو طرح کی تحریف کرتے تھے، ایک لفظی اور دوسری معنوی۔ لفظی تحریف یہ تھی کہ کسی لفظ کو درمیان سے چھوڑ دیتے تھے یا بدل دیتے تھے یا زبان مروڑ کر اس طرح پڑھتے تھے کہ اس کا معنٰی بدل جاتا تھا۔ اور معنوی تحریف یہ تھی کہ کسی آیت کی الٹی یا غلط تاویل کرتے تھے اور کہتے تھے یہی اصل عبارت اور یہی اس کا معنی و مفہوم ہے۔ ان کی اس مذموم حرکت و خیانت اور تحریف کے بارے میں قرآن میں اس طرح آگاہ فرمایا گیا ہے:

''یہودیوں میں سے کچھ لوگ اللہ کے کلام میں تحریف یا ردوبدل کرتے ہیں اور اپنی زبانیں مروڑ کر راعنا کہتے ہیں۔'' (نساء:46)

''پس ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو کتاب کو خود اپنے ہاتھوں سے لکھ لیتے ہیں، پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ وہ اس کے ذریعہ تھوڑی سی قیمت حاصل کر لیں۔'' (بقرہ:79)

7.9 عہد نامہ قدیم اور توریت میں تحریفات کی مثالیں

☆ عہد نامہ قدیم یا توریت میں بہت سی ایسی تعلیمات و حوالہ جات ملتے ہیں جو ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہودیوں کی مذہبی کتب و صحائف اپنی اصلی صورت میں محفوظ یا موجود نہیں ہیں بلکہ ان میں کافی تحریفات و ترمیمات کی جا چکی ہیں۔ ذیل میں ہم عہد نامہ قدیم بالخصوص توریت سے چند مثالیں پیش کر رہے ہیں، جن سے آپ بحسن و خوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

☆ توریت، کتاب پیدائش 2:17 ر میں ہے کہ ''حضرت آدم سے کہا گیا کہ جس دن تو نیک و بد کے درخت سے پھل کھائے گا تو ضرور انتقال کرے گا۔'' اور کتاب پیدائش 5:5 میں لکھا گیا ہے: ''مگر آدم پھل کھانے کے بعد نو سو تیس سال زندہ رہا۔''

☆ توریت، کتاب پیدائش 27:25 میں لکھا ہے: ''انسان کو خدا نے حیوانات پیدا کرنے کے بعد بنایا۔'' اور کتاب پیدائش 2:18 تا 20 میں ہے کہ ''خدا نے حضرت آدم کے پاس جانور بنا کر بھیجے۔ یعنی آدم علیہ السلام پہلے ہوئے اور جانور بعد میں۔''

☆ توریت، کتاب پیدائش 7:8 میں مرقوم ہے کہ ''خدا انسان کی بدی کو دیکھ کر اس کے پیدا کرنے پر پچھتاتا ہے اور دل گیر ہوتا

ہے۔" اور کتاب عدد 9:23 میں ہے کہ "خدا پچھتاتا نہیں ہے۔"

☆ توریت، کتاب خروج 10:24، 9 میں ہے کہ "اسرائیل کے بزرگوں نے خدا کو دیکھا۔" اور کتابِ خروج 20:33 میں ہے کہ :"کوئی انسان نہیں کہ مجھے دیکھے اور زندہ رہے۔"

☆ توریت، کتاب گنتی 12:3 میں مذکور ہے کہ "موسیٰ روئے زمین کے سارے لوگوں سے حلیم تھا۔" اور کتاب گنتی 31:14، 16 میں ہے کہ "موسیٰ غصہ ہوا اور سارے بچوں، عورتوں اور مردوں کے قتل کا حکم دیا۔"

☆ توریت، کتاب خروج 9:19، 16 اور 21:20 میں ہے کہ "خدا اندھیرے میں رہتا ہے۔" اور تمطاؤس اول 6:16 میں ہے کہ "خدا نور میں رہتا ہے، جس تک کوئی پہنچ نہیں سکتا۔"

☆ توریت، کتاب خروج 4:20 میں حکم دیا گیا ہے کہ "فرشتے وغیرہ کی تصویر نہ بناؤ" اور خروج 25:21 میں لکھا ہے کہ: "اور تو سونے کے دو فرشتے بنا۔"

☆ کتاب استثناء باب 34 آیت 5 میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ذکر ہے کہ وہ خدا کے حکم سے موآب کی سرزمین میں انتقال فرما گئے۔ اور آیت 6 میں ان کی تدفین اور قبر کا ذکر ہے کہ وہ موآب کی ایک وادی میں دفن کئے گئے اور ان کی قبر کوئی نہیں جانتا اور آیت 7، 8 میں وفات کے بعد کے حالات ذکر ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ توریت میں تحریف و تبدیلی کی گئی ہے، وگرنہ ان کی قبر، اور بعد وفات کے حالات حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کی توریت میں ہرگز نہ ہوتے۔

☆ توریت، کتاب گنتی باب 21، آیت 3 میں ہے کہ "خداوند نے اسرائیل کی دعا سنی اور کنعانیوں کو گرفتار کر لیا گیا، انہوں نے انہیں اور ان کی بستیوں کو حرام کر دیا اور اس مقام کا نام "حرمہ" رکھا۔" اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس وقت لکھی گئی جب کہ کنعانی قتل یا گرفتار ہو چکے تھے اور ان بستیوں کا نام حرمہ ہو چکا تھا۔ اور قاضیوں کے باب اول آیت 17/ کے مطابق یہ واقعات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کافی زمانہ بعد کے ہیں۔

☆ علاوہ ازیں موجودہ توریت میں ایسے بہت سے حالات، واقعات اور مقامات کا تذکرہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سیکڑوں سال بعد واقع و قائم ہوئے۔ جن سے واضح ہوتا ہے کہ توریت میں تحریف و اضافہ اور ترمیم کی گئی ہے۔

☆ توریت، کتاب پیدائش 21:35/ میں مذکور ہے کہ "پھر اسرائیل نے سفر کیا اور اپنا خیمہ مجدل عدر کے اس پار لگایا۔" اور میکہ نبی کی کتاب 4:8 کے مطابق بیت المقدس کے ایک مینار کا نام مجدل عدر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تقریباً سات سو سال بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔

☆ توریت، کتاب پیدائش 31:36 میں تحریر ہے کہ "اور بادشاہ جو ملک ادوم پر مسلط ہوئے، اس سے قبل کہ اسرائیل کا کوئی بادشاہ ہو یہی ہیں۔ اور کتاب سموئیل اول باب 8 میں ہے کہ: "اسرائیل کا پہلا بادشاہ ماؤل حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ہوا ہے۔"

اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ توریت کی کتاب پیدائش چند بادشاہ ہونے کے بعد یعنی تقریباً چھے سو سال بعد حضرت داؤد کے زمانے میں لکھی گئی۔

خلاصہ یہ کہ اس وقت توریت کا جو نسخہ یہودیوں کے یہاں پایا جاتا ہے وہ بہت زیادہ تحریف و تبدیل شدہ ہے۔ اس میں سیکڑوں ایسی متضاد تعلیمات، خلافِ حقیقت واقعات اور فحش و بیہودہ باتیں وحالات موجود و مذکور ہیں، جو اللہ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کردہ توریت میں ہر گز نہیں ہو سکتیں۔ اور نہ ہی کوئی عقلمند اور نیک طینت انسان ان کو قبول کر سکتا ہے۔ مثلاً: یہودی مذہب میں بعض انبیاء کرام کی شان میں حد درجہ گستاخی کی گئی ہے۔ مثلاً:

☆ شام کے وقت حضرت داؤد (علیہ السلام) کا محل کی چھت پر جانا، ایک نہاتی عورت کو دیکھنا، اس کے حسن کو دیکھ کر فریفتہ ہو کر اپنے لوگوں سے گھر بلوانا اور پھر صحبت کرنا اور اولاد پیدا ہونا۔ (کتاب سموئیل دوم، باب 11:2-5)

☆ حضرت سلیمان (علیہ السلام) کا بادشاہ فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں سے تعلق رکھنا اور صحبت کرنا جبکہ خدا نے کہا تھا کہ تم ان کے بیچ نہ جانا اور نہ وہ تمہارے بیچ آئیں۔ (کتاب سلاطین اول، باب 11 آیت 1 تا 6)

☆ حضرت یعقوب علیہ السلام پر دھوکہ بازی کا الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے بھائی ایسوع ایدوم کی فرضی شکل وصورت اور لباس اوڑھ کر اپنے باپ سے ایسوع کے حق کی دعا و برکتخود لے لی۔ (کتاب پیدائش 27)

☆ حضرت لوط (علیہ السلام) کی دونوں بیٹیوں نے ان کو شراب پلا کر نسل بڑھانے کے لیے ان سے یکے بعد دیگرے زنا کیا۔ اور دونوں بیٹیوں نے ان کو اتنی شراب پلائی کہ ان کو اس کا کچھ ہوش ہی نہیں رہا۔ دونوں حاملہ ہوئیں ایک سے "موآب" اور دوسری سے "بن عمی یا عمون" پیدا ہوا۔ دونوں کی نسل اب بھی موجود ہے۔ (کتاب پیدائش: باب 19۔ آیت 31-83)

☆ حضرت اسحاق علیہ السلام کو بنی اسرائیل کا جد امجد سمجھا ہے اور نہایت ہی عزت و تکریم کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بہت ہی برے اور نازیبا کلمات سے یاد کیا ہے جیسا کہ توریت کی کتاب تخلیق میں ہے کہ: "اس کا ہاتھ ہر ایک شخص کے خلاف اور ہر ایک شخص کا ہاتھ اس کے خلاف" یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کو عداوت کا ایک نمونہ بنا کر پیش کیا ہے۔ (نعوذ باللہ)

7.10 قرآن میں تحریفاتِ توریت کی مثالیں

☆ مفسر قرآن محمد بن جریر طبری لکھتے ہیں کہ یہودیوں کا بنو قریظہ قبیلہ اپنے آپ کو بنو نضیر سے افضل و اعلیٰ سمجھتا تھا۔ اگر بنو قریظہ کا کوئی شخص بنو نضیر کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تھا تو وہ قصاص یعنی قتل کے بدلے قتل کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے صرف دِیت (جان کے بدلے مال) دیتے تھے اور اگر بنو نضیر کا کوئی شخص بنو قریظہ کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تو پھر اس سے قصاص لیتے تھے۔ جب رسول اکرم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہ اسی طریقے پر عمل پیرا تھے۔ بنو قریظہ نے بنو نضیر کے کسی شخص کو قصداً قتل کر دیا، اس وقت منافقوں نے کہا کہ اگر یہ نبی دیت ادا کرنے کا حکم دیں تو مان لینا ورنہ ان کے حکم کو نہ ماننا۔ حالانکہ توریت میں ایسا کوئی حکم نہیں تھا بلکہ ہر انسان اور ہر

قبیلے کے لیے یکساں حکم تھا، لیکن انہوں نے اپنے مفاد اور نفسانی خواہشات کی وجہ سے توریت کے حکم میں تحریف کر دی۔ جس کو قرآن پاک اس طرح بیان فرماتا ہے: ''اور بعض یہودی جھوٹی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں اور ان لوگوں کی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں جو آپ کے پاس نہیں آئے، اللہ کے کلام کو اس کی جگہوں سے بدل دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ حکم دیا جائے تو اس کو مان لو اور اگر یہ حکم نہ دیا جائے تو اس سے بچو۔'' (مائدہ: 41، جامع البیان، جلد 6، ص 323)

☆ توریت میں حکم تھا کہ اگر شادی شدہ مرد یا عورت زنا کریں تو ان کو رجم (سنگسار) کیا جائے، لیکن یہودیوں نے اس میں یہ تحریف و ترمیم کر دی کہ ان کو کوڑے لگائے جائیں اور منہ کالا کیا جائے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک یہودی مرد اور عورت کو لایا گیا جنہوں نے زنا کیا تھا۔ آپ ﷺ یہودیوں کے پاس تشریف لے گئے اور معلوم کیا جو شخص زنا کرے اس کے متعلق توریت میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم ان کا منہ کالا کر کے ان کو سواری پر بیٹھاتے ہیں، ان کا چکر لگاتے ہیں، کوڑے لگاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا توریت لے کر آؤ اگر تم سچے ہو۔ چنانچہ وہ توریت لائے اور اس کو پڑھا اور جب رجم کی آیت سے گزرے تو پڑھنے والے نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس کے آگے اور پیچھے سے پڑھا، حضرت عبد اللہ بن سلام آپ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے کہا یا رسول اللہ آپ اس سے فرمائیں کہ اپنا ہاتھ اٹھائے، جب ہاتھ اٹھایا تو اس کے نیچے رجم کی آیت تھی۔ بعد ازاں رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ان کو رجم کیا گیا۔ سورۂ مائدہ، آیت نمبر ۴۱ میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ (بخاری: 6841، مسلم: 4357)

☆ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی صفات، آپ کی بعثت اور نبوت و رسالت سے متعلق جو پیش گوئیاں یہودیوں کی کتابوں میں تھیں وہ ان کو بدل دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم نے آپ کی بات سنی اور اس کی نافرمانی کی۔ اور اپنی زبان مروڑ کر آپ سے راعنا کہتے تھے اور یہ ان کی لغت میں گالی تھی۔ یعنی جب اللہ کے رسول کوئی حدیث بیان فرماتے یا کوئی حکم دیتے تو وہ ''سمعنا و اطعنا'' (ہم نے سنا اور اطاعت کی) کے بدلے (سمعنا و عصینا) ہم نے سنا اور نافرمانی کی کہتے تھے۔ اور جب وہ لوگ اللہ کے رسول سے بات کرنے کا ارادہ کرتے تو کہتے تھے سنئے اور دل میں کہتے تھے نہ سنئے اے ابو القاسم! اور آپ ﷺ سے راعنا کہتے تھے اور یہ ظاہر کرتے تھے کہ آپ ہم پر نظر رحمت فرمائیں یا ہماری رعایت فرمائیں لیکن حقیقت میں اپنی زبان مروڑ کر اس سے اپنے دل میں رعونت کا معنیٰ مراد لیتے تھے اور اس طرح نبیٔ اکرم ﷺ کی صفات چھپا کر تحریف کرتے تھے، جس کو قرآن مجید، سورہ نساء آیت 46 میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

''یہودیوں میں سے کچھ لوگ اللہ کے کلمات کو ان کی جگہوں سے بدل دیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نافرمانی کی۔ اور آپ سے کہتے ہیں سنیئے، آپ نہ سنائے گئے ہوں، اور اپنی زبان مروڑ کر طعنہ زنی کرتے ہوئے راعنا کہتے ہیں۔ اللہ نے اس کی وجہ سے ان پر لعنت فرمائی ہے۔ (جامع البیان، جلد 6، ص 212، مطبوعہ بیروت)

☆ بنی اسرائیل کا گمان تھا کہ انہوں نے انبیاء کرام کے ساتھ جو ظلم و ستم اور غلط سلوک کیا ہے اس کی دنیا میں ان کو کوئی سزا نہیں ملے گی اور اس وجہ سے ان پر مصائب و عذاب طاری نہیں ہوں گے اور ان کا ماننا تھا کہ آخرت میں بھی ان کو عذاب سے نجات مل جائے گی، کیوں کہ وہ اللہ کے محبوب اور بیٹے ہیں۔ اور اگر ان کو عذاب ہوا تو صرف چند دن ان کو عذاب ہو گا یعنی جتنے دن انہوں نے بچھڑے کی پوجا کی

تھی۔ یہودیوں نے اس حکم میں یہ تحریف وترمیم کی کہ یہ حکم صرف یہودیوں اور عبرانیوں کے لیے خاص ہے، وہ اپنے نبیوں کی شفاعت سے ضرور جنت میں جائیں گے اگرچہ وہ خدا کے حکم پر کسی طرح عمل نہ بھی کریں، وہ صحیح طور پر ایمان والے بھی نہ ہوں، آخرت پر ایمان بھی نہ رکھتے ہوں، اور اپنی طرف بھیجے گئے نبی کی نبوت کو بھی صحیح طور پر نہ مانتے ہوں۔ قرآن مجید سورۂ مائدہ اور بقرہ میں یہودیوں کی اس تحریف و اختراعی فکر کی اس طرح نشاندہی فرمائی گئی ہے:

"انہوں نے گمان کیا کہ ان کو اس کی کوئی سزا نہیں ملے گی، سو وہ اندھے اور بہرے ہو گئے۔" (مائدہ:71)

"اور انہوں نے کہا گنتی کے چند دنوں کے سوا ان کو ہر گز آگ نہ چھوئے گی۔" (بقرہ:80)

یہودیوں کی اس تحریف و غلط فکر کا قرآن مجید نے اس طرح ردّ فرمایا ہے: "اے نبی ﷺ آپ فرما دیجیے! کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے لیا ہے جس کی اللہ ہر گز خلاف ورزی نہیں کرے گا یا تم اللہ کے متعلق وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔" (بقرہ:80)

علاوہ ازیں توریت اور عہد نامہ جدید و قدیم میں بھی کوئی ایسی عبارت موجود نہیں ہے جس سے ان کے مذکورہ بالا تصور و فکر کی تائید و تصدیق ہوتی ہو۔

☆ تخلیقِ کائنات کے عقیدے کے بارے میں یہودیوں نے تحریف کی اور کہا: "خداوند نے چھے دن میں آسمان، زمین، دریا اور سب کچھ جو ان میں ہے بنایا اور ساتویں دن آرام کیا اور تازہ دم ہوا۔" (کتاب خروج، 20:11)

ان کی اس تحریف کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "اور بیشک ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو چھے دن میں پیدا کیا اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی۔" (ق:38)

7.11 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- یہودیت اور اسلام دونوں سامی، الہامی اور آسمانی مذاہب ہیں اور دونوں کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے گہرا تعلق ہے۔ توحید و رسالت، ملائکہ، آسمانی کتب، حیات بعد الممات اور دیگر عقائد سے متعلق دونوں مذاہب میں کافی حد تک مماثلت و یکسانیت ہے۔
- دونوں مذاہب میں مختلف عبادات پائی جاتی ہیں۔ مثلاً: نماز، روزہ، صدقہ و خیرات اور قربانی وغیرہ۔ اور ان تمام عبادات سے متعلق دونوں مذاہب کی کافی مشترک تعلیمات ہیں۔ اخلاق و آداب بھی دین و مذہب کا ایک اہم حصّہ ہیں اور اس تعلق سے یہودیت اور اسلام کی تعلیمات میں حد درجہ اشتراک پایا جاتا ہے۔
- یہودی مذہب کی اپنی منفرد شریعت و فقہ ہے، جس کو تالمود یا بالاخاہ کہا جاتا ہے اور اسلام کی اپنی امتیازی شریعت ہے لیکن اس کے باوجود دونوں کی شریعت میں احکام اور حلال و حرام کے لحاظ سے بہت زیادہ مماثلت و مشابہت ہے۔
- ختنہ، نکاح، مہر، طلاق، موت، کفن اور دفن سے متعلق یہودی مذہب اور اسلام کا اپنا اپنا نظام و طریقہ ہے لیکن اس کے باوجود اس

تعلق سے دونوں مذاہب کی تعلیمات کافی مشترک و مماثل ہیں۔

- موجودہ توریت تحریف وترمیم سے محفوظ نہیں ہے۔توریت تقریباًسات بار گمشدگی اور بربادی کا شکار ہوئی ہے۔
- توریت کی تحریفات سے متعلق توریت اور قرآن میں کافی ثبوت ومثالیں موجود ہیں۔

7.12 نمونہ امتحانی سوالات

7.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. اسرائیل کس کالقب ہے؟

(a). حضرت ابراہیم (b). حضرت اسحاق (c). حضرت یعقوب (d). حضرت اسماعیل

2. یہودیوں کی عبادت گاہ کو کیا کہتے ہیں؟

(a). کلیسا (b). صومعہ (c). زاویہ (d). آتش کدہ

3. یہودیت میں سب سے بڑا نبی کس کو مانا جاتا ہے؟

(a). حضرت ابراہیم (b). حضرت موسیٰ (c). حضرت یعقوب (d). حضرت سلیمان

4. توریت کتنی بار برباد ہوئی؟

(a). چار (b). پانچ (c). چھے (d). سات

5. توریت میں کس طرح تحریف کی گئی؟

(a). لفظاً (b). معناً (c). عملاً (d). لفظاًومعناً

7.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. یہودیوں کو کن کن وقتوں کی نمازیں ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے؟
2. یوم السبت سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
3. توریت کی پانچ کتابوں کے نام بتایئے؟
4. توریت میں تحریف کی کوئی ایک مثال قرآن سے پیش کیجیے۔
5. توریت میں تحریف کی چند وجہیں لکھیے۔

7.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. یہودیت اور اسلام کے مشترکات سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟تفصیل سے بیان کیجیے۔

2. احکامِ عشرہ کیا کیا ہیں؟ تفصیل کے ساتھ تحریر کیجے۔
3. یہودی ربی و فلسفی موسیٰ بن میمون نے یہودیت کے کیا کیا 13/ بنیادی عقائد بیان کئے ہیں۔

7.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. قاموس الکتاب (لغاتِ بائبل) : الیف۔ ایس۔ خیر اللہ، مسیحی اشاعت خانہ، لاہور، 1993ء
2. مذاہبِ عالم کا تقابلی مطالعہ : پروفیسر غلام رسول چیمہ، غلام رسول اینڈ سنز، لاہور، 2016ء
3. یہودیت، عیسائیت اور اسلام : شیخ احمد دیدات،، عبداللہ اکیڈمی، لاہور، 2010ء
4. دائرہ معارف اسلامیہ : پنجاب یونیورسٹی لاہور
5. مذاہبِ عالم کا انسائیکلوپیڈیا : لیوس مور (مترجم) یاسر جواد، البلاغ پبلی کیشنز، دہلی

اکائی 8: پیغمبر عیسیٰ اور ان کی قوم

اکائی کے اجزا:

8.0 تمہید

8.1 مقاصد

8.2 حالات قبل از ولادت عیسیٰؑ

8.3 ولادتِ عیسیٰؑ

8.4 تبلیغ کا آغاز

8.5 مخالفت کی وجوہات

8.6 ولادتِ عیسیٰؑ قرآن کی نظر میں

8.7 معجزاتِ عیسوی

8.8 قومِ عیسیٰؑ

8.9 اکتسابی نتائج

8.10 نمونہ امتحانی سوالات

8.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

8.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

8.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

8.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

8.0 تمہید

اس اکائی میں پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے قبل بنی اسرائیل (یہود) کی سماجی، سیاسی اور دینی حالت زار، موجودہ اناجیل اور

قرآن کریم کی روشنی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت، تبلیغ دین، اناجیل اور قرآن میں بیان کردہ معجزاتِ مسیح، یہود کی مخالفت، اسبابِ مخالفت کو تفصیل سے قلم بند کیا گیا ہے۔

8.1 مقاصد

جب سے یہ کائنات وجود میں آئی ہے۔ تب سے انسان اور مذہب ساتھ ساتھ ہیں۔ ابتدا میں تمام انسانوں کا مذہب ایک تھا مگر جوں جوں انسانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا لوگ مذہب سے دور ہونے لگے، پھر خالق کائنات نے مختلف ادوار میں انسانوں کی رہنمائی کے لیے پیغمبر بھیجے لیکن پیغمبروں کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ان کے ماننے والوں نے ان کے پیغام پر عمل کرنے کی بجائے خود سے نئے دین اور مذاہب اختیار کر لیے اس طرح مذاہب کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ مذہب ایک ایسی چیز ہے جو کسی بھی شخص کو ایک مقصد بتا دیتا ہے کیوں کہ جو لوگ زندگی میں کچھ مقصد رکھتے ہیں وہ ضرور کسی نہ کسی مذہب کے تابع ہوتے ہیں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ انسانی زندگی میں مذہب کی کوئی اہمیت نہیں درحقیقت وہ مذہب کے مفہوم کو سمجھ نہیں پائے۔ آج دنیا گلوبل ویلیج کی شکل اختیار کر گئی ہے ایک مذہب کے پیروکار کو دوسرے مذہب کے پیروکار سے سابقہ پڑتا رہتا ہے، اس صورت میں ہمیں ایک دوسرے کے مذہب، عقائد اور تعلیمات کو جاننا ضروری ہو جاتا ہے، اس اکائی کا مقصد بھی عیسائی مذہب کے بانی حضرت عیسیٰؑ کے حالات، دین کی تبلیغ میں پیش آمدہ مشکلات، قوم کی مخالفت وغیرہ کو جاننا مقصود ہے۔

8.2 حالات قبل از ولادت عیسیٰؑ

سیدنا آدم علیہ السلام کے زمین پر نزول کے ساتھ ہی اللہ جل مجدہ نے انسانیت کی رہنمائی کے لئے انبیاء علیہ السلام کے سلسلہ کا آغاز فرمایا۔ انبیاء ورسل تشریف لاتے رہے اور آسمانی الوہی ہدایت کے نور سے بنی نوع انسان کو ہدایت ورہنمائی فراہم کرتے رہے۔ اللہ جل مجدہ نے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء مبعوث فرمائے۔ انبیاء علیہم السلام کے انہی تذکروں میں ایک خوبصورت تذکرہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان عظیم الشان اولوالعزم انبیاء کرام میں سے ہیں جن کا ذکر قرآن کریم نے بہ طور خاص کیا ہے اور جن کی تعلیمات کا بار بار حوالہ دیا ہے، قرآن مجید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت ورفعت کو اجاگر کرتا ہے۔ انسانی معاشرے میں جتنے بھی انبیاء مبعوث ہوئے ہیں ان سب نے لوگوں کو توحید خدا، اصلاح نفس اور اصلاح معاشرے وغیرہ کی دعوت دی ہے۔ کچھ لوگوں نے ان کی دعوت الہیہ پر لبیک کہا اور کچھ لوگوں نے ان کی مخالفت کی حتی کہ ان کے قتل کے درپے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے قوم بنی اسرائیل کی اصلاح کی خاطر مختلف ادوار میں انبیاء کرام کو بھیجا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں مبعوث ہونے والے آخری نبی تھے۔ آپ کی بعثت کے وقت بنی اسرائیل (یہود) اخلاقی، معاشرتی، سیاسی اور دینی نقطہ نظر سے پستی کا شکار تھی، ان کے علماء شکم پرست، مشائخ مادہ پرست اور عوام توہم پرست ہو چکے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے پیغام کے ساتھ ان کا تعلق برائے نام رہ گیا تھا۔ ان کی نافرمانیوں، بداعمالیوں اور قانون الٰہی کی علانیہ مخالفت کے باعث ان پر کئی مرتبہ عذاب خداوندی کا کوڑا برس چکا تھا۔ مگر انہوں نے اس سے کوئی سبق حاصل نہ کیا تھا۔

حضرت عیسی علیہ السلام کے مبعوث ہونے سے پہلے مذہبی طور پر یہودیت کے نام لیوا موجود تھے لیکن ان میں باہم اتفاق و اتحاد نام کی کوئی چیز موجود نہیں تھی اور وہ مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک گروہ اور جماعت صدوقی تھی اس کا یہ عقیدہ تھا کہ انسان کے اعمال نیک و بد کی سزا اسی دنیا میں مل جاتی ہے۔ قیامت، آخرت میں جزاء و سزا، حشر و نشر سب باتیں غلط اور بے بنیاد ہیں۔ دوسری جماعت فریسی کہلاتی تھی۔ اس جماعت کے لوگ قیامت، آخرت میں جزا و سزا، حشر و نشر وغیرہ کو حق سمجھتے تھے اور اللہ تعالی تک پہنچنے کے لیے یہ ضروری سمجھتے تھے کہ دنیا کی لذات سے کنارہ کشی اختیار کی جائے۔ چنانچہ وہ آبادیوں سے الگ خانقاہوں اور جھونپڑوں میں زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک وقت ایسا آیا جب کہ خانقاہیں اور جھونپڑیاں بدکاری کا اڈہ بن گئیں، وہاں ہر قسم کی بدکاری کا ارتکاب کیا جانے لگا۔ تیسرا گروہ کاہنوں کی جماعت کا تھا یہ لوگ مذہبی رسوم اور خدمت ہیکل بجالاتے تھے لیکن ان کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ انہوں نے مذہبی رسوم اور خدمت ہیکل کو تجارتی کاروبار بنالیا تھا۔ جب تک ہر ایک رسم اور خدمت ہیکل پر نذرانے وغیرہ نہ لے لیتے وہ کوئی قدم نہیں اٹھاتے تھے۔ تورات کے احکام میں اغراض نفسانی کی تکمیل کے لیے تحریف کرتے تھے۔ اپنی تصنیفات اور اجتہادات کو کتاب الہی کا درجہ دیتے تھے۔ اسی طرح حضرت عیسی علیہ السلام کی تشریف آوری سے قبل کچھ لوگ مذہب کے ٹھیکیدار بنے ہوئے تھے اور انہیں احبار کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، یہ لوگ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے میں بڑے ماہر تھے، اس لئے یہودیوں نے انہیں خوش ہو کر فقہاء یہود کے گرانقدر خطاب سے بھی نواز رکھا تھا۔ مذہب کی ٹھیکیداری کے ساتھ ساتھ جنت کی ٹھیکیداری بھی انہوں نے ہی سنبھال رکھی تھی، جسے چاہتے جنت کا ٹکٹ دیدیتے اور جسے چاہتے پروانہ جنت سے محروم کر دیتے۔

آپ کی بعثت سے قبل یہودیوں میں مشرکانہ رسوم و عقائد بھی موجود تھے اور غضب تو یہ ہے کہ چوری، جھوٹ، دھوکا، بغض و عناد اور کینہ و حسد کو اخلاقیات کا درجہ دے رکھا تھا، احبار و رہبان دنیاوی اغراض و مقاصد اور اپنے مفادات کی خاطر کتاب اللہ یعنی تورات میں تحریف کے مرتکب ہو رہے تھے، غرض یہ کہ ہر طرف بد نظمی، بد اخلاقی اور بد عقیدگی کا دور دورہ تھا اور مذہبی طور پر یہودی انتہائی پستی کا شکار ہو چکے تھے۔

سیاسی طور پر بھی اس وقت یہودی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکے تھے اور وہ سیاسی بحران سے گزر رہے تھے، چنانچہ 931 ق م میں یہودی سلطنت فلسطین میں زوال آگیا اور حضرت عیسی علیہ السلام کی آمد سے قبل اسکندر نے تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا جن میں ایران بھی شامل تھا، اس نے وہاں کے تمام آتش کدوں کو ختم کر دیا، یہودیوں پر زمین کو تنگ کر دیا اور ہیکل سلیمانی کو تباہ کر دیا۔ ہیکل سلیمانی کو جو بخت نصر کے بعد خسرو شاہ ایران کی اجازت سے از سر نو تعمیر ہوا تھا، انطاکیون پی فینس ملک شام کے یونانی بادشاہ نے پھر پیوند خاک کر دیا۔ مقدس صحیفوں کو جلا دیا اور یہودیوں کو مظالم کا تختہ مشق بنایا۔ اسرائیلیوں میں از سر نو جوش پیدا ہوا اور یہوداہ مکابی کی قیادت میں یہ مظالم اور مصائب کا دور ختم ہوا اور یونانیوں کو شکست دی۔ یہوداہ مکابی نے بیت المقدس کو از سر نو تعمیر کرایا، اور مقدس تصورات کو مرتب کرایا، تھوڑا ہی وقت گزرا کہ اس نے بھی رعایا پر ظلم و تشدد شروع کر دیا، اس کے بعد 63 ق م پومپی نے بیت المقدس کو فتح کیا مکابی کا دور بھی ختم ہو گیا۔ یہود پھر غیر قوم کی غلامی کی زنجیر میں جکڑ گئے۔ ایسے پر آشوب زمانہ میں یہود مسیح کے آنے کا شدت سے انتظار کرنے لگے جو انہیں غلامی اور جور و ستم

سے نجات دے کر ان کی قومی عزت کو بحال کرے اور ان کی معیشت و معاشرت کو سربلندی عطا کرے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ آنے والا اللہ کی خصوصی برکت کا حامل ہو گا۔ اسی لیے اسے "مسیح" عبرانی میں مسیحا آرامی زبان میں مشیحا اور یونانی میں کرائسٹس یا کرستس کہا گیا۔ عیسی علیہ السلام یہود کی اس مذہبی اور سیاسی ابتر حالت میں پیدا ہوئے۔ حضرت عیسی علیہ السلام کی بعثت سے متعلق متعدد انبیاء علیہم السلام نے پیش گوئیاں کی ہوئی تھیں ان بشارات کی وجہ سے یہود اس مسیح کے شدید منتظر تھے کہ وہ آکر ان کی کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ لوٹائے گا اور ان کے ایمان کی خشک کھیتی کو آب عرفان سے سرسبز کرے گا۔ کتاب استثناء میں ہے کہ "اور اس موسیٰ نے کہا کہ خداوند سیناسے آیا اور شعیر (ساعیر) سے ان پر طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑوں سے جلوہ گر ہوا"۔ اس پیشین گوئی میں سیناسے خدا کی آمد سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ہے، شعیر سے طلوع ہونا اس سے مراد عیسیٰؑ کی نبوت ہے۔

8.3 ولادتِ عیسیٰؑ

حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کا زمانہ، ابتدائی عمر، تبلیغ اور بزعم یہود مصلوب کیے جانے کے صحیح اور مستند واقعات کا علم نہ تو یہودیوں کی کتب سے ہوتا ہے اور نہ ہی اس زمانہ کی بت پرست اقوام کے نوشتے اس پر روشنی ڈالتے ہیں، مشہور مؤرخ کینن فیرر نے اپنی کتاب "لائف آف کرائسٹ" میں اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ مسیح کی تاریخ ولادت کا کہیں پتہ نہیں چلتا، انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کے مقالہ "یسوع مسیح" کے تحت لکھا ہے کہ " یہ بات واضح اور صاف ہے کہ حیات مسیح پر لکھنے کی کوشش ترک کر دی جائے۔ اس کے لیے مواد یقیناً موجود نہیں۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ ان کی زندگی کے ان دنوں کی تعداد 50 سے زیادہ نہیں، جن کے متعلق ہمارے پاس کچھ ریکارڈ موجود ہے"۔

عیسی کو عربی زبان میں عیسی اور مسیح، عبرانی زبان میں مسیحا کہتے ہیں عیسی کے معنی گناہ سے بچانے والا اور مسیح کے معنی نجات دینے والا، معاف کرنے والا، مسح یا مالش کیا ہوا ہے، اور یونانی زبان میں کرائسٹ کہا گیا ہے اس کے معنی نجات دینے والا ہے۔ آپ کا اصل نام یشوع یا یسوع عیسی تھا۔ مسیح آپ کا وضعی نام تھا اور ناصری آپ کا لقب تھا۔ نیز ابن مریم کنیت تھی۔ حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام (یعنی یسوع مسیح) کی پیدائش کا مقام بیت اللحم ہے، جو موجودہ دور کے فلسطین کے علاقے میں واقع ہے، بیت اللحم فلسطین کے مغربی کنارہ (West Bank) میں واقع ہے۔ یہ شہر یروشلم سے تقریباً 10 کلومیٹر جنوب میں واقع ہے۔ بیت اللحم عیسائیت میں ایک مقدس مقام کے طور پر جانا جاتا ہے کیونکہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا مقام ہے۔ یہاں موجود "چرچ آف نیٹوٹی" عیسائی دنیا کا ایک مشہور مذہبی مقام ہے جہاں زائرین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے مقام کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔ عیسائی ماخذ کے بیان کے مطابق یسوع مسیح کی پیدائش کچھ یوں ہوئی۔ متیٰ کی انجیل میں ہے۔

"اب یسوع مسیح کی پیدائش یوں ہوئی کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہو گئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئی تب اس کا شوہر یوسف نے جو راست باز تھا اور اسے رسوا کرنا نہیں چاہتا تھا ارادہ کیا کہ اسے چپکے سے چھوڑ دے،

وہ ان باتوں کی سوچ میں ہی تھا کہ دیکھو خداوند کے فرشتے نے اس پر خواب میں ظاہر ہو کر کہا اے یوسف دادو کے بیٹے اپنی بیوی مریم کو اپنے پاس لے آنے سے مت ڈر، کیونکہ جو اس کے اندر پیدا کیا گیا ہے وہ روح القدس سے ہے، اور اس سے بیٹا ہو گا، اور تو اس کا نام یسوع رکھنا، کیونکہ وہ اپنی امت کو ان کے گناہوں سے بچائے گا۔ یہ سب کچھ ہوا تا کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا پورا ہو کہ دیکھو کنواری حاملہ ہو گی اور اس سے بیٹا ہو گا اور اس کا نام عمانوئیل رکھیں گے جس کا ترجمہ ہے (خدا ہمارے ساتھ ہے)۔ تب یوسف نے نیند سے اٹھ کر ویسا ہی کیا جیسا خداوند کے فرشتے نے اس سے فرمایا تھا، اور اپنی بیوی کو اپنے پاس لے آیا اور اس کو نہ جانا جب تک کہ وہ بیٹا نہ جنی اور اس نے اس کا نام یسوع رکھا"۔

انجیل لوقا میں آپ کی ولادت کی تفصیلات کچھ یوں بیان کی گئی ہیں "جبرئیل فرشتہ خدا کی طرف سے جلیل کے ایک شہر میں بھیجا جس کا نام ناصرت تھا داؤد کے گھرانے کی ایک کنواری کے پاس جس کی منگنی یوسف نامی ایک مرد سے ہوئی تھی، اور اس کنواری کا نام مریم تھا، اور فرشتہ نے اس کے پاس اندر آ کر کہا: سلام اے پر فضل خداوند تیرے ساتھ ہے، تو عورتوں میں مبارک ہے، اور وہ اس کے کلام سے گھبرا گئی اور سوچنے لگی کہ یہ کیسا سلام ہے، اور فرشتے نے اس سے کہا اے مریم نہ ڈر کیوں کہ تو نے خدا کے نزدیک فضل پایا ہے اور دیکھ تو حاملہ ہو گئی اور تیرے بیٹا ہو گا اور تو اس کا نام یسوع رکھے گی وہ بڑا ہو گا اور حق تعالی کا بیٹا کہلائے گا، اور خداوند خدا اس کے باپ داؤد کا تخت اس کو دے گا، اور وہ یعقوب کے گھرانے میں ہمیشہ تک بادشاہی کرے گا اور اس کی بادشاہی کا آخر نہ ہو گا۔ تب مریم نے فرشتے سے کہا یہ کس طرح ہو گا جبکہ میں مرد سے ناواقف ہوں، اور فرشتہ نے جواب میں اس سے کہا روح القدس تجھ پر نازل ہو گا اور حق تعالی کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالے گی"۔

پیدائش کے آٹھویں دن یسوع کا نام فرشتے کی ہدایت کے مطابق یسوع رکھا گیا۔ لوقا کی انجیل میں ہے جب آٹھ دن پورے ہوئے اور اس کی ختنہ کا وقت قریب آیا تو اس کا نام یسوع رکھا گیا جو فرشتے نے اس کے رحم میں پڑنے سے پہلے رکھا تھا۔

انجیل متیٰ کے مطابق مشرق کے کچھ مجوسی یروشلم آئے اور انہوں نے معلوم کرنا شروع کیا کہ یہودیوں کا وہ بادشاہ کہاں ہے جو حال ہی میں پیدا ہوا ہے، ہم نے مشرق میں اس کے نام کا ستارہ دیکھا ہے اور ہم اسے سجدہ کرنے آئے ہیں۔ ہیرودیس بادشاہ وقت کو نجومیوں نے بتایا کہ مسیح پیدا ہو گیا وہ اس بچے کو قتل کے درپے ہو گیا کہ کہیں یہ اس کی بادشاہی ختم نہ کر دے، اس لئے "ایک فرشتہ نے یوسف کو خواب میں دکھائی دے کر کہا اٹھ بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر کو بھاگ جا اور وہاں رہ جب تک تجھے میں نہ کہوں کیونکہ ایسا ہو گا کہ ہیرودیس بچے کو ڈھونڈے گا تا کہ اسے ہلاک کرے، تب وہ اٹھ کر رات ہی کو بچہ اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر کو روانہ ہو گیا۔ ہیرودیس کے مرنے تک وہیں رہا تا کہ خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا پورا ہو کہ میں نے اپنے بیٹے کو مصر سے بلایا۔ ہیرودیس نے کاہنوں اور مجوسیوں (دانشوروں) کو یوسف کی تلاش میں بھیجا، انہوں نے یوسف کی تلاش کرنے کے بعد اس کی اطلاع بادشاہ کو نہ دی بلکہ اسے چکر دیئے اپنے گھروں میں روپوش ہو گئے۔ اس پر ہیرودیس نے دیکھا کہ مجوسیوں نے میرے ساتھ مذاق کیا تو اس پر بہت غصہ ہوا اور آدمی بھیج کر بیت لحم اور اس کی تمام سرحدوں کے اندر ان تمام لڑکوں کو قتل کروادیا جو دو دو برس یا اس سے چھوٹے تھے، اس وقت کے حساب سے جو اس نے

مجوسیوں سے دریافت کیا تھا۔ ہیرودیس کے مرنے پر یوسف اور مریم یسوع کو اپنے شہر ناصرت لے آئے، یہ شہر یروشلم سے ستر میل شمال کی طرف ہے۔ یسوع مسیح کی زندگی کی 30 سال اس مقام پر گزرے ہیں ناصرت کو واپسی کا ذکر مقدس متیٰ میں اس طرح آیا ہے۔ ”جب ہیرودیس مر گیا تو دیکھو خداوند کے ایک فرشتے نے مصر میں یوسف کو خواب میں دکھائی دے کر کہا اٹھ بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر اسرائیل کے ملک میں جا کیونکہ جو بچے کی جان کے خواہاں تھے وہ مر گئے ہیں، تب وہ اٹھا بچے اور اس کی ماں کو لے اسرائیل کے ملک میں آیا مگر جب سنا کہ کیلاؤس اپنے باپ کے ہیرودیس کی جگہ یہودیہ میں بادشاہی کرتا ہے تو وہاں جانے سے ڈرا اور خواب میں آگاہی پا کر جلیل کے علاقے کو روانہ ہو گیا اور ناصرت نامی ایک شہر میں جا بسا تا کہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا وہ پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائے گا“۔

آپ کے بچپن اور جوانی کے حالات سے تمام عیسائی کتب خاموش نظر آتی ہیں البتہ یہ ملتا ہے کہ بارہ برس کی عمر میں آپ کو یروشلم لیجایا گیا۔ لوقا میں درج ہے کہ ” اس کے والدین ہر سال عید فسیح پر یروشلم کو جایا کرتے تھے اور جب وہ بارہ برس کا ہو گیا تو وہ عید کے دستور کے مطابق یروشلم کو گئے، اور جب ان دنوں کو پورا کر کے لوٹے تو لڑکا یسوع یروشلم میں رہ گیا مگر اس کے ماں باپ کو خبر نہ تھی بلکہ وہ یہ سمجھ کر کہ وہ قافلے میں ہے ایک منزل آگے نکل گئے اور اسے اپنے رشتے داروں اور جاننے والوں میں ڈھونڈنے لگے اور نہ پا کر اس کی تلاش میں یروشلم کو واپس گئے، اور انہوں نے تین روز کے بعد اسے ہیکل میں استادوں کے درمیان بیٹھا ان کی سنتے اور ان سے سوال کرتے پایا۔ اور جتنے اس کی سن رہے تھے اس کی سمجھ اور اس کے جوابوں سے متعجب تھے اور وہ اسے دیکھ کر حیران ہوئے اور اس کی ماں نے اس سے کہا بیٹا تو نے ہم سے ایسا کیوں کیا؟ دیکھ تیرا باپ اور میں کڑھتے ہوئے تجھے ڈھونڈتے تھے۔ اس نے ان سے کہا تم مجھے کیوں ڈھونڈتے تھے کیا تمہیں یہ خیال نہ تھا کہ وہ ضرور اپنے باپ کے گھر میں ہو گا۔ مگر جو بات اس نے ان سے کہی وہ اس کو نہ سمجھے۔ تب وہ ان کے ساتھ روانہ ہو کر ناصرت میں آیا اور ان کے تابع رہا، اور اس کی ماں نے یہ سب باتیں اپنے دل میں رکھیں اور یسوع حکمت اور قدو قامت میں خدا اور آدمیوں کی مقبولیت میں ترقی کرتا گیا“۔

8.4 تبلیغ کا آغاز

جب حضرت مسیح علیہ السلام تیس سال کے ہوئے تو انہوں نے یوحنا سے بپتسمہ لیا۔ یوحنا ایک نبی اور یسوع کے رشتہ کا بھائی تھا، جو لوگوں کی اخلاقی پستی اور مذہبی بے راہ روی کی وجہ سے ہر وقت متفکر رہتا تھا اور ان کو گناہوں کی زندگی ترک کر کے نیک اور پاکیزہ زندگی اختیار کرنے کی تلقین کرتا تھا اور گناہوں کی معافی کے لیے توبہ کے بپتسمے کی ترغیب دیتا تھا۔ جب یسوع یوحنا سے بپتسمہ لے چکا تو اناجیل کے بیان کے مطابق آسمان کھل گیا اور روح القدس کبوتر کی شکل میں اس پر آ ٹھہرا اور آسمان سے یہ آواز آئی: یہ میرا پیارا بیٹا ہے۔ جس سے میں خوش ہوں۔ تبلیغ شروع کرنے سے پیشتر یسوع بیابان میں عبادت اور روزے رکھنے کے لیے تنہا رہتا تھا، شیطان نے مختلف طریقے سے یسوع کو آزمایا، آپ کی استقامت قائم رہی اور اس موقع پر بھی توحید کا درس دیا۔ اس آزمائش کا ذکر متیٰ اور لوقا نے قدرے تفصیل سے کیا ہے جبکہ مرقس میں سرسری طور پر بیان ہوا ہے، ابلیس نے دوسری آزمائشوں کے علاوہ اسے دنیا کی ساری حکومتیں دکھائیں اور کہا اگر تو میرے قدموں پر گر کر مجھے سجدہ کر لے تو یہ سب اور ان کی ساری شان و شوکت تجھے بخش دوں گا۔ یسوع نے کہا اے شیطان دور ہو، کیونکہ کلام میں

لکھا ہے تو خداوند اپنے خدا ہی کو سجدہ کر اور اسی کی پرستش کر۔

یسوع نے جب گلیل میں تبلیغ شروع کی تو یہود کے علماء نے ان کی مخالفت کی۔ لہذا آپ کو ناصرہ کے علاوہ اسی علاقہ کا ایک دوسرا شہر کفر نحوم آپ کی سرگرمیوں کا مرکز بنا اور یہاں آپ نے اپنا مشن جاری رکھا، اور یسوع کے پیغام کو اسرائیل کے بارہ قبائل تک پہنچانے کیلئے بارہ رسول مقرر کیے، جو آپ کے خاص شاگرد تھے جن کو حواری کہا جاتا ہے۔ آپ نے جس مذہب کی تبلیغ کی وہ کوئی نیا مذہب نہیں تھا بلکہ وہ دین موسوی کی ہی اصل روح تھی جسے علماء یہود نے مسخ کر دیا تھا۔ جب یسوع کفر نحوم پہنچے اور وہاں لوگوں کو خدا کے احکام کی طرف بلایا تو ان لوگوں نے آپ کو مسیح موعود مان کر ایمان قبول کیا۔ چنانچہ یہیں پر آپ نے وہ پہاڑی وعظ جو مذہب عیسوی کی روح ہے دیا۔ جو متیٰ کی انجیل میں کچھ یوں ہے۔

"مبارک ہیں وہ جن کی روح ضرورت مند ہے کیونکہ آسمان کی بادشاہی انہیں کی ہے۔ مبارک ہیں وہ جو ماتم کرتے ہیں کیونکہ انہیں تسلی دی جائے گی۔ مبارک ہیں وہ جو حلیم ہیں کیونکہ وہ زمین ورثہ میں پائیں گے۔ مبارک ہیں وہ جنھیں راست بازی کی بھوک اور پیاس ہے کیونکہ وہ سیر ہو جائیں گے۔ مبارک ہیں وہ جو رحم دل ہیں کیونکہ ان پر رحم کیا جائے گا۔ مبارک ہیں وہ جو خاص دل ہیں کیونکہ وہ اللہ کو دیکھیں گے۔ مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کے فرزند کہلائیں گے۔ مبارک ہیں وہ جن کو راست باز ہونے کے سبب سے ستایا جاتا ہے، کیونکہ انہیں آسمان کی بادشاہی ورثہ میں ملے گی۔ مبارک ہو تم جب لوگ میری وجہ سے تمھیں لعن طعن کرتے، تمہیں ستاتے اور تمھارے بارے میں ہر قسم کی بری اور جھوٹی بات کرتے ہیں۔ خوشی مناؤ اور باغ باغ ہو جاؤ، تم کو آسمان پر بڑا اجر ملے گا۔ کیونکہ اس طرح انہوں نے تم سے پہلے نبیوں کو بھی ایذا پہنچائی تھی"۔

جوں جوں مسیح نے اپنے کاموں میں تیزی دکھائی یہودی رہنما اور فریسی ان کے مخالف ہوتے گئے آپ ان کو سمجھاتے خدائی تعلیم سے آگاہ فرماتے لیکن وہ آپ کے دشمن ہوتے چلے گئے۔

8.5 مخالفت کی وجوہات

یہودیوں کا یہ اعتراض تھا کہ حضرت عیسی علیہ السلام سبت کی بے حرمتیٰ کے مرتکب ہو رہے ہیں اس لئے ان کی مخالفت کرنا ہمارے لئے ضروری ہے، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ سبت ابن آدم کیلئے، ہے نہ کہ ابن آدم سبت کیلئے اس بات پر یہودی ان کے مخالف ہو گئے۔ یہودیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یہ بھی الزام تھا کہ وہ ہمارے مقدس شہر یروشلم کی تباہی کیلئے بد دعائیں کرتے ہیں اس لئے یہ ہمارے دوست نہیں ہو سکتے۔ حضرت عیسی علیہ السلام نے یہود کو سخت اور درشت کلام سے مخاطب کیا، جس وجہ سے ان کی آتش غضب بھڑک اٹھی۔ آپ نے فرمایا: اے ریاکار و فقیہو اور فریسیو! تم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہو۔ اے سانپو! اے افعی کے بچو! تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے۔ یہود کو یہ بھی اعتراض تھا کہ یسوع کے شاگرد بغیر ہاتھ دھوئے کھانا کھانے لگ جاتے ہیں۔ حضرت عیسی علیہ السلام کی ذات گرامی پر یہ بہتان بھی باندھا گیا کہ یسوع اپنے تئیں خدا کا بیٹا کہلواتا ہے جس کا غلط ہونا ہمارے نزدیک یقینی

بات ہے، اس لئے ان کی پیغمبری کا دعوی تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ یہود نے یہ پراپیگنڈہ شروع کر دیا کہ یسوع داؤد کے تخت کا وارث ہونے کا دعوی کرتا ہے۔ اس وجہ سے وہ رومی حکومت کے اندر ایک ایسی حکومت قائم کرے گا جو رومی حکومت کا تختہ الٹ دے گی۔ فریسی غیر یہودیوں اور غریب اور نچلے طبقہ کے لوگوں سے میل جول رکھنے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ حضرت عیسی علیہ السلام کا پیغام ہی مودت اور اخوت کا تھا۔ اس وجہ سے فریسی عیسی علیہ السلام کے شدید مخالف ہو گئے۔

یہود نے خدا کا بیٹا کہلانے اور نئی حکومت قائم کرنے کے متعلق خوب پروپیگنڈا کیا اور حکومت کو یسوع کے خلاف اکسایا اور کہا کہ ایک تو یہ شخص اپنے تئیں خدا اور خدا کا بیٹا کہلاتا ہے اور دوسرا اپنی ایک نئی حکومت قائم کر کے رومی حکومت کا تختہ الٹنا چاہتا ہے۔ فریسیوں اور احبار کے اصرار اور آپ کے ایک شاگرد یہوداہ اسکریوتی کی مخبری کے نتیجے میں گورنمنٹ نے یسوع مسیح کو پلاطوس کی کچہری میں ملزم بنا کر کو گرفتار کر لیا اور مقدمہ چلا کر صلیب کی سزا تجویز کی گئی۔ عیسائی ماخذ کے بیان کی رو سے یسوع مسیح کو صلیب پر چڑھایا گیا اور صلیب پر ہی انہوں نے جان دی۔ دفن کے تیسرے دن بعد زندہ ہوئے اور آسمان پر چڑھے، اور اب وہ اپنے باپ کے دائیں طرف بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور ان کی صلیبی موت ہمارے گناہوں کا کفارہ ہے۔

8.6 ولادتِ عیسیٰؑ قرآن کی نظر میں

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر مختلف وجوہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے، لیکن سورہ مریم آیت پندرہ تا چھتیس تک تفصیل سے عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ بن باپ کی ولادت کو بیان گیا ہے، ارشاد خداوندی ہے " اے نبی! اس کتاب میں مریم کا ذکر بھی کیجئے کہ جب وہ اپنے گھر والوں سے جدا ہو کر مشرق کی طرف چلی گئی اور لوگوں سے پردہ کر لیا تو ہم نے ان کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا جو ان کے سامنے انسانی شکل میں ظاہر ہوا، اسے دیکھ کر مریم نے کہا کہ اگر تو متقی ہے تو میں تجھ سے اللہ کی پناہ میں آتی ہوں۔ فرشتہ بولا کہ میں تو آپ کے رب کا فرستادہ ہوں تا کہ آپ کو ایک پاکیزہ فرزند عطا کروں۔ مریم نے کہا مجھے تو کسی بشر نے آج تک چھوا تک نہیں ہے، میرے یہاں لڑکا کیسے پیدا ہو گا اور نہ ہی میں بدکار ہوں۔ فرشتے نے جواب دیا کہ آپ کے رب نے یہی فرمایا ہے کہ وہ مجھ پر آسان ہے اور ہم اسے لوگوں کیلئے اپنی قدرت کی ایک نشانی اور رحمت کا ذریعہ بنائیں گے اور یہ کام ہو کر رہے گا۔

پھر مریم اس بچے سے حاملہ ہو گئیں اور اسے لیکر دور چلی گئیں، پھر دردزہ کھجور کی طرف لے آیا اور وہ کہنے لگیں: اے کاش! میں اس واقعہ سے پہلے مر چکی ہوتی۔ اور ایک بھولی بسری داستان بن چکی ہوتی۔ اسی وقت نیچے سے فرشتے کی آواز آئی کہ اے مریم! غمزدہ مت ہو، اللہ نے تیرے لیے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے اور کھجور کی شاخ کو پکڑ کر ہلاؤ، اس سے تمہارے لیے تازہ کھجوریں جھڑ پڑیں گی۔ انہیں خوب کھاؤ اور پیو اور اپنی آنکھیں اس نور نظر سے ٹھنڈی رکھو۔ اور اگر کوئی آدمی دکھائی دے تو اس سے صرف اتنا ہی کہنا کہ میں نے آج کے دن اللہ کیلئے نہ بولنے کی منت مانی ہے، اس لیے میں آج کسی انسان سے بات نہیں کر سکتی۔ اس کے بعد جب مریم اس بچے کو اٹھائے اپنی قوم کے پاس آئیں تو قوم کہنے لگی کہ اے مریم یہ تو نے کیا کیا۔ اے ہارون کی بہن! تیرا باپ بدکار تھا اور نہ ہی تیری ماں بدکار تھی۔ یہ سن کر مریم نے

اپنی گود میں موجود بچے کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے پوچھ لو، وہ کہنے لگے کہ گہوراہ میں پڑے ہوئے اس بچے سے ہم کیا پوچھیں، اتنے میں وہ بچہ بول پڑا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب عطا کی مجھے برکت والا بنایا ہے اور ہمیشہ نماز اور زکوۃ کی ادائیگی کا حکم دیا ہے اور مجھے اپنی ماں سے اچھا سلوک کرنے والا بنایا ہے۔ ظالم اور بدبخت نہیں بنایا ہے"۔

8.7 معجزاتِ عیسوی

اعلانِ نبوت کے بعد نبی سے ایسا عجیب و غریب کام ظاہر ہو جو عادتاً ممکن نہیں ہو وہ " معجزہ " کہلاتا ہے۔ اناجیل اربعہ میں معجزات مسیح کا ذکر بہت ہی تفصیل سے ملتا ہے۔ ان کتابوں کے درمیانی ابواب تو اسی موضوع پر مشتمل ہیں۔ جب اناجیل کا قاری ان ابواب پر پہنچتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اناجیل صرف معجزوں کی کتب ہیں اور یہ معجزہ نامہ نظر آنے لگتی ہے۔ سیدنا مسیح کے معجزات کی نوعیت مختلف ہے۔ آپ نے مردوں کو زندہ کیا۔ اندھوں کو بینا کیا۔ کوڑھ کے مریضوں کا علاج کیا۔ لنگڑے لولے گونگے اور پانچ مفلوج آپ کے ہاتھوں ٹھیک ہوئے۔ آپ نے انسانوں سے بدروحوں کو نکالا۔ کھانے میں برکت دی۔ چند آدمیوں کا کھانا ہزاروں نے کھایا۔ آپ کو جن معجزات سے نوازا گیا ان میں چند کی تائید قرآن کریم سے بھی ہوتی ہے۔

1. کوڑھ سے شفا

آپ کا ایک معجزہ جو وقت کی مناسبت سے تھا کیونکہ اس دور میں طب کا علم عروج پر تھا تو آپ اپنے معجزہ سے کوڑھ کے مریضوں کو شفا بخشی۔ ایک کوڑھی نے آپ سے درخواست کی کہ مجھے اس بیماری سے نجات دلائیں "جب وہ پہاڑ سے اترا تو بڑا ابھاری ہجوم اس کے پیچھے ہو لیا اور دیکھو ایک کوڑھی نے آکر اسے سجدہ کیا اور کہا اے خداوند اگر تو چاہے تو مجھے پاک صاف کر سکتا ہے تو اس نے اسے ہاتھ بڑھا کر چھوا اور کہا میں چاہتا ہوں کہ تو پاک صاف ہو جا فوراً اس کا کوڑھ جاتا رہا۔

2. مٹی سے پرندے بنا کر زندہ کرنا

بنی اسرائیل کی فرمائش پر آپ نے مٹی سے پرندے بنا کر ان کو زندہ کیا جس کی تائید قرآن کریم بھی کرتا ہے۔ ارشاد باری ہے ترجمہ: میں چکنی مٹی سے پرندے کی شکل بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔

3. اندھوں کی بینائی لوٹانا

انجیل متیٰ میں ہے "جب عیسیٰؑ وہاں سے روانہ ہوا تو اندھے اس کے پیچھے چل کر چلانے لگے ابن داؤد ہم پر رحم کریں۔ جب عیسیٰؑ کسی کے گھر میں داخل ہوا تو وہ اس کے پاس آئے، عیسیٰؑ نے ان سے پوچھا کیا تمہارا ایمان ہے کہ میں یہ کر سکتا ہوں، انہوں نے جواب دیا، جی خداوند۔ پھر اس نے ان کی آنکھیں چھو کر کہا تمہارے ساتھ تمہارے ایمان کے مطابق ہو جائے، ان کی آنکھیں بحال ہو گئیں"۔ قرآن مجید میں اس کی تائید میں ارشاد ہے۔

ترجمہ: اور میں اللہ کے حکم سے پیدائشی اندھے اور کوڑھی کو تندرست کر دیتا ہوں اور مردے کو زندہ کرتا ہوں۔

4. مردوں کو زندہ کرنا

انجیل لوقا میں ہے کہ حضرت عیسیٰ ایک بڑے ہجوم کے ساتھ نائن شہر کی طرف جارہے تھے تو شہر کے قریب ایک جنازہ نکلا جو گھر میں اکلوتا تھا اور اس کی ماں بیوہ تھی، آپ نے اس کو زندہ کر دیا۔ انجیل لوقا میں ہے " :اسے دیکھ کر خداوند کو اس پر بڑا ترس آیا، اس نے اس سے کہا مت رو۔ پھر وہ جنازہ کے پاس گیا اور اس کو چھوا، اسے اٹھانے والے رک گئے تو عیسیٰ نے کہا: اے نوجوان میں تجھے کہتا ہوں کہ اٹھ، مردہ اٹھ بیٹھا اور بولنے لگا۔

عیسیٰ نے اسے اس کی ماں کے سپرد کر دیا قرآن مجید میں ارشاد ہے ترجمہ: اور میں مردوں کو اللہ کے حکم سے زندہ کر دیتا ہوں۔

اس کے علاوہ عیسیٰؑ مسیح کو بہت سے مزید معجزات سے نوازا گیا تھا جن کا ذکر اناجیل اربعہ میں بالتفصیل ملتا ہے۔

8.8 قومِ عیسیٰؑ

حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام بنی اسرائیل سلسلے کے آخری نبی اور پیغمبر ہیں آپ کو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کیا گیا تھا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے۔ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا۔ اسرائیل کے معنی ہیں عبد اللہ یا خدا کا بندہ۔ بنی اسرائیل ان کے قبیلہ کو کہا جاتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام تھے جو مصر کے بادشاہ بنے ۔ بنی اسرائیل میں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر میں پیدا ہوئے۔ ان کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام صحرائے سینائی کے علاقہ میں پیدا ہوئے جو بعد میں فلسطین چلے گئے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی میں خود ان کے پیروکار بھی مسیحی نہ کہلائے تھے، وہ صرف یہود سے تھے، یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ اصلاح شدہ یہودی تھے جنہیں یسوع مسیح نے یہ کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ انجیل متیٰ میں ہے۔ "یہ نہ سمجھو کہ مَیں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پُورا کرنے آیا ہوں۔ کیوں کہ مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پُورا نہ ہو جائے، پس جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا اور یہی لوگوں کو سکھائے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں سب سے چھوٹا کہلائے گا لیکن جو ان پر عمل کرے گا اور ان کی تعلیم دے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں بڑا کہلائے گا"۔ اس سے معلوم ہے کہ آپ کو بنی اسرائیل کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ انجیل متیٰ میں ایک دوسرے مقام پر ہے کہ "میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا اور یہ کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا"۔

8.9 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- اللہ تعالیٰ نے قوم بنی اسرائیل کی اصلاح کی خاطر مختلف ادوار میں انبیاء کرام کو بھیجا حضرت عیسیٰ علیہ السّلام بنی اسرائیل میں مبعوث ہونے والے آخری نبی تھے۔
- عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے وقت بنی اسرائیل مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے تھے۔
- یہودی احبار و رہبان دنیاوی اغراض و مقاصد اور اپنے مفادات کی خاطر کتاب اللہ یعنی تورات میں تحریف کے مرتکب ہو رہے تھے۔
- آپ کا اصل نام یشوع یا یسوع عیسی تھا۔ مسیح آپ کا وضعی نام تھا اور ناصری آپ کا لقب تھا۔ نیز ابن مریم کنیت تھی۔
- حضرت مسیح علیہ السلام تیس سال کے ہوئے تو انہوں نے یوحنا سے بپتسمہ لیا۔
- گلیل میں یہود نے یسوع کی مخالفت کی جس کے سبب آپ نے کفر نحوم کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔
- سورہ مریم میں حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔
- حضرت عیسیٰؑ کی ذات گرامی پر یہ بہتان باندھا گیا کہ آپؑ خود کو اللہ کا بیٹا کہلواتے تھے۔
- عیسائی ماخذ کے بیان کی رو سے یسوع مسیح کو صلیب پر چڑھایا گیا اور صلیب پر ہی انہوں نے جان دی۔ دفن کے تیسرے دن بعد زندہ ہوئے اور آسمان پر چڑھے، اور اب وہ اپنے باپ کے دائیں طرف بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور ان کی صلیبی موت ہمارے گناہوں کا کفارہ ہے۔
- آپ نے جس مذہب کی تبلیغ کی وہ کوئی نیا مذہب نہیں تھا بلکہ وہ دین موسوی کی ہی اصل روح تھی جسے علماء یہود نے مسخ کر دیا تھا۔

8.10 نمونہ امتحانی سوالات

8.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. مسیح کے کیا معنیٰ ہے؟

(a). نجات دینے والا (b). سزا دینے والا (c). پیدا کرنے والا (d). دکھ دینے والا

2. حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کس مقام پر ہوئی؟

(a). شام (b). بغداد (c). مصر (d). بیت اللحم

3. حضرت عیسیٰؑ کا نام یسوع ولادت کے کتنے دن بعد رکھا گیا؟

(a). دس دن بعد (b). بیس دن بعد (c). نو دن بعد (d). آٹھ دن بعد

4. عیسیٰؑ نے یوحنا سے بپتسمہ لیا اس وقت آپ کی عمر کتنی تھی؟

(a). چالیس سال (b). تیس سال (c). بیس سال (d). پچیس سال

5. قرآن کی کس سورت میں عیسی کی ولادت کا ذکر تفصیل سے آیا ہے؟

(a). آل عمران (b). مریم (c). مائدہ (d). نساء

6. عمانوئیل کا کیا مطلب ہے؟

(a). اہل خانہ ہمارے ساتھ ہیں (b). فرشتے ہمارے ساتھ ہیں

(c). خدا ہمارے ساتھ ہے (d). عوام ہمارے ساتھ ہے

7. عیسیٰ کی پیدائش کے وقت بادشاہ کون تھا؟

(a). اسکندر (b). بخت نصر (c). ہیرودیس (d). خسرو

8. عیسیٰ یسوع کے بچپن اور جوانی کے حالات کس انجیل میں ہیں؟

(a). انجیل مرقس (b). انجیل متی (c). انجیل لوقا (d). انجیل یوحنا

9. عیسیٰ کو کس عمر میں یروشلم لیجایا گیا تھا؟

10.(a) 12.(b) 11.(c) 9.(d)

10. اسرائیل کس نبی کا لقب ہے؟

(a). اسماعیلؑ (b). اسحاقؑ (c). یوسفؑ (d). عیسیٰؑ

8.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. حضرت عیسیٰؑ کی ولادت سے قبل یہود کے سیاسی حالات پر ایک مختصر نوٹ تحریر کیجیے۔
2. یہود کے حضرت عیسیٰؑ کی مخالفت کے اسباب بیان کیجیے۔
3. قرآن نے حضرت عیسیٰؑ کے جن معجزات کی تائید کی ہے ان کو قلمبند کیجیے۔
4. حضرت عیسیٰؑ کی قوم پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔
5. حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے قبل یہود کی مذہبی صورتحال پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

8.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. اناجیل کی روشنی میں ولادت عیسیٰؑ کو قلمبند کیجیے۔
2. قرآن کی روشنی میں حضرت عیسیٰؑ کی ولادت تحریر کیجیے۔
3. تبلیغ عیسیٰؑ کو تفصیل سے لکھیے۔

8.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

.1	کتاب مقدس (بائیبل)	:	اردو ترجمہ
.2	مذاہب عالم	:	احمد عبداللہ
.3	اسلام، عیسائیت اور یہودیت	:	شیخ احمد دیدات
.4	دنیا کے بڑے مذاہب	:	عماد الحسن آزاد فاروقی
.5	مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ	:	پروفیسر غلام رسول چیمہ
.6	عیسائیت تجزیہ و مطالعہ	:	پروفیسر ساجد میر

اکائی 9: انجیل

اکائی کے اجزا:

9.0 تمہید

9.1 مقاصد

9.2 انجیل کا معنیٰ

9.3 موجودہ اناجیل پر اتفاق

9.4 انجیل متی: تعارف

9.4.1 موضوع اور مرکزی پیغام

9.4.2 متفرق مضامین

9.5 انجیل مرقس: تعارف

9.5.1 موضوع اور مرکزی پیغام

9.5.2 متفرق مضامین

9.6 انجیل لوقا: تعارف

9.6.1 موضوع اور مرکزی پیغام

9.6.2 متفرق مضامین

9.7 انجیل یوحنا: تعارف

9.7.1 موضوع اور مرکزی پیغام

9.7.2 متفرق مضامین

9.8 انجیل برناباس

9.8.1 موضوع

9.9 اکتسابی نتائج
9.10 نمونہ امتحانی سوالات
9.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
9.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
9.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
9.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

9.0 تمہید

مسیحی مذہب کی بنیاد چار اناجیل پر قائم ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات، تعلیمات اور پیغامات کو بیان کرتی ہیں۔ یہ اناجیل نہ صرف مذہبی اہمیت کی حامل ہیں بلکہ اخلاقی و روحانی تربیت کے لیے بھی اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اس اکائی میں ان چاروں اناجیل اور انجیل برناباس کا تعارف اور تفصیلی جائزہ پیش کیا جائے گا۔

9.1 مقاصد

چار اناجیل مسیحی مذہب کی مرکزی کتابوں میں شامل ہیں، جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی، ان کے معجزات، تعلیمات اور ان کے پیغام کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ اناجیل، جو کہ متی، مرقس، لوقا، اور یوحنا کے نام سے معروف ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت اور ان کے الٰہی مشن کا تفصیلی بیان پیش کرتی ہیں۔ ان کا مطالعہ عیسائیت کی بنیادوں کو سمجھنے کے لیے نہایت ضروری ہے، کیونکہ یہ نہ صرف مذہبی بلکہ تاریخی اور ثقافتی اہمیت بھی رکھتی ہیں۔ اس اکائی کا مقصد طلبہ کو چار اناجیل کا تعارف فراہم کرنا ہے تاکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی، تعلیمات اور پیغام کو بہتر طور پر سمجھ سکیں۔ ان اناجیل میں موجود مختلف پہلوؤں کا مطالعہ کرنے سے طلبہ عیسائیت کی بنیادیات اور اس کی روحانیت کا گہرا ادراک حاصل کریں گے۔ ساتھ ہی اس اکائی میں انجیل برناباس کا تعارف بھی شامل ہے جو کہ روایتی اناجیل سے مختلف نظریات پیش کرتی ہے۔ اس انجیل کا مطالعہ طلبہ کو مسیحی تاریخ اور مختلف نظریات کی تفہیم میں مدد فراہم کرے گا، اور انہیں بین المذاہب مکالمے کے لیے تیار کرے گا۔

9.2 انجیل کا معنیٰ

انجیل کا لفظ مسلمانوں کے نزدیک چار آسمانی کتب میں سے اس کتاب پر بولا جاتا ہے جو قرآن مجید میں بیان کردہ کتابوں میں تورات اور زبور کے بعد تیسری کتاب ہے۔ یہ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہونے والے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ یہ یونانی لفظ

Luangelion کا معرب ہے۔ اس کا لفظی ترجمہ ہے: ''خوش خبری''۔ یہ لفظ غالباً براستہ حبش (ایتھوپیا) عربی میں داخل ہوا کیوں کہ یمن میں اہل حبش کی ایک مسیحی جماعت رہتی تھی۔ نئے عہد نامہ میں اس لفظ کا مفہوم خوشخبری ہے اور کسی بھی آیت میں اس کا مطلب کتاب "یا" صحیفہ نہیں ہے۔ 150 عیسوی کے بعد ہی اس لفظ کو کتاب (عہد نامہ) کے لیے استعمال کیا جانے لگا تھا۔

9.3 موجودہ اناجیل پر اتفاق

حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد ہی جعل سازی، فریب کاری اور جعلی تصانیف کا بازار گرم ہو گیا تھا۔ پولوس کے تھسلنیکیوں کے نام دوسرے خط کے باب 2 آیت 2 میں ہے کہ تم اس خیال سے کہ مسیح کا دن آ پہنچا ہے جلد اپنے دل کی ڈھارس مت کھو اور نہ گھبراؤ۔ نہ کسی روح، نہ کسی کلام، نہ کسی خط سے یہ سوچ کر کہ وہ ہماری طرف سے ہے کوئی تمھیں کسی طرف سے فریب نہ دے۔ اس سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ پولوس کے زمانہ میں ہی جعلی خطوط کا سلسلہ جاری ہو گیا تھا نہ صرف جعلی مصنف بلکہ مسیح ہونے کا بہتوں نے دعوی کیا تھا۔ چنانچہ یوسف مورخ کتنوں کا ذکر کرتا ہے۔ وہ یوں لکھتا ہے کہ ملک جادوگروں اور دغابازوں سے بھر گیا۔ جنھوں نے بہتوں کو ورغلایا اور بیابان میں لے گئے تا کہ اپنی کرامتیں دکھلائیں، جھوٹے مدعیان رسالت کے علاوہ دیندار عیسائیوں نے دین کے معاملات میں کذب بیانی کا شیوہ اختیار کر لیا تھا۔ اس بات کی تائید پولوس کی تحریر سے ملتی ہے۔ رومیوں کے نام ایک خط میں ہے کہ پھر اگر میرے جھوٹ کے سبب خدا کی سچائی اس کے جلال کے لیے زیادہ ظاہر ہوئی تو مجھ پر کیوں گنہ گار کی طرح حکم ہوتا ہے اور ہم کیوں برائی نہ کریں تا کہ بھلائی نکلے۔ چنانچہ یہ تہمت ہم پر لگائی بھی جاتی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ عیسائی فرقوں میں اضافہ اور اختلاف ہوتا گیا اور ہر ایک فرقے نے اپنی اپنی الگ الگ انجیل مرتب کی ہوئی تھی جس کی تعداد مورخین نے چونتیس بتلائی ہے۔ جب سے فرقوں کے اصولی اختلاف اور انتشار کی وجہ سے جعلی اناجیل نویسی کا رواج عام ہو گیا تو 325ء میں قسطنطین اعظم نے 300 پادریوں کی ایک کونسل بلائی (نیقیہ کونسل) تا کہ وہ اصل انجیل اور حضرت عیسی علیہ السلام کے صحیح عقائد کا فیصلہ کرے۔ چنانچہ انہوں نے تاریخی اور عقلی دلائل کی روشنی میں اصل انجیل اور حضرت مسیح علیہ السلام کے صحیح عقائد کی تدوین کی بجائے ایک عجیب اور نرالا طریقہ اختیار کیا، وہ یہ کہ کونسل میں جو اناجیل پیش کی گئی تھیں انہوں نے ان کو ایک بے ترتیب ڈھیر کی طرح گرجا کے اندر عشاء ربانی کی میز کے نیچے رکھ دیا اور خداوند سے درخواست کی کہ ان میں سے الہامی نوشتے پھلانگ کر میز پر آجائیں اور جعلی نسخے میز کے نیچے پڑے رہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آگیا۔ چنانچہ قسطنطین اعظم نے چار اناجیل یعنی متی، مرقس لوقا اور یوحنا کی اناجیل جن میں سے پہلی تین اناجیل کو ''اناجیل متوافقہ'' کہا جاتا ہے، کے علاوہ باقی نسخوں کو جعلی قرار دے کر جلا دینے کا حکم دے دیا۔ چاروں انجیلیں حضرت عیسیٰؑ کی زندگی، ان کے معجزات، ان کی تعلیمات اور ان کے مشن کا تفصیلی احوال پیش کرتی ہیں۔ ہر انجیل کا اپنا الگ پس منظر، مصنف، زبان اور مقصد ہے، جو کہ عیسائیت کی تعلیمات کو مختلف زاویوں سے پیش کرتی ہیں۔

9.4 انجیل متی: تعارف

انجیل متی کو متی (Matthew) نے تحریر کیا، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ قریبی شاگردوں میں سے ایک تھے۔ متی پیشے کے لحاظ سے ایک محصول لینے والا (ٹیکس کلیکٹر) تھا، جو رومی حکومت کے لیے کام کرتا تھا۔ تاہم، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت پر انہوں نے یہ پیشہ چھوڑ کر ان کے ساتھی اور پیروکار بن گئے۔ اس انجیل کے مصنف کی حیثیت سے متی کی ایک اہمیت یہ ہے کہ وہ یہودی تھا، اس کے مطابق اس نے حضرت عیسیٰ کی زندگی کو یہودی پس منظر میں پیش کیا، دراصل انجیل متی کا بنیادی مقصد بھی یہودیوں کے سامنے یہ ثابت کرنا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہی مسیحا ہیں جس کا ذکر ان کے مقدس صحیفوں یعنی تورات اور انبیاء کی کتابوں میں کیا گیا ہے۔ اس لیے انجیل متی میں اکثر پرانے عہد نامہ کے حوالوں اور پیشگوئیوں کا ذکر ملتا ہے جنہیں حضرت عیسیٰ کی شخصیت اور مشن سے جوڑا گیا ہے۔

زبان: یہ انجیل ابتدائی طور پر عبرانی یا آرامی زبان میں لکھی گئی، لیکن موجودہ صورت میں یونانی زبان میں دستیاب ہے۔

زمانہ تدوین: متی کی انجیل غالباً 70ء تا 80ء کے درمیان تحریر کی گئی۔ متی کی اس انجیل میں 28 ابواب اور 1,071 آیات ہیں۔

9.4.1 موضوع اور مرکزی پیغام

انجیل متی کا مرکزی موضوع "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بادشاہی" ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰ کی تعلیمات، معجزات اور ان کے بادشاہی کے پیغام کو پیش کیا گیا ہے۔ متی کی انجیل میں حضرت عیسیٰ کو ایک بادشاہ کے طور پر دکھایا گیا ہے جو انصاف، رحم اور خدائی حکم کے مطابق زمین پر خدا کی بادشاہی قائم کرنے آئے تھے۔ اس انجیل میں اس بات پر بھی زور دیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی بادشاہی صرف یہودیوں تک محدود نہیں بلکہ تمام قوموں کے لیے ہے۔

9.4.2 متفرق مضامین

انجیل متی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نسل نامہ سے شروع ہوتی ہے جس میں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے حضرت عیسیٰ کی نسل کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ حضرت عیسیٰ داؤدی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو یہودی مسیحا کی ایک اہم خصوصیت سمجھی جاتی تھی۔ اس کے بعد انجیل متی میں حضرت عیسیٰ کی معجزاتی پیدائش کا ذکر کیا گیا ہے جس میں حضرت مریم علیہا السلام کا پاکباز و مقدسہ ہونا اور حضرت یوسف کا ان کی حفاظت کے لیے اپنا کردار ادا کرنا شامل ہے۔

1. خطبۂ پہاڑ (Sermon on the Mount)

انجیل متی میں حضرت عیسیٰ کا معروف "خطبۂ پہاڑ" بھی شامل ہے جو باب 5 سے 7 تک بیان کیا گیا ہے۔ اس خطبہ میں حضرت عیسیٰ نے اخلاقی اور روحانی تعلیمات پیش کیں جو ان کے پیروکاروں کے لیے رہنما اصول ہیں۔ اس خطبہ میں محبت، بخشش، عاجزی، دعا، اور صدقہ دینے جیسے موضوعات پر زور دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت عیسیٰ نے پرانے عہد نامہ کے قوانین کی وضاحت کرتے ہوئے ان کی اصل روح کو اجاگر کیا۔

2. معجزات اور تعلیمات

انجیل متی میں حضرت عیسیٰ کے کئی معجزات کا ذکر کیا گیا ہے، جیسے کہ اندھوں کو بینائی دینا، بیماروں کو شفا دینا، مردوں کو زندہ کرنا، اور قدرت پر قابو پانا۔ ان معجزات کا مقصد حضرت عیسیٰ کی خدائی طاقت اور ان کے پیغام کی صداقت کو ظاہر کرنا تھا۔ اس کے علاوہ حضرت عیسیٰ نے تمثیلات (Parables) کے ذریعے اپنے پیغام کو آسان الفاظ میں پیش کیا، تاکہ عام لوگ بھی اسے سمجھ سکیں۔

3. مصلوبیت اور قیامت

انجیل متی حضرت عیسیٰ کی مصلوبیت اور قیامت کی تفصیلات پر بھی مشتمل ہے۔ حضرت عیسیٰ کی گرفتاری، مقدمہ اور مصلوبیت کے واقعات کو انتہائی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے جس میں یہودی اور رومی حکام کا کردار بھی شامل ہے۔ انجیل متی میں حضرت عیسیٰ کی قیامت کو ایک اہم واقعہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے جو ان کی خدائی حیثیت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

4. اختتام اور ہدایت

انجیل متی کا اختتام حضرت عیسیٰ کے اس حکم سے ہوتا ہے جسے "عظیم ہدایت" (Great Commission) کہا جاتا ہے، جس میں انہوں نے اپنے شاگردوں کو حکم دیا کہ وہ دنیا بھر میں جائیں اور تمام قوموں کو ان کے نام پر بپتسمہ دیں اور ان کو ان کی تعلیمات کی پیروی کرنا سکھائیں۔ یہ ہدایات عیسائی مشنری تحریک کا بنیادی ستون سمجھی جاتی ہیں۔ انجیل متی ایک ایسی دستاویز ہے جو حضرت عیسیٰ کی زندگی کے ہر پہلو کو تفصیل سے بیان کرتی ہے اور ان کے پیغام کو یہودی سامعین کے لیے ایک خاص تناظر میں پیش کرتی ہے۔ یہ انجیل عیسائی عقائد کی بنیادوں میں سے ایک ہے اور اس کے مطالعے سے حضرت عیسیٰ کی تعلیمات اور ان کے پیغام کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

9.5 انجیل مرقس: تعارف

انجیل مرقس کا مصنف حواری مرقس (Mark) ہیں جنہیں یوحنا مرقس بھی کہا جاتا ہے۔ مرقس براہ راست حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگرد نہیں تھے لیکن وہ پطرس (Peter) کے قریبی ساتھی تھے جو حضرت عیسیٰ کے سب سے اہم شاگردوں میں سے ایک تھے۔ روایات کے مطابق مرقس نے انجیل کو حضرت پطرس کی تعلیمات اور یادداشتوں کی بنیاد پر تحریر کیا ہے۔ مرقس کا خاندان ابتدائی عیسائی برادری کے لیے اہم تھا اور ان کے گھر کو پہلی کلیسا کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ انجیل مرقس کے ہدفی سامعین / مخاطبین زیادہ تر غیر یہودی (Gentile) تھے خاص طور پر رومی، مرقس نے اپنی انجیل کو ایسے لوگوں کے لیے لکھا جو حضرت عیسیٰ کی زندگی کے واقعات کو تیزی سے اور مختصر انداز میں سمجھنا چاہتے تھے۔ اس انجیل کا مقصد حضرت عیسیٰ کی شخصیت کو ایک متحرک اور طاقتور رہنما کے طور پر پیش کرنا تھا جو خدا کی قدرت اور رحمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے لوگوں کی زندگیوں کو تبدیل کرتے ہیں۔

زبان: یہ انجیل قدیم یونانی زبان میں تحریر کی گئی۔

زمانہ تدوین: مرقس کی انجیل عیسائیت کی سب سے قدیم انجیل سمجھی جاتی ہے اور اس کی تحریر کا وقت 65ء تا 70ء کے درمیان

سمجھا جاتا ہے۔ اس کتاب میں 16 ابواب اور 678 آیات ہیں۔

9.5.1 موضوع اور مرکزی پیغام

انجیل مرقس کا مرکزی موضوع حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی "خدمت" ہے۔ اس انجیل میں حضرت عیسیٰ کی زندگی کے اہم واقعات، معجزات، اور ان کی تعلیمات پر زور دیا گیا ہے، جو خدا کی خدمت کے طور پر بیان کیے گئے ہیں۔ مرقس کی انجیل میں حضرت عیسیٰ کی خدمت کے آغاز سے لے کر ان کی مصلوبیت تک کے واقعات کو بہت تیزی سے پیش کیا گیا ہے، تاکہ قارئین کو ان کی خدمت کی اہمیت اور طاقت کا اندازہ ہو۔

9.5.2 متفرق مضامین

انجیل مرقس میں حضرت عیسیٰ کی خدمت کا آغاز ان کے بپتسمہ سے ہوتا ہے جو حضرت یحییٰ علیہ السلام (John the Baptist) کے ذریعے دیا گیا تھا۔ مرقس کے مطابق، بپتسمہ کے دوران خدا کی روح حضرت عیسیٰ پر نازل ہوئی اور ایک آواز نے اعلان کیا "تو میرا پیارا بیٹا ہے، تجھ سے مجھے خوشی ہوئی ہے"۔ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ کے مشن کے آغاز کی نشانی تھا اور اس کے بعد انہوں نے اپنی تعلیمات اور معجزات کے ذریعے لوگوں کو خدا کی بادشاہی کا پیغام دینا شروع کیا۔

1. معجزات اور اعمال

انجیل مرقس میں حضرت عیسیٰ کے معجزات کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ معجزات نہ صرف ان کی طاقت اور قدرت کو ظاہر کرتے ہیں بلکہ ان کے پیغام کی صداقت کو بھی ثابت کرتے ہیں۔ مرقس نے حضرت عیسیٰ کے مختلف معجزات جیسے کہ بیماروں کی شفا، بدروحوں کا اخراج، طوفان پر قابو پانا، اور مردوں کو زندہ کرنا، کو بیان کیا ہے۔ ان معجزات کے ذریعے حضرت عیسیٰ کی خدائی حیثیت اور ان کے مشن کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

2. تعلیمات اور تمثیلات

اگرچہ انجیل مرقس میں حضرت عیسیٰ کی تعلیمات کا ذکر دیگر اناجیل کی بہ نسبت کم ہے لیکن پھر بھی اس میں چند اہم تمثیلات (Parables) شامل ہیں جو حضرت عیسیٰ کی تعلیمات کا خلاصہ اور نچوڑ پیش کرتی ہیں۔ مرقس کی انجیل میں "بیج بونے والے کی تمثیل" (Parable of the Sower) ایک اہم تمثیل ہے جو خدا کی بادشاہی کے پیغام کو پھیلانے اور اسے قبول کرنے کے مختلف ردعمل کو بیان کرتی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت عیسیٰ کی تعلیمات میں ایمان، توبہ، اور خدا کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے پر زور دیا گیا ہے۔

3. حضرت عیسیٰ کی شناخت

انجیل مرقس کا ایک اہم پہلو حضرت عیسیٰ کی شناخت کو واضح کرنا ہے۔ مرقس کے مطابق، حضرت عیسیٰ نہ صرف ایک نبی یا معلم تھے بلکہ وہ خدا کے بیٹے اور مسیحا تھے۔ اس انجیل میں حضرت عیسیٰ کی شناخت کے بارے میں کئی مواقع پر سوالات اٹھائے گئے ہیں جنہیں

آخر کار حضرت پطرس کے اعتراف میں واضح کیا گیا ہے کہ "تو مسیحا ہے"۔ مرقس کی انجیل میں حضرت عیسیٰ کی مصلوبیت کو بھی ان کے مسیحا ہونے کے ثبوت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

4. مصلوبیت اور قیامت

انجیل مرقس حضرت عیسیٰ کی مصلوبیت اور قیامت کی تفصیلات پر بھی مشتمل ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰ کی گرفتاری، مقدمہ، اور مصلوبیت کے واقعات کو بیان کیا گیا ہے جن میں رومی حکام اور یہودی مذہبی رہنماؤں کا کردار شامل ہے۔ مرقس کی انجیل کے اختتام پر حضرت عیسیٰ کی قیامت کا ذکر ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ان کے شاگردوں نے ان کی خالی قبر دیکھی اور ایک فرشتہ نے انہیں قیامت کی خوشخبری دی۔

5. تیزی اور اختصار

انجیل مرقس کا ایک نمایاں وصف اس کی تیز رفتار اور مختصر بیان ہے۔ مرقس نے حضرت عیسیٰ کی زندگی کے واقعات کو بغیر کسی غیر ضروری تفصیلات کے پیش کیا ہے جس سے یہ انجیل نہایت متحرک اور اثر انگیز بن جاتی ہے۔ اس میں بار بار استعمال ہونے والے الفاظ جیسے "فوراً" (immediately) حضرت عیسیٰ کی خدمت کی شدت اور تیزی کو ظاہر کرتے ہیں۔

6. اختتام اور پیغام

انجیل مرقس کا اختتام حضرت عیسیٰ کی قیامت کے واقعہ پر ہوتا ہے جس کے بعد ان کے شاگردوں کو ان کی تعلیمات کو پھیلانے کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے۔ اس انجیل کا پیغام یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی خدمت اور ان کا مشن تمام انسانیت کے لیے خدا کی محبت اور نجات کا پیغام ہے۔ انجیل مرقس عیسائی عقائد کی بنیادوں میں سے ایک ہے، جو حضرت عیسیٰ کی زندگی، ان کے معجزات، اور ان کی مصلوبیت و قیامت کو تفصیل سے بیان کرتی ہے۔ یہ انجیل ان لوگوں کے لیے خاص اہمیت رکھتی ہے جو حضرت عیسیٰ کی شخصیت اور ان کے مشن کو مختصر اور مؤثر انداز میں سمجھنا چاہتے ہیں۔

9.6 انجیل لوقا: تعارف

اس انجیل کا مصنف لوقا (Luke) ہیں جو کہ ایک طبیب تھے اور پولوس (Paul) کے قریبی ساتھی تھے۔ لوقا نے نئے عہد نامہ میں انجیل لوقا کے علاوہ "اعمال رسولوں" (Acts of the Apostles) بھی تحریر کی جس میں ابتدائی کلیسا کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ روایات کے مطابق لوقا غیر یہودی تھے اور ان کا شمار ان افراد میں ہوتا ہے جو عیسائیت کی ابتدائی تاریخ کے مؤرخین اور لکھنے والوں میں شامل ہیں۔ لوقا نے اپنی انجیل کو انتہائی تحقیق اور عینی شاہدین کے بیانات کی بنیاد پر تحریر کیا۔ انجیل لوقا کے بنیادی مخاطبین غیر یہودی (Gentile) تھے خاص طور پر یونانی نژاد لوگ۔ لوقا نے اپنی انجیل کو ایسے لوگوں کے لیے لکھا جو عیسائیت کے پیغام کو ایک وسیع اور جامع انداز میں سمجھنا چاہتے تھے، اس لیے لوقا کی انجیل میں حضرت عیسیٰ کی زندگی کے واقعات کو تاریخی ترتیب میں پیش کیا گیا ہے تاکہ غیر یہودی کو حضرت عیسیٰ

کی زندگی اور تعلیمات کو بہتر طریقے سے سمجھنے میں مدد ملے۔

زبان: لوقا کی انجیل یونانی زبان میں تحریر کی گئی۔

زمانہ تدوین: لوقا کی انجیل 80ء تا 85ء کے درمیان تحریر کی گئی۔ یہ انجیل 24 ابواب اور 1151 آیات پر مشتمل ہے۔

9.6.1 موضوع اور مرکزی پیغام

انجیل لوقا کا مرکزی موضوع "حضرت عیسیٰ کی شفقت اور عالمگیر نجات" ہے۔ اس انجیل میں حضرت عیسیٰ کو ایک رحم دل، شفیق، اور انسانیت کا دوست دکھایا گیا ہے، جو تمام لوگوں کے لیے نجات کا پیغام لے کر آئے تھے، چاہے وہ یہودی ہوں یا غیر یہودی، امیر ہوں یا غریب، مرد ہوں یا عورت۔ لوقا کی انجیل میں حضرت عیسیٰ کے رحم دل پہلو کو خاص طور پر اجاگر کیا گیا ہے، اور ان کی تعلیمات میں محبت، معافی، اور توبہ پر زور دیا گیا ہے۔

9.6.2 متفرق مضامین

انجیل لوقا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور ابتدائی زندگی کے واقعات پر مشتمل ہے۔ اس میں حضرت مریم علیہا السلام کو حضرت عیسیٰ کی پیدائش کی خوشخبری کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے جسے فرشتہ جبرائیل علیہ السلام نے دیا تھا۔ لوقا کی انجیل میں حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے حالات، بیت اللحم میں ان کی ولادت، اور چرواہوں کی حاضری کا ذکر بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ، لوقا نے حضرت عیسیٰ کی بچپن کے واقعات کو بھی بیان کیا ہے، جیسے کہ ان کا ہیکل (Temple) میں علماء کے ساتھ مباحثہ۔

حضرت عیسیٰ کی عوامی خدمت

انجیل لوقا میں حضرت عیسیٰ کی عوامی خدمت کا آغاز ان کے بپتسمہ سے ہوتا ہے جو حضرت یحییٰ علیہ السلام (John the Baptist) کے ذریعے دیا گیا تھا۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ نے اپنی تعلیمات کو عام لوگوں تک پہنچانا شروع کیا۔ لوقا کی انجیل میں حضرت عیسیٰ کے خطبات، تمثیلات (parables)، اور معجزات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، جن کے ذریعے وہ خدا کی بادشاہی اور نجات کے پیغام کو لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔

معجزات اور تمثیلات

انجیل لوقا میں حضرت عیسیٰ کے معجزات کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ ان معجزات میں بیماروں کی شفا، مردوں کو زندہ کرنا، بدروحوں کا اخراج، اور قدرت پر قابو پانے کے واقعات شامل ہیں۔ لوقا کی انجیل میں حضرت عیسیٰ کی شفقت اور رحمدلی کے ساتھ ساتھ ان کی طاقت اور قدرت کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ لوقا کی انجیل میں حضرت عیسیٰ کی کئی تمثیلات (parables) شامل ہیں، جو ان کی تعلیمات کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ ان تمثیلات میں "کھوئی ہوئی بھیڑ" (Parable of the Lost Sheep)، "رحم دل سامری" (Parable of the Good Samaritan)، اور "کھویا ہوا بیٹا" (Parable of the Prodigal Son) شامل ہیں۔ یہ تمثیلات حضرت عیسیٰ کی

تعلیمات کی گہرائی کو ظاہر کرتی ہیں اور خدا کی رحمت اور محبت پر زور دیتی ہیں۔

خواتین کا کردار

انجیل لوقا کا ایک نمایاں وصف یہ ہے کہ اس میں خواتین کا کردار خاص طور پر اجاگر کیا گیا ہے۔ لوقا کی انجیل میں حضرت مریم علیہا السلام، حضرت مریم مگدلینی (Mary Magdalene) اور دیگر خواتین کے کردار کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ حضرت عیسیٰ کی زندگی اور خدمت میں خواتین کے کردار کو نمایاں کرتے ہوئے لوقا نے ان کی عزت اور اہمیت کو واضح کیا ہے۔ اس انجیل میں خواتین کو نجات کے پیغام کا حصہ بنانے اور ان کی معاشرتی حیثیت کو بلند کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

حضرت عیسیٰ کی شفقت اور غریبوں کے لیے محبت

انجیل لوقا میں حضرت عیسیٰ کی شفقت اور غریبوں کے لیے محبت کو خاص طور پر اجاگر کیا گیا ہے۔ لوقا کی انجیل میں کئی مواقع پر حضرت عیسیٰ کی غریبوں، بیماروں، اور سماجی طور پر حاشیے پر موجود لوگوں کے ساتھ ہمدردی کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ نے اپنے پیروکاروں کو تلقین کی کہ وہ غریبوں کی مدد کریں، بھوکوں کو کھانا کھلائیں، اور بے سہاروں کی خدمت کریں۔ اس انجیل میں حضرت عیسیٰ کی تعلیمات کا ایک اہم پیغام یہ ہے کہ خدا کی بادشاہی ان لوگوں کے لیے ہے جو دل سے رحم اور محبت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

مصلوبیت اور قیامت

انجیل لوقا حضرت عیسیٰ کی مصلوبیت اور قیامت کے واقعات پر بھی مشتمل ہے۔ حضرت عیسیٰ کی گرفتاری، مقدمہ، اور مصلوبیت کے واقعات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے جن میں رومی حکام اور یہودی مذہبی رہنماؤں کا کردار شامل ہے۔ لوقا کی انجیل میں حضرت عیسیٰ کی قیامت کو ایک تاریخی واقعہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے جس میں ان کے شاگردوں کی ان سے ملاقات کا ذکر ہے۔

عظیم ہدایت اور قیامت کا پیغام

انجیل لوقا کا اختتام حضرت عیسیٰ کی قیامت اور "عظیم ہدایت" (Great Commission) کے پیغام پر ہوتا ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰ نے اپنے شاگردوں کو حکم دیا کہ وہ دنیا بھر میں جائیں اور ان کے نام پر بپتسمہ دیں اور ان کو ان کی تعلیمات کی پیروی کرنا سکھائیں۔ لوقا کی انجیل میں حضرت عیسیٰ کی قیامت کو نجات کا ایک عظیم پیغام قرار دیا گیا ہے جو تمام انسانیت کے لیے خدا کی محبت اور رحمت کا مظہر ہے۔ انجیل لوقا عیسائی عقائد کی ایک اہم دستاویز ہے، جو حضرت عیسیٰ کی زندگی، تعلیمات، معجزات، اور ان کے شفقت بھرے پہلو کو نمایاں کرتی ہے۔ یہ انجیل ان لوگوں کے لیے خاص اہمیت رکھتی ہے جو حضرت عیسیٰ کے پیغام کو ایک جامع اور ہمدردانہ انداز میں سمجھنا چاہتے ہیں۔

9.7 انجیل یوحنا: تعارف

انجیل یوحنا کا مصنف یوحنا (John) ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قریبی شاگرد اور حواری تھے۔ حضرت یوحنا کا شمار ان تین

اہم شاگردوں میں ہوتا ہے جو حضرت عیسیٰ کے قریب ترین تھے۔ روایات کے مطابق یوحنا نے اپنی انجیل کو اس وقت تحریر کیا جب عیسائیت کی ابتدائی تاریخ میں دوسرے اناجیل (متی، مرقس، اور لوقا) کی تحریریں موجود تھیں، لیکن یوحنا نے ان واقعات اور تعلیمات پر زور دیا جو دیگر اناجیل میں شامل نہیں تھیں۔ اس انجیل کا مقصد حضرت عیسیٰ کی خدائی حیثیت اور ان کی ابدی نجات کے پیغام کو واضح کرنا تھا۔ یوحنا کی انجیل کی تحریر کا مقصد حضرت عیسیٰ کی الٰہی حیثیت اور ان کی ابدی زندگی کے پیغام کو واضح کرنا تھا، تاکہ وہ لوگ جو عیسائیت کے گہرے روحانی پہلوؤں میں دلچسپی رکھتے ہیں حضرت عیسیٰ کو خدا کے بیٹے کے طور پر تسلیم کریں۔

زبان: یوحنا کی انجیل بھی یونانی زبان میں تحریر کی گئی۔

زمانہ تدوین: یوحنا کی انجیل غالباً 90ء تا 100ء کے درمیان تحریر کی گئی۔ اس انجیل میں 21 ابواب اور 879 آیات ہیں۔

9.7.1 موضوع اور مرکزی پیغام

انجیل یوحنا کا مرکزی موضوع حضرت عیسیٰ کی الٰہی حیثیت ہے۔ اس انجیل کا آغاز ہی ان الفاظ سے ہوتا ہے: "ابتدا میں کلمہ تھا، اور کلمہ خدا کے ساتھ تھا، اور کلمہ خدا تھا" اس انجیل میں حضرت عیسیٰ کو "کلمہ" (Logos) کے طور پر پیش کیا گیا ہے جو خدا کی تخلیقی قوت اور حکمت کا مظہر ہے۔ یوحنا کی انجیل میں حضرت عیسیٰ کو نور، حیات، اور راستے کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جو لوگوں کو خدا کی طرف لے جاتے ہیں۔

9.7.2 متفرق مضامین

انجیل یوحنا میں حضرت عیسیٰ کی الٰہی شناخت کو واضح کرنے پر خصوصی زور دیا گیا ہے۔ اس انجیل میں حضرت عیسیٰ نے کئی مواقع پر اپنی الٰہی حیثیت کا اعلان کیا، جیسے کہ "میں ہوں" کے بیانات: "میں دنیا کا نور ہوں" (یوحنا 8:12)، "میں زندگی کی روٹی ہوں" (یوحنا 6:35)، "میں اچھا چرواہا ہوں" (یوحنا 10:11)، اور "میں قیامت اور زندگی ہوں" (یوحنا 11:25)۔ یہ بیانات حضرت عیسیٰ کی الٰہی حیثیت اور ان کی طاقت اور قدرت کو ظاہر کرتے ہیں۔

معجزات اور نشانیاں

انجیل یوحنا میں حضرت عیسیٰ کے معجزات کو "نشانیاں" (Signs) کے طور پر بیان کیا گیا ہے جو ان کی الٰہی حیثیت اور ان کے مشن کی تصدیق کرتے ہیں۔ یوحنا کی انجیل میں سات اہم معجزات شامل ہیں، جیسے کہ قانا کی شادی میں پانی کو شراب میں تبدیل کرنا (یوحنا 2:1-11)، بیمار شخص کو شفا دینا (یوحنا 5:1-15)، اور لعزر کو مردوں میں سے زندہ کرنا (یوحنا 11:1-44)۔ یہ معجزات حضرت عیسیٰ کی خدائی طاقت اور ان کی زندگی کے پیغام کی صداقت کو ظاہر کرتے ہیں۔

روحانی تعلیمات

انجیل یوحنا میں حضرت عیسیٰ کی تعلیمات کو گہرے روحانی مفہوم میں پیش کیا گیا ہے۔ اس انجیل میں حضرت عیسیٰ نے لوگوں کو خدا

کی محبت، فضل، اور نجات کے پیغام کی طرف بلایا۔ یوحنا کی انجیل میں "نئی پیدائش" (Born Again) کی تعلیم بھی شامل ہے جس میں حضرت عیسیٰ نے نیکدیمس کے ساتھ گفتگو کے دوران کہا: "جب تک کوئی پانی اور روح سے پیدا نہ ہو، وہ خدا کی بادشاہی میں داخل نہیں ہو سکتا" (یوحنا 3:5)۔ اس انجیل میں حضرت عیسیٰ کی تعلیمات پر ایمان لانے اور ان کے ساتھ روحانی تعلق قائم کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

محبت اور دوستی

انجیل یوحنا میں حضرت عیسیٰ کی محبت اور دوستی پر خصوصی زور دیا گیا ہے۔ اس انجیل میں حضرت عیسیٰ نے اپنے شاگردوں کو حکم دیا کہ "تم ایک دوسرے سے محبت رکھو، جیسا کہ میں نے تم سے محبت رکھی" (یوحنا 15:12)۔ حضرت عیسیٰ نے اپنے شاگردوں کو "دوست" کے طور پر مخاطب کیا اور کہا کہ "میں تمہیں غلام نہیں کہتا، کیونکہ غلام اپنے مالک کا راز نہیں جانتا، بلکہ میں نے تمہیں دوست کہا" (یوحنا 15:15)۔ یوحنا کی انجیل میں حضرت عیسیٰ کی محبت کا پیغام مرکزی حیثیت رکھتا ہے، اور اس محبت کے ذریعے دنیا کو نجات کا راستہ دکھایا گیا ہے۔

آخری عشائیہ اور دعا

انجیل یوحنا میں حضرت عیسیٰ کے آخری عشائیہ (Last Supper) کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، جس میں حضرت عیسیٰ نے اپنے شاگردوں کے پاؤں دھوئے اور ان کی خدمت کی ایک مثال قائم کی ہے۔ اس انجیل میں حضرت عیسیٰ کی "عظیم دعا" (High Priestly Prayer) بھی شامل ہے، جس میں انہوں نے خدا سے اپنے شاگردوں کے لیے دعا کی کہ وہ ایک ہوں اور خدا کی محبت کو دنیا تک پہنچائیں۔ یہ دعا حضرت عیسیٰ کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی دعا ہے جس میں انہوں نے اپنے شاگردوں کے لیے خدا کی برکت اور حفاظت کی التجا کی تھی۔

مصلوبیت

انجیل یوحنا میں حضرت عیسیٰ کی مصلوبیت کے واقعات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ کی گرفتاری، مقدمہ، اور مصلوبیت کے واقعات کو بیان کیا گیا ہے جن میں رومی حکام اور یہودی مذہبی رہنماؤں کا کردار شامل ہے۔ یوحنا کی انجیل میں حضرت عیسیٰ کی مصلوبیت کو ان کی خدائی منصوبہ کے تحت قرار دیا گیا ہے جس کے ذریعے دنیا کو نجات ملی۔

اختتام اور پیغام

انجیل یوحنا کا اختتام حضرت عیسیٰ کی قیامت کے بعد ان کی ملاقاتوں اور ان کے شاگردوں کو دی گئی ہدایات پر ہوتا ہے۔ یوحنا کی انجیل کا پیغام یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے ہیں، اور ان پر ایمان لانے سے لوگوں کو ابدی زندگی ملتی ہے۔ یوحنا نے اپنی انجیل کے اختتام پر کہا: "یہ سب کچھ اس لیے لکھا گیا کہ تم ایمان لاؤ کہ یسوع مسیح، خدا کا بیٹا ہے، اور ایمان لا کر اس کے نام پر ابدی زندگی پاؤ"۔ انجیل یوحنا عیسائی عقائد کی ایک اہم دستاویز ہے، جو حضرت عیسیٰ کی الٰہی حیثیت، ان کی تعلیمات، معجزات، اور نجات کے پیغام کو واضح کرتی ہے۔ یہ انجیل فلسفیانہ طرز پر تحریر کی گئی ہے اور ان لوگوں کے لیے خاص اہمیت رکھتی ہے جو عیسائیت کے گہرے روحانی اور فلسفیانہ پہلوؤں کو سمجھنا

چاہتے ہیں اور حضرت عیسیٰ کو خدا کے بیٹے کے طور پر تسلیم کرنا چاہتے ہیں۔

9.8 انجیل برناباس

برناباس مسیح کے حواریوں میں سے ایک ممتاز حواری تھا۔ اس نے اور پولوس نے اکٹھے مختلف ممالک میں تبلیغی دورے کیے۔ مرقس بھی ان کے ہمراہ بطور ترجمان کے جایا کرتا تھا۔ مسیح کی تعلیم کے بارے میں پولوس اور برناباس میں اختلاف پیدا ہو گیا، نظریاتی اختلاف کی وجہ سے برناباس اور مرقس اس سے علیحدہ ہو کر جزیرہ سائپرس کو چلے گئے جو برناباس کا وطن تھا۔ برناباس نے وہیں وفات پائی اور دفن ہوا۔ برناباس نے ایک انجیل لکھی تھی جس کو ہر وقت وہ اپنے ساتھ رکھتے تھے 478ء میں ان کی قبر کھودی گئی تو یہ انجیل ان کے سینے پر رکھی ہوئی تھی، ایک لمبے عرصے تک اس کو گرجاؤں میں پڑھا جاتا تھا لیکن پھر 496ء میں پادریوں کی ایک کونسل نے اس کا پڑھنا حرام قرار دیا۔ 1709ء میں شاہ پروشیا کے ایک مشیر "کرومر" کو ایمسٹرڈم کے مقام پر کسی کتب خانہ سے برناباس کی انجیل ہاتھ لگی تھی۔

موجودہ عیسائیت کی رو سے برناباس کی انجیل (Gospel of Barnabas) ایک متنازعہ اور غیر مستند مذہبی تحریر ہے جسے عیسائی مذہبیات کے روایتی متن میں شامل نہیں کیا جاتا۔ اس انجیل کا ذکر مختلف مسلم اور عیسائی علماء کی تحریروں میں ملتا ہے، لیکن یہ بائبل کے عہد نامہ جدید میں شامل چار مستند انجیلوں (متی، مرقس، لوقا، یوحنا) سے مختلف ہے۔ برناباس کی انجیل کو بیشتر عیسائی علماء اور محققین نے غیر مستند اور جعلی قرار دیا ہے، برناباس کی انجیل کے مختلف نسخے لاطینی اور اطالوی زبانوں میں موجود ہیں۔ تاہم، اصل زبان کے بارے میں کوئی حتمی ثبوت نہیں ملتا۔

زبان: اصل زبان سے متعلق کوئی حتمی ثبوت نہیں ملتا ہے البتہ مختلف نسخے اطالوی اور لاطینی زبان میں ملتے ہیں۔

زمانہ تدوین: کوئی یقینی ثبوت نہیں ملتا ہے۔

9.8.1 موضوع

برناباس کی انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کی زندگی اور تعلیمات کو اسلامی نقطہ نظر سے پیش کیا گیا ہے۔ اس انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا نبی قرار دیا گیا ہے، نہ کہ خدا کا بیٹا، جیسا کہ عیسائی عقیدہ میں بیان کیا جاتا ہے۔ برناباس کی انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کی صلیب پر موت کا انکار کیا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ انہیں زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا گیا تھا، جو کہ اسلامی عقائد کے مطابق ہے۔ برناباس کی انجیل کو بیشتر عیسائی علماء اور مغربی محققین نے مسترد کر دیا ہے اور اسے غیر مستند قرار دیا ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ یہ انجیل بعد کے دور میں لکھی گئی اور اس میں موجود مواد تاریخی طور پر صحیح نہیں ہے۔ برناباس کی انجیل کے موجودہ دستیاب نسخے تقریباً 222 ابواب پر مشتمل ہیں، تاہم ان میں آیات کی روایتی بائبل جیسی تقسیم موجود نہیں ہے۔ یہ کتاب عام طور پر تسلسل کے ساتھ لکھی گئی ہے، جس میں واقعات اور بیانات مسلسل بیان کیے گئے ہیں

9.9 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- وقت کے ساتھ ساتھ عیسائی فرقوں میں اضافہ اور اختلاف ہوتا گیا اور ہر ایک فرقے نے اپنی اپنی الگ الگ انجیل مرتب کی ہوئی تھی جس کی تعداد مورخین نے چونتیس بتلائی ہے۔
- 325ء میں قسطنطین اعظم نے 300 پادریوں کی ایک کونسل بلائی تھی۔
- نیقیہ کونسل میں چار اناجیل پر اتفاق کیا گیا تھا۔
- دراصل انجیل متی کا بنیادی مقصد بھی یہودیوں کے سامنے یہ ثابت کرنا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہی مسیحا ہیں جس کا ذکر ان کے مقدس صحیفوں یعنی تورات اور انبیاء کی کتابوں میں کیا گیا ہے۔
- انجیل متی کا مرکزی موضوع "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بادشاہی" ہے۔
- روایات کے مطابق مرقس نے انجیل کو حضرت پطرس کی تعلیمات اور یادداشتوں کی بنیاد پر تحریر کیا ہے۔
- لوقا کی انجیل میں حضرت عیسیٰ کی زندگی کے واقعات کو تاریخی ترتیب میں پیش کیا گیا ہے تاکہ غیر یہودی کو حضرت عیسیٰ کی زندگی اور تعلیمات کو بہتر طریقے سے سمجھنے میں مدد ملے۔
- انجیل لوقا کا ایک نمایاں وصف یہ ہے کہ اس میں خواتین کا کردار خاص طور پر اجاگر کیا گیا ہے۔
- انجیل یوحنا کا مرکزی موضوع حضرت عیسیٰ کی الٰہی حیثیت ہے۔
- برناباس کی انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کی صلیب پر موت کا انکار کیا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ انہیں زندہ آسمانوں پر اٹھالیا گیا تھا۔

9.10 نمونہ امتحانی سوالات

9.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. انجیل کا لفظی معنی ہے؟

(a).بات (b).کہانی (c).خوشخبری (d).افسانہ

2. نیقیہ کونسل میں قسطنطین اعظم نے کتنے پادریوں کو مدعو کیا تھا؟

(a).دوسونوے (b).دوسواٹھانوے (c).دوسوننانوے (d). تین سو

3. نیقیہ کونسل کس سن میں ہوئی تھی؟

325.(a) 326.(b) 330.(c) 331.(d)

4. پیشے کے لحاظ سے متی کیا تھا؟

(a).وزیر (b). قاضی (c). محصول لینے والا (d).عام سپاہی

5. متی کی انجیل میں کتنے ابواب ہیں؟

28.(a) 27.(b) 26.(c) 25.(d)

6. عیسائیت کی سب سے قدیم انجیل سمجھی جاتی ہے؟

(a).یوحنا (b).مرقس (c).لوقا (d).متی

7. لوقا پیشے کے لحاظ سے کیا تھا؟

(a).طبیب (b).انجینئر (c).فلسفی (d).نجومی

8. فلسفیانہ طرز پر کونسی انجیل لکھی گئی ہے؟

(a).انجیل یوحنا (b).انجیل متی (c).انجیل مرقس (d).انجیل لوقا

9. انجیل یوحنا میں آیات کی تعداد کتنی ہیں؟

877.(a) 879.(b) 875.(c) 873.(d)

10. انجیل برناباس میں کتنے ابواب ہیں؟

219.(a) 220.(b) 221.(c) 222.(d)

9.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. موجودہ اناجیل پر اتفاق کے پس منظر پر ایک مختصر نوٹ تحریر کیجیے۔
2. انجیل مرقس کا مختصر تعارف اور مرکزی پیغام مختصراً نوٹ کیجیے۔
3. انجیل مرقس کے متفرق مضامین قلمبند کیجیے۔
4. انجیل لوقا کا تعارف اور مرکزی پیغام پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
5. انجیل لوقا کے متفرق مضامین پر ایک نوٹ لکھیے۔

9.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. انجیل متی کا تفصیلی تعارف پیش کیجیے۔
2. انجیل برناباس پر ایک نوٹ لکھیے۔
3. انجیل یوحنا کا تعارف، طرز تحریر، موضوعات اور دیگر اناجیل سے مختلف کیوں ہے، ایک مفصل نوٹ تحریر کیجیے۔

9.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

.1	کتاب مقدس (بائیبل)	:	اردو ترجمہ
.2	تاریخ صحفِ سماوی	:	پروفیسر سید نواب علی
.3	مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں	:	پرویز احمد
.4	دنیا کے بڑے مذاہب	:	عماد الحسن آزاد فاروقی
.5	مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ	:	پروفیسر غلام رسول چیمہ
.6	عیسائیت تجزیہ و مطالعہ	:	پروفیسر ساجد میر

اکائی 10: مشترک تعلیمات اور تحریفات

اکائی کے اجزا:

10.0 تمہید

10.1 مقاصد

10.2 توحید (ایک خدا کا عقیدہ)

10.3 عقیدہ رسالت

10.4 عقیدہ آخرت

10.5 اخلاقی تعلیمات

10.5.1 محبت اور رحم دلی

10.5.2 احترام والدین

10.5.3 توبہ واستغفار

10.5.4 عہد کی پاسداری

10.5.5 زکوٰۃ وخیرات

10.5.6 بچوں کے حقوق

10.5.7 اخوت وبھائی چارگی

10.5.8 عفوودرگزر

10.5.9 مساوات انسانی

10.6 تحریفات

10.6.1 تثلیث کا عقیدہ

10.6.2 حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا ماننا

10.6.3 صلیب کا عقیدہ
10.6.4 کفارہ کا عقیدہ
10.6.5 اصل گناہ (Original Sin) کا عقیدہ
10.6.6 حضرت مریمؑ کی حیثیت
10.7 اکتسابی نتائج
10.8 نمونہ امتحانی سوالات
10.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
10.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
10.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
10.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

10.0 تمہید

اسلام اور عیسائیت دنیا کے دو بڑے اور قدیم مذاہب ہیں، جن کے ماننے والوں کی تعداد اربوں میں ہے۔ ان دونوں مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان مذہبی، روحانی، اور اخلاقی اقدار کی مشترک تعلیمات کا ایک وسیع سلسلہ موجود ہے۔ یہ تعلیمات نہ صرف خدا اور بندے کے درمیان تعلق کو مضبوط کرتی ہیں بلکہ انسانی سماج میں امن، سلامتی اور بھائی چارے کے فروغ کا ذریعہ بھی بنتی ہیں۔ اس اکائی میں دونوں مذاہب کی مشترک تعلیمات وہدایات کو بیان کرنا مقصود ہے، ساتھ ہی عیسائیت کے ان عقائد و نظریات کو زیر بحث لانا ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ تحریف وترمیم کی نذر ہوتے گیے۔

10.1 مقاصد

اسلام اور عیسائیت کی مشترکہ تعلیمات کا مقصد انسانیت کی فلاح و بہبود اور اخلاقی اقدار کا فروغ ہے۔ دونوں مذاہب میں محبت، ہمدردی اور انسانیت کی خدمت کو بنیادی اہمیت دی گئی ہے۔ اللہ اور انسان کے درمیان مضبوط روحانی تعلق قائم کرنا، بندوں کے حقوق کا خیال رکھنا، اور معاشرتی انصاف کی ترویج کرنا ان مذاہب کی تعلیمات کا مشترکہ ہدف ہے۔ عیسائیت اور اسلام دونوں اخلاقی اور روحانی پاکیزگی پر زور دیتے ہیں، جہاں دل میں محبت، بھائی چارگی، اور معافی کی تربیت کی جاتی ہے۔ انسان کو خدا کی رضا کے مطابق زندگی بسر کرنے، دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے، اور دنیا میں امن وسکون قائم کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ دونوں مذاہب ظلم وزیادتی کی مخالفت کرتے ہیں

اور عدل و انصاف کے قیام پر زور دیتے ہیں۔ ان تعلیمات کا مقصد ایک ایسے معاشرے کی تشکیل ہے جہاں ہر شخص کے حقوق کا تحفظ کیا جائے، اور تمام انسانیت کے ساتھ مساوات اور بھائی چارے کا سلوک روا رکھا جائے۔ اس اکائی کا مقصد ان مشترک تعلیمات و ہدایات کو بیان کرنا ہے جو سماجی صحت و سالمیت کا ذریعہ بنتے ہیں اور ان عقائد و نظریات کو قرآن کی روشنی میں بیان کرنا مقصود ہے جو تحریفات کا شکار ہو گیے تا کہ حق کا متلاشی انسان بآسانی صحیح اور غلط کی تمیز کر سکے۔

10.2 توحید (ایک خدا کا عقیدہ)

اسلام اور عیسائیت میں بہت سی مشترک تعلیمات پائی جاتی ہیں جو انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے ضروری ہیں۔ دونوں مذاہب میں محبت، اخوت، عدل، اور نیکی کی تعلیمات انسانیت کو ایک بہتر معاشرے کی طرف لے جانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ ان مشترکات کو سمجھ کر مختلف مذاہب کے پیروکار ایک دوسرے کے قریب آسکتے ہیں اور ایک پر امن دنیا کی تعمیر میں اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

اسلام اور عیسائیت دونوں مذاہب توحید پر ایمان رکھتے ہیں، یعنی ایک خدا کی عبادت کی جاتی ہے۔ اسلام میں اللہ کو واحد اور لاشریک مانا جاتا ہے، اسلام میں خدا کی وحدانیت (توحید) سب سے بنیادی عقیدہ ہے۔ یہ عقیدہ کہ اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور وہ ہر قسم کی خامیوں سے پاک ہے۔ توحید کی تین اہم اقسام ہیں: **توحید الربوبیہ**: یعنی اللہ کو خالق، مالک، اور پرورش کرنے والا ماننا۔ قرآن میں فرمایا گیا "سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے"۔ **توحید الاسماء والصفات**: یعنی اللہ کے تمام نام اور صفات اس کے لئے خاص ہیں، اور وہ ہر لحاظ سے بے مثال ہیں۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "اور بہترین نام اللہ ہی کے لئے ہیں، پس اسے ان ناموں سے پکارو"۔ بخاری کی ایک روایت ہے کہ "اللہ کے ننانوے نام ہیں، یعنی سو سے ایک کم، جو انہیں یاد کرے گا وہ جنت میں داخل ہو گا"۔ **توحید الالوہیہ**: اس کا مطلب ہے کہ اللہ ہی کی عبادت کی جائے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ قرآن کہتا ہے "ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں"۔ مسلم شریف میں ہے کہ "جو شخص یہ کہے گا: 'اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہت ہے، اسی کے لئے تمام تعریفیں ہیں، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے سو بار ایک دن میں، اس کے لئے دس غلاموں کو آزاد کرنے کے برابر ثواب ہو گا"۔ مؤطا امام مالک میں ہے کہ "نبی ﷺ نے فرمایا: سب سے بہترین بات جو میں نے اور مجھ سے پہلے کے نبیوں نے کہی ہے وہ یہ ہے: 'اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں"۔ ان مذکورہ آیات اور احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں توحید کی تعلیم کس قدر اہمیت رکھتی ہے، اور یہ عقیدہ اسلامی ایمان کا بنیادی ستون ہے۔

عیسائیت میں بھی خدا کی وحدانیت پر یقین ہے، لیکن یہ تثلیث کے عقیدے کے تحت بیان کی جاتی ہے، یعنی ایک خدا جو تین اقانیم میں موجود ہے: خدا باپ، بائیبل میں بھی خدا کی وحدانیت کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے: کتاب استثنا میں ہے "سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے (6:4) انجیل مرقس میں ہے "یسوع نے جواب دیا، پہلا حکم یہ ہے کہ سن، اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا، خداوند ایک ہی ہے"۔ خدا بیٹا (یسوع مسیح) یسوع مسیح کو خدا کا بیٹا اور نجات دہندہ مانا جاتا ہے، انجیل یوحنا میں ہے "کیونکہ خدا نے دنیا سے ایسی محبت

کی کہ اپنا اکلوتا بیٹا دے دیا، تاکہ جو بھی اس پر ایمان لائے وہ ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے"۔(3:16) خدا روح القدس: روح القدس کو خدا کی موجودگی اور رہنمائی کے طور پر مانا جاتا ہے، انجیل یوحنا کے بیان کے مطابق "لیکن مددگار، روح القدس، جسے باپ میرے نام پر بھیجے گا، وہ تمہیں سب کچھ سکھائے گا اور وہ سب کچھ یاد دلائے گا جو میں نے تم سے کہا ہے"۔(14:26) عیسائیت میں تثلیث کا عقیدہ ہے کہ خدا ایک ہے، لیکن تین اقانیم یعنی باپ، بیٹا، اور روح القدس میں ظاہر ہوتا ہے، متی کی انجیل میں ہے "پس جاؤ اور سب قوموں کو شاگرد بناؤ، انہیں باپ، بیٹے، اور روح القدس کے نام پر بپتسمہ دو"۔(28:19)

اسلام اور عیسائیت دونوں مذاہب میں خدا کی وحدانیت پر زور دیا گیا ہے، لیکن ان کے تصور میں بنیادی فرق ہے۔ اسلام میں خدا کی وحدانیت مکمل ہے، جبکہ عیسائیت میں یہ تثلیث کے عقیدے کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ دونوں مذاہب میں خدا کی واحدیت کا یہ عقیدہ انسان کی روحانی اور اخلاقی زندگی کی بنیاد ہے۔

10.3 عقیدہ رسالت

ایمان بالرسالت اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان یہ ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لیے مختلف اوقات میں انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا ہے۔ انبیاء اللہ کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں، جو اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ عقیدہ رسالت کا مقام ایمان کے بنیادی اصولوں میں بہت اہم ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا" کہو، ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو دوسرے انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا۔ ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے، اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں"۔ انسانی زندگی میں نبیوں کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ انسان اللہ کی طرف سے براہ راست ہدایت حاصل کرنے کے قابل نہیں تھا۔ نبیوں کو اللہ نے لوگوں کے درمیان اپنا پیغام پہنچانے کے لئے منتخب کیا تاکہ وہ لوگوں کو اللہ کی طرف رہنمائی کریں، ان کی زندگی کے لئے شرعی قوانین بنائیں اور ان کے اخلاق کو سنواریں۔

اسلام میں تمام انبیاء کو اللہ کا منتخب بندہ اور معصوم سمجھا جاتا ہے۔ ان کے بارے میں چند اہم خصوصیات درج ذیل ہیں۔ صدق (سچائی): انبیاء ہمیشہ سچے ہوتے ہیں، وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ امانت (دیانتداری): انبیاء انتہائی امانتدار ہوتے ہیں، اور انہیں کبھی خیانت کا الزام نہیں دیا جاسکتا۔ تبلیغ (پیغام پہنچانا): انبیاء کا بنیادی فریضہ اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچانا ہوتا ہے۔ عصمت (گناہوں سے معصومیت): انبیاء اللہ کے خاص بندے ہوتے ہیں، اور وہ ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں اور ان کی رسالت پوری انسانیت کے لئے ہے۔ آپ ﷺ کو "خاتم النبیین" کہا گیا ہے، یعنی نبوت کا سلسلہ آپ ﷺ پر ختم ہو گیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔" ایمان بالرسالت اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک ہے۔ یہ عقیدہ مسلمان کی زندگی کا اہم حصہ ہے اور اس کے بغیر ایمان مکمل

نہیں ہوتا۔ نبیوں کی تعلیمات پر عمل اور ان کی سنت کی پیروی ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے تاکہ وہ اللہ کی رضا حاصل کر سکے۔ حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا اور ان کی سنت پر عمل کرنا مسلمانوں کے لئے فرض ہے، کیونکہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں اور ان کی تعلیمات قیامت تک کے لئے ہیں۔

عیسائیت میں نبوت کا تصور بہت اہم ہے، حالانکہ یہ اسلامی تصور سے کچھ مختلف ہے۔ عیسائیوں کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف اوقات میں انبیاء کو مبعوث کیا تاکہ وہ انسانیت کو اللہ کا پیغام پہنچائیں۔ ان انبیاء کا کردار لوگوں کو ہدایت دینے، انہیں سیدھے راستے پر چلانے اور اللہ کی مرضی کو واضح کرنے میں بنیادی ہوتا ہے۔ عیسائیت میں انبیاء کو اللہ کا نمائندہ اور اس کے پیغامبر سمجھا جاتا ہے۔ وہ اللہ کی طرف سے لوگوں تک اس کی مرضی کو پہنچاتے ہیں۔ انبیاء کی تعلیمات میں عموماً توبہ کی دعوت، مستقبل کی پیشگوئیاں، اور نیک زندگی کے لیے رہنمائی شامل ہوتی ہے۔

عیسائیت میں کئی انبیاء کو تسلیم کیا گیا ہے، جن میں سے کچھ اہم ترین یہ ہیں۔ موسیٰ: جنہیں ایک عظیم نبی مانا جاتا ہے، جنہوں نے بنی اسرائیل کو مصر سے نکالا اور اللہ سے دس احکام وصول کیے۔ یسعیاہ: جنہوں نے مسیحا کے آنے کی پیشگوئی کی۔ یرمیاہ: جنہیں "رونے والا نبی" کہا جاتا ہے، جنہوں نے بنی اسرائیل کو بابل کی قید کی بابت خبردار کیا۔ حزقی ایل: جنہوں نے بابل کی جلاوطنی کے دوران رویا اور پیشگوئیاں دیں۔ دانیال: جنہوں نے اسرائیل کے مستقبل اور اللہ کی بادشاہت کے قیام کے بارے میں رویا دیکھی۔ عیسائیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی سے زیادہ، اللہ کا بیٹا اور عہد نامہ قدیم کی پیشگوئیوں کا پورا کرنے والا مانا جاتا ہے۔ عیسائیوں کا ایمان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری نبی ہیں جنہوں نے نہ صرف اللہ کا پیغام پہنچایا بلکہ اس پیغام کو اپنی زندگی میں نافذ بھی کیا۔ یوحنا میں ہے " ابتدا میں کلام تھا، اور کلام خدا کے ساتھ تھا، اور کلام خدا تھا"۔ (1:1) انجیل متی میں ہے "یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی باتوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں؛ میں انہیں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں"۔ (5:17)

عیسائیت میں نبیوں کو اللہ کے پیغامبر سمجھا جاتا ہے جنہوں نے بنی اسرائیل کو ہدایت دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کی تیاری کی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آخری نبی اور اللہ کے بیٹے کے طور پر مانا جاتا ہے، جنہوں نے نہ صرف اللہ کا پیغام پہنچایا بلکہ اس پر عمل کر کے دکھایا۔ عیسائی عقیدے کے مطابق، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات اور زندگی کا نمونہ انسانیت کے لئے ہدایت کا آخری اور کامل ذریعہ ہے۔

10.4 عقیدہ آخرت

اسلام اور عیسائیت دونوں مذہب کے متبعین آخرت اور قیامت کے دن پر مضبوط ایمان رکھتے ہیں۔ یہ عقیدہ دونوں مذاہب میں ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور انسانی زندگی کو مقصد اور معنویت فراہم کرتا ہے۔ قرآن اور بائبل میں قیامت اور آخرت کے حوالے سے تفصیلی تعلیمات موجود ہیں۔ اسلامی عقیدے کے مطابق قیامت کے دن تمام انسانوں کو ان کے اعمال کا حساب دینا ہو گا۔ یہ دن اللہ کے

سامنے پیش ہونے اور دنیا میں کئے گئے اعمال کا حساب کتاب دینے کا دن ہو گا۔ اس دن ہر شخص کے اعمال کا فیصلہ کیا جائے گا اور اسے اس کے مطابق جنت یا جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ سورہ زلزال میں اللہ قیامت سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں ''اس دن لوگ مختلف گروہوں میں نکلیں گے تاکہ ان کے اعمال انہیں دکھائے جائیں۔ پس جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بھی برائی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا''۔ سورہ انفطار میں ارشاد ہے ''یقیناً نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے اور بدکار لوگ جہنم میں۔ وہ اس میں قیامت کے دن داخل ہوں گے''۔ سورہ قیامۃ میں اسی مضمون سے متعلق ارشاد باری ہے ''اس دن کچھ چہرے تر و تازہ ہوں گے، وہ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے''۔

یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ قیامت کا دن وہ دن ہو گا جب ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزا یا سزا دی جائے گی۔ نیک لوگ جنت میں داخل ہوں گے جہاں وہ نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے، جبکہ برے لوگ جہنم کی آگ میں ڈالے جائیں گے۔

عیسائیت میں بھی آخرت اور قیامت کا ایک مضبوط تصور موجود ہے۔ عیسائی عقیدے کے مطابق قیامت کے دن یسوع مسیح دوبارہ آئیں گے اور تمام انسانوں کو ان کے اعمال کے مطابق جزا یا سزا دیں گے۔ بائیبل میں قیامت کے دن کے حوالے سے کئی مقامات پر ذکر کیا گیا ہے۔ انجیل متی میں ہے ''جب ابنِ آدم اپنی شان و شوکت کے ساتھ آئے گا اور سب فرشتے اس کے ساتھ ہوں گے، تب وہ اپنے جلالی تخت پر بیٹھے گا۔ اور تمام قومیں اس کے سامنے جمع ہوں گی، اور وہ انہیں الگ کرے گا جیسے چرواہا بھیڑوں کو بکریوں سے الگ کرتا ہے''۔ (25:31) رومیوں کے نام پولس کے ایک خط میں ہے کہ ''کیونکہ ہم سب کو خدا کے فیصلے کے تخت کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ پس ہر ایک شخص اپنے اعمال کا خدا کو حساب دے گا''۔ (14:10) یوحنا کے مکاشفہ میں لکھا ہے کہ ''اور میں نے مردوں کو دیکھا، چھوٹے اور بڑے، خدا کے سامنے کھڑے ہیں، اور کتابیں کھولی گئیں۔ اور ایک اور کتاب کھولی گئی، جو زندگی کی کتاب ہے، اور مردے ان اعمال کے مطابق جن کا ذکر ان کتابوں میں تھا، فیصلہ دیئے گئے''۔ (20:12)

عیسائیت میں بھی قیامت کا دن ایک ایسا دن ہو گا جب خدا تمام انسانوں کا حساب لے گا اور ان کے اعمال کے مطابق ان کا انجام مقرر کرے گا۔ نیک لوگ جنت میں جائیں گے، جبکہ برے لوگ جہنم کی سزا بھگتیں گے۔

10.5 اخلاقی تعلیمات

اخلاقیات اسلام اور مسیحیت دونوں مذاہب میں ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ دونوں مذاہب کے اصول و قوانین انسان کی ذاتی اور اجتماعی زندگی میں بہتری اور اصلاح کے لیے بنائے گئے ہیں۔ اخلاقیات کا تصور اسلامی تعلیمات میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلام میں اخلاقیات کی اہمیت کو مختلف آیات اور احادیث کے ذریعے واضح کیا گیا ہے۔ اخلاقیات کا مقصد انسان کی زندگی کو بہتر بنانا اور معاشرتی رویوں کو درست کرنا ہے۔ اسلامی اخلاقیات نہ صرف فرد کی ذاتی زندگی کی بہتری کے لئے ہے بلکہ یہ معاشرتی روابط اور انصاف کی بنیاد بھی فراہم کرتی ہے۔ اخلاقی اصول:- صدق، قرآن میں ہے ''اے ایمان والو، اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو''۔ مسلم شریف میں ہے ''سچائی کو اپناؤ، کیونکہ

سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکی جنت کی طرف"۔امانت داری: قرآن میں ارشاد باری ہے"۔اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو پہنچاؤ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے کرو"۔عدل و انصاف: قرآن میں ہے"اور جب تم بات کرو تو انصاف کرو، خواہ تمہاری بات کسی قریبی سے ہو"۔حدیث شریف میں ہے" اللہ انصاف کو پسند کرتا ہے اور ظلم کو ناپسند کرتا ہے"۔شکر گزاری: قرآن میں ارشاد ہے"اگر تم شکر گزار ہو گے تو میں تمہیں مزید دوں گا، اور اگر تم نے ناشکری کی تو میرا عذاب سخت ہے"۔ابن ماجہ کی روایت ہے "جو لوگوں کا شکر نہیں ادا کرتا، وہ اللہ کا شکر بھی نہیں ادا کرتا"۔

اسلامی اخلاقیات کو عملی زندگی میں لانا نہ صرف فرد کی فلاح و بہبود کے لیے ضروری ہے بلکہ یہ معاشرتی سکونت اور امن کی ضمانت بھی فراہم کرتا ہے۔ اسلامی اخلاقیات کے اصول افراد کو سچائی، امانت داری، انصاف، شکر گزاری، صبر اور احسان کی تعلیم دیتے ہیں، جو کہ معاشرتی تعلقات میں بہتری اور معاشرتی عدل کے قیام میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

عیسائی اخلاقیات کی پیروی سے نہ صرف فرد کی ذاتی زندگی بہتر ہوتی ہے بلکہ اس کے ذریعے معاشرتی سطح پر بھی مثبت تبدیلیاں لائی جاسکتی ہیں۔ یہ اصول معاشرت میں محبت، احترام، اور انصاف کو فروغ دیتے ہیں جو کہ ایک خوشحال اور امن پسند معاشرے کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ ذیل میں چند اخلاقی اصول درج ہیں۔ سچائی: انجیل یوحنا میں درج ہے" اور سچائی تمہیں آزاد کرے گی"۔(8:32)ایفیسوں میں ہے" جھوٹ بولنا چھوڑ دو اور ہر ایک اپنے پڑوسی سے سچ بولو کیونکہ ہم ایک دوسرے کے اعضاء ہیں"۔(25:4)امانت داری: لوقا کی انجیل میں ہے"جو شخص چھوٹے میں سچا ہے، وہ بڑے میں بھی سچا ہو گا، اور جو چھوٹے میں بے ایمان ہے، وہ بڑے میں بھی بے ایمان ہو گا"۔(16:10)انصاف: میکاہ میں ہے"تمہیں بتایا گیا ہے اے انسان کیا چیز اچھی ہے اور خداوند تجھ سے کیا چاہتا ہے؟ یہ کہ انصاف کرو، شفقت سے رہو، اور اپنے خدا کے ساتھ عاجزی سے چلنا"۔(6:8) شکر گزاری: تھسلنیکیوں میں بیان ہے"ہر حال میں شکر گزار رہو، کیونکہ یہ تمہارے لیے خدا کی مرضی ہے"۔(5:18)احسان: لوقا کی انجیل میں ہے"اپنے دشمنوں سے محبت رکھو، نیکی کرو اور نہ امید سے کچھ نہ چاہو؛ اور تمہارا انعام بڑا ہو گا، اور تم سب سے اعلیٰ کے بیٹے کہلاؤ گے؛ کیونکہ وہ شکر گزاروں اور بدکاروں کے ساتھ شفقت کرتا ہے"۔(6:35)

10.5.1 محبت اور رحم دلی

اسلام میں محبت اور رحم دلی کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ قرآن اور حدیث میں متعدد مقامات پر محبت اور رحم دلی کی ترغیب دی گئی ہے، جو انسانیت کی بنیاد سمجھی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور رحمت کے ساتھ پیش آنے کا حکم دیا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں"اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے"یعنی تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے"۔یہ تعلیمات ہمیں بتاتی ہیں کہ اسلام محور محبت، رحم دلی اور انسانیت کی فلاح کے اصولوں پر مبنی ہے۔

مسیحیت میں بھی محبت اور رحم دلی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں محبت اور رحم دلی کو خدا کے نزدیک سب سے بڑا حکم قرار دیا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا"اپنے خداوند خدا سے پورے دل، پورے جان اور پورے ذہن سے

محبت کرو۔ یہ پہلی اور سب سے بڑی ہدایت ہے۔ اور دوسرا حکم اس کے مشابہ ہے: اپنے پڑوسی سے محبت کرو جیسے اپنے آپ سے محبت کرتے ہو"۔ مسیحیت میں محبت اور رحم دلی کا مطلب ہے کہ انسان اپنے ہمسایوں، غریبوں، اور محتاجوں کے ساتھ نرمی، محبت اور شفقت سے پیش آئے۔ بائبل میں محبت اور رحم دلی کو خدا کی محبت کا عکس سمجھا جاتا ہے، اور انسان کو اس کا عملی اظہار کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس لئے مسیحیت میں محبت اور رحم دلی کو اعلیٰ اخلاقی اصولوں کا حصہ سمجھا جاتا ہے جو انسان کی روحانیت کو مضبوط اور خدا کے ساتھ تعلق کو مضبوط بناتی ہے۔

10.5.2 احترام والدین

اسلام میں والدین کے احترام کو انتہائی اہمیت دی گئی ہے اور اسے ایک مذہبی فریضہ سمجھا گیا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بارہاوالدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، اور ان کے حقوق کو بہت عظیم قرار دیا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے" اور تمہارے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو"۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے"۔ یہ تعلیمات واضح کرتی ہیں کہ اسلام میں والدین کے احترام کو کتنی اہمیت دی گئی ہے اور ان کے ساتھ نرمی، محبت، اور خدمت والا سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

مسیحیت میں بھی والدین کے احترام کو بنیادی اخلاقی اصولوں میں شامل کیا گیا ہے۔ بائبل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دس احکام میں سے ایک والدین کی عزت کرنے کا حکم ہے "اپنے والدین کی عزت کر تا کہ تیری عمر دراز ہو اور تجھ پر زمین پر خداوند تیرے خدا کا دیا ہوا انعام ہو"۔ (خروج 20:12) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی والدین کی عزت و تکریم پر زور دیا اور انہیں انسان کی زندگی میں خدا کی طرف سے مقرر کردہ ہستی قرار دیا۔ مسیحی تعلیمات کے مطابق والدین کا احترام نہ صرف ایک اخلاقی فرض ہے بلکہ یہ خدا کی مرضی کی تکمیل کا ذریعہ بھی ہے۔ والدین کی خدمت، محبت اور عزت مسیحیت میں خدا کے ساتھ تعلق کو مضبوط کرنے کا ایک ذریعہ سمجھا جاتا ہے، اور یہ بات بائبل کی مختلف تعلیمات میں واضح طور پر بیان کی گئی ہے۔

10.5.3 توبہ واستغفار

اسلام میں توبہ اور بخشش کو بہت بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ توبہ کا مطلب ہے اپنے گناہوں پر ندامت کا اظہار کرنا، اللہ سے معافی مانگنا، اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کی کوئی حد نہیں ہے اور وہ اپنے بندوں کی توبہ کو قبول کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں" یعنی بیشک اللہ توبہ کرنے والوں کو اور پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے"۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے "یعنی ہر انسان خطاکار ہے اور بہترین خطاکار وہ ہیں جو توبہ کرتے ہیں"۔ اسلام میں توبہ کا یہ تصور انسان کو اللہ کی رحمت اور مغفرت کی طرف رجوع کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور اسے امید دلاتا ہے کہ اللہ اس کے گناہوں کو معاف کرے گا۔

مسیحیت میں بھی توبہ اور بخشش کا تصور مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ بائبل کے مطابق، خدا اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف کرنے کے لیے ہمیشہ تیار ہے بشرطیکہ وہ سچے دل سے توبہ کریں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے پیروکاروں کو توبہ کی تعلیم دی اور انہیں یقین دلایا

کہ خدا کی رحمت ان کے گناہوں پر غالب ہے۔ بائبل میں کہا گیا ہے "اگر ہم اپنے گناہوں کا اقرار کریں تو وہ وفادار اور عادل ہے کہ ہمارے گناہوں کو معاف کرے اور ہمیں تمام ناراستی سے پاک کرے"۔(یوحنا1:9) مسیحیت میں توبہ کا مطلب ہے کہ انسان اپنے گناہوں پر نادم ہو، ان کا اعتراف کرے اور آئندہ خدا کے احکام کے مطابق زندگی گزارنے کا عزم کرے۔ خدا کی بخشش کے لئے توبہ کی اہمیت مسیحیت میں بھی اتنی ہی ہے جتنی اسلام میں اور یہ انسان کے روحانی زندگی کی بحالی کا ایک بنیادی ذریعہ ہے۔

10.5.4 عہد کی پاسداری

اسلام میں عہد کی پاسداری کو ایمان کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مسلمانوں کو واضح حکم دیا ہے کہ وہ اپنے عہد اور وعدے پورے کریں۔ عہد کی پاسداری ایک اہم اخلاقی اصول ہے جو معاشرتی نظم وضبط اور اعتماد کو مضبوط کرتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اپنے عہد کو پورا کرو یقیناً عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا"۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب امانت دی جائے تو خیانت کرے"۔ یہ تعلیمات واضح کرتی ہیں کہ اسلام میں عہد کی پاسداری نہ صرف ایک اخلاقی ذمہ داری ہے بلکہ ایمان کی تکمیل کا بھی حصہ ہے۔

مسیحیت میں بھی عہد کی پاسداری کو ایک اہم اخلاقی فرض قرار دیا گیا ہے۔ بائبل میں خدا کے ساتھ کیے گئے عہد اور انسانوں کے درمیان وعدوں کو پورا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی تعلیمات میں وفاداری اور سچائی کی اہمیت پر زور دیا اور عہد کو توڑنے والوں کے بارے میں سخت الفاظ استعمال کیے۔ بائبل میں کہا گیا ہے "تمہاری ہاں ہاں اور نہیں نہیں ہو؛ جو کچھ اس سے زیادہ ہے وہ شیطان کی طرف سے ہے"۔(متی 5:37) اس قول سے واضح ہوتا ہے کہ مسیحیت میں وعدے اور عہد کو پورا کرنا خدا کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کا اہم ترین حصہ ہے۔ مسیحی تعلیمات کے مطابق ایک سچا مسیحی وہ ہے جو اپنے وعدے کو نبھاتا ہے اور وفاداری کے اصولوں پر عمل کرتا ہے چاہے وہ خدا کے ساتھ ہو یا انسانوں کے ساتھ۔

10.5.5 زکوٰۃ وخیرات

اسلام میں صدقہ وخیرات کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور اسے ایمان کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک زکوٰۃ ہے جو ہر صاحبِ نصاب مسلمان پر فرض ہے۔ زکوٰۃ کے علاوہ مسلمان نفل صدقہ بھی دیتے ہیں جسے صدقہ جاریہ، فطرانہ، اور دیگر ناموں سے جانا جاتا ہے۔ صدقہ وخیرات کا مقصد معاشرتی انصاف کو فروغ دینا اور غربت کے خاتمے میں مدد کرنا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "یعنی ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لو تاکہ تم انہیں پاک کرو اور ان کا تزکیہ کرو"۔ صدقہ وخیرات کے ذریعے مسلمانوں کو یہ ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اپنے مال میں سے ایک حصہ غرباء، مساکین، یتیموں اور محتاجوں کی مدد کے لیے خرچ کریں۔

مسیحیت میں بھی صدقہ وخیرات کو بڑی اہمیت دی گئی ہے اور اسے محبت اور خدا کی رضا حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ مسیحی تعلیمات کے مطابق ہر شخص کو اپنی حیثیت کے مطابق محتاجوں اور ضرورتمندوں کی مدد کرنی چاہیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود اپنے

اعمال سے لوگوں کو سکھایا کہ دوسروں کے لیے قربانی اور ایثار خدا کی نظر میں بہت قیمتی ہیں۔ بائبل میں کہا گیا ہے "جو لوگ رحم کرتے ہیں وہ خدا کے رحم کے مستحق ہوں گے"۔ (متی 5:7) مسیحیت میں صدقہ و خیرات کے کئی طریقے ہیں، جیسے کہ چرچ میں چندہ دینا، یتیم خانوں اور اسپتالوں کی مدد کرنا، اور غرباء کے لئے کھانا فراہم کرنا۔ مسیحی تعلیمات کے مطابق صدقہ نہ صرف محتاجوں کی مدد کا ذریعہ ہے بلکہ یہ انسان کے روحانی سکون اور خدا کے ساتھ تعلق کو مضبوط کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔

10.5.6 بچوں کے حقوق

اسلام میں بچوں کے حقوق کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور انہیں ایک نعمت اور امانت سمجھا گیا ہے۔ اسلام والدین پر زور دیتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کی بہترین تربیت، تعلیم اور ان کی جسمانی و روحانی ضروریات کو پورا کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "یعنی تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا"۔ اسلام میں بچوں کے ساتھ محبت، نرمی اور انصاف کا برتاؤ کرنے کی تاکید کی گئی ہے ان کی بنیادی ضروریات کا خیال رکھنا، انہیں دین کی تعلیم دینا، اور انہیں اچھے اخلاق سکھانا والدین کی ذمہ داری ہے۔

مسیحیت میں بھی بچوں کے حقوق کو اہم مقام دیا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بچوں کے ساتھ محبت اور شفقت کرنے کی تعلیم دی اور انہیں خدا کی بادشاہت کا حصہ قرار دیا۔ بائبل میں کہا گیا ہے "یسوع نے کہا، بچوں کو میرے پاس آنے دو، اور انہیں منع نہ کرو، کیونکہ خدا کی بادشاہت ایسے ہی لوگوں کی ہے"۔ (مرقس 10:14) مسیحیت میں بچوں کی روحانی، اخلاقی اور تعلیمی تربیت پر زور دیا گیا ہے اور والدین کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو خدا کی تعلیمات کے مطابق پروان چڑھائیں، بچوں کے ساتھ شفقت اور ان کے حقوق کا خیال رکھنا مسیحی اخلاقیات کا حصہ ہے، اور والدین پر لازم ہے کہ وہ اپنے بچوں کی جسمانی و روحانی فلاح و بہبود کے لئے ذمہ دارانہ کردار ادا کریں۔ مسیحی تعلیمات کے مطابق، بچوں کو تحفظ، محبت، اور دیکھ بھال فراہم کرنا خدا کی مرضی کو پورا کرنے کا ذریعہ ہے۔

10.5.7 اخوت و بھائی چارگی

اسلام میں بھائی چارہ اور اخوت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، اور اسے امت مسلمہ کی طاقت اور اتحاد کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور بھائی چارے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں"۔ اسلام میں اخوت کا مطلب ہے کہ تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں اگر جسم کے ایک حصے کو تکلیف ہو تو پورا جسم درد محسوس کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا" تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے"۔ اسلام میں اخوت اور بھائی چارے کی تعلیمات کا مقصد معاشرے میں اتحاد، محبت اور امن کا فروغ ہے۔

مسیحیت میں بھی بھائی چارہ اور اخوت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں محبت اور دوسروں کے ساتھ برادرانہ سلوک کو مرکزی مقام حاصل ہے۔ بائبل میں کہا گیا ہے "ایک دوسرے سے محبت رکھو جیسے میں نے تم سے محبت رکھی ہے"۔ (یوحنا 13:34) مسیحیت میں اخوت کا مطلب ہے کہ تمام انسان ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور ان کے درمیان محبت اور تعاون کا تعلق ہونا

چاہیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے پیروکاروں کو سکھایا کہ وہ اپنے پڑوسیوں، دوستوں اور یہاں تک کہ دشمنوں کے ساتھ بھی محبت اور خیر خواہی کا برتاؤ کریں۔ مسیحی تعلیمات کے مطابق بھائی چارے اور اخوت کی بنیاد پر قائم معاشرہ خدا کی رضا حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور اس کے ذریعے معاشرتی انصاف اور امن کا قیام ممکن ہے۔ مسیحیت میں بھائی چارہ اور اخوت کا مقصد انسانیت کو قریب لانا اور خدا کی محبت کا عملی اظہار کرنا ہے۔

10.5.8 عفو و درگزر

اسلام میں عفو و درگزر کو اعلیٰ اخلاقی صفات میں شمار کیا گیا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت کا ایک مظہر سمجھا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو معاف کرنے اور درگزر کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "انہیں چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے؟ اور اللہ غفور و رحیم ہے"۔ نبی کریم ﷺ کی سیرت میں بھی عفو و درگزر کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں، جن میں فتح مکہ کے موقع پر آپ نے اپنے تمام دشمنوں کو معاف کر دیا تھا۔ اسلام میں عفو و درگزر کا مقصد یہ ہے کہ معاشرے میں محبت، امن، اور بھائی چارے کو فروغ دیا جائے اور دشمنیوں کو ختم کیا جائے۔

مسیحیت میں بھی عفو و درگزر کی تعلیمات کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے پیروکاروں کو معافی اور درگزر کی تعلیم دی اور انہیں یہ سکھایا کہ وہ اپنے دشمنوں کے لئے بھی دعا کریں۔ بائبل میں حضرت عیسیٰ کا قول ہے "اگر تم اپنے گناہ کرنے والوں کو معاف نہیں کرو گے تو تمہارا آسمانی باپ بھی تمہارے گناہ معاف نہیں کرے گا"۔ (متی 6:15) عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں عفو و درگزر کی مثال اس وقت سامنے آئی جب انہوں نے صلیب پر چڑھتے وقت کہا "اے باپ انہیں معاف کر دے کیونکہ یہ نہیں جانتے کہ یہ کیا کر رہے ہیں"۔ (لوقا 23:34) مسیحیت میں عفو و درگزر کا مقصد خدا کی مرضی کو پورا کرنا اور دوسروں کے ساتھ خدا کی محبت کو بانٹنا ہے تاکہ معاشرے میں امن و محبت کی فضا قائم ہو سکے۔

10.5.9 مساوات انسانی

اسلام میں انسانی مساوات ایک بنیادی اصول ہے جس پر مذہب کی تمام تعلیمات اور قوانین کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "یقیناً ہم نے انسانوں کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے"۔، اور "اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو"۔ اسلام نے ہر انسان کو برابری کا حق دیا ہے خواہ وہ کسی بھی نسل، رنگ یا قومیت سے ہو اس بات کا ثبوت حجۃ الوداع کے خطبے میں ہے جس میں پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنایا گیا تھا"۔ اسلام کے مطابق انسان کی عظمت اس کے تقویٰ اور عمل صالح کی بنیاد پر ہے، نہ کہ اس کی نسلی یا معاشرتی حیثیت کی بنیاد پر۔

عیسائیت میں بھی انسانی مساوات کی تعلیمات اہمیت کی حامل ہیں عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے پیغام میں تمام انسانوں کی برابری پر زور دیا اور کہا "تم سب مسیح میں ایک ہو"۔ اس تعلیم کا مطلب ہے کہ کوئی بھی فرد مذہب، نسل یا طبقاتی فرق کے بغیر برابر ہے۔ عیسائی تعلیمات

میں ہر انسان کی قدر اور عزت کو تسلیم کیا گیا ہے اور یسوع مسیح نے محبت اور ہم آہنگی کے اصولوں کی بنیاد پر معاشرتی مساوات کی تعلیم دی۔ عیسائیت میں اپنے پڑوسی سے محبت کی تعلیم دی گئی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ ہر انسان کو احترام اور برابری کی نظر سے دیکھا جائے اور اس بات پر زور کہ ہر فرد کو برابری اور انصاف ملنا چاہئے۔

10.6 تحریفات

محمد ﷺ تک جتنے بھی انبیا کرام دنیا میں تشریف لائے سب کا مقصد "دینِ حق" کی تبلیغ و اشاعت تھا۔ دینِ حق کی تبلیغ کے باوجود سابقہ اُمتوں کا یہ شیوہ رہا کہ وہ اپنے نبی کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ان کی تعلیمات کو بھلا دیتے اور جو الہامی کتب ان کی اصلاح کے لیے نازل کی جاتی تھیں، ان میں ملاوٹ کا عنصر شامل کر دیتے یعنی تعلیمات میں ردّ و بدل کر دیتے۔ اس لیے سوائے قرآنِ مجید کے جتنی بھی الہامی کتب انبیا کرامؑ پر نازل کی گئیں وہ درست اور صحیح حالت میں موجود نہیں رہیں۔ دوسری الہامی کتب کی تصدیق کے لیے اگر کوئی اٹل ثبوت کہیں سے ملتا ہے تو وہ صرف قرآنِ مجید ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے "اے اہلِ کتاب! اس (کتاب) پر ایمان لاؤ جو ہم نے (اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر) اتاری ہے جو اس کتاب کی (اصلاً) تصدیق کرتی ہے جو تمہارے پاس ہے"۔

اسلام اور عیسائیت دونوں ہی توحیدی مذاہب ہیں، لیکن اسلام کے مطابق مذہب عیسوی میں کچھ ایسے عقائد اور تعلیمات ہیں جو عیسائیت میں وقت کے ساتھ ساتھ تحریف کر دئے گئے ہیں۔

10.6.1 تثلیث کا عقیدہ

عیسائیت میں خدا کی وحدانیت کے ساتھ تثلیث (Trinity) کا عقیدہ بھی پایا جاتا ہے، جس کے مطابق خدا تین اقانیم میں موجود ہے: باپ (God the Father)، بیٹا (God the Son)، یعنی (یسوع مسیح)، اور روح القدس (Holy Spirit)۔ اسلام میں خدا کو ایک اور لاشریک مانا جاتا ہے اور یہاں تثلیث کے عقیدے کی نفی کی گئی ہے۔ سورۃ النساء میں ارشاد ربانی ہے "بیشک اللہ تین کا تیسرا نہیں اور اگر وہ اس بات سے باز نہ آئے تو ان میں سے جنہوں نے کفر کیا ان کو دردناک عذاب ہو گا۔ قرآنِ کریم نے اس باطل نظریہ کی کچھ یوں تردید کی ہے۔ سورۃ النساء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے "اے اہلِ کتاب! تم اپنے دین میں حد سے زائد نہ بڑھو اور اللہ کی شان میں سچ کے سوا کچھ نہ کہو۔ حقیقت یہ ہے کہ مسیح عیسیٰ ابنِ مریم اللہ تعالیٰ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے جسے اس نے مریم (علیہا السلام) کی طرف پہنچا دیا اور اس (کی طرف) سے ایک روح ہے۔ پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور مت کہو کہ (معبود) تین ہیں، (اس عقیدہ سے) باز آجاؤ یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ بے شک اللہ ہی یکتا معبود ہے، وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے لیے کوئی اولاد ہو، (سب کچھ) اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اللہ کا کارساز ہونا کافی ہے"۔

10.6.2 حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا ماننا

عیسائیت میں حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا (Son of God) مانا جاتا ہے اور انہیں خدا کی ایک صورت یا تجسم (Incarnation)

سمجھا جاتا ہے۔ اسلام میں حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا نبی اور رسول مانا جاتا ہے، انہیں خدا کا بیٹا ماننے کی سختی سے مخالفت کی گئی ہے، سورۃ التوبہ میں ارشاد باری ہے "یہودی کہتے ہیں عزیر اللہ کا بیٹا ہے، اور نصاریٰ کہتے ہیں مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ سب ان کے منہ کی باتیں ہیں"۔

10.6.3 صلیب کا عقیدہ

عیسائی عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کو صلیب پر چڑھایا گیا اور وہ انسانیت کے گناہوں کا کفارہ بنے۔ اسلام کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کو نہ تو مصلوب کیا گیا اور نہ ہی قتل کیا گیا۔ قرآن کے مطابق اللہ نے حضرت عیسیٰؑ کو آسمانوں کی طرف اٹھالیا: سورۃ النساء میں ہے :" انہوں نے نہ تو اسے قتل کیا اور نہ ہی سولی پر چڑھایا، بلکہ ان کے لیے اس کی شبیہ بنادی گئی"۔

10.6.4 کفارہ کا عقیدہ

عیسائی عقیدے میں کفارہ (Atonement) کا تصور عیسائی مذہب کی روح ہے جس کے مطابق حضرت عیسیٰؑ نے اپنی جان قربان کی تاکہ انسانیت کے گناہوں کا کفارہ ہو سکے۔ اسلام میں کفارہ کے تصور کی بجائے ہر انسان کو اپنے اعمال کا جواب دہ ٹھہرایا گیا ہے۔ کسی دوسرے شخص کے گناہوں کا بوجھ کوئی نہیں اٹھا سکتا، سورۃ الانعام میں ہے "اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا"۔ ایک دوسرے مقام پر سورہ بقرۃ میں ہے "اور پھر آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے (عاجزی اور معافی کے) چند کلمات سیکھ لیے پس اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمالی بیشک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ (آدم علیہ السلام نے اللہ سے توبہ کی اور اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں معاف فرمایا)۔ درحقیقت عقیدۂ کفارہ کا تمام واقعہ عیسائیوں کا خود ساختہ ہے۔ اللہ پاک کی ذات تو غفور الرّحیم ہے۔ سچے دل سے کی گئی توبہ اللہ پاک ضرور قبول فرماتا ہے۔

10.6.5 اصل گناہ (Original Sin) کا عقیدہ

عیسائیت میں اصل گناہ (Original Sin) کا عقیدہ پایا جاتا ہے جس کے مطابق حضرت آدمؑ کے گناہ کے نتیجے میں ہر انسان پیدائش سے ہی گناہگار ہوتا ہے۔ اسلام میں اصل گناہ کا تصور نہیں پایا جاتا۔ قرآن کے مطابق حضرت آدمؑ اور حوّاؑ نے اللہ سے معافی مانگ لی تھی، اور اللہ نے انہیں معاف کر دیا تھا۔ سورۃ الاعراف میں ہے "پھر آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھ لیے، اور اللہ نے ان پر رحم کیا، بیشک وہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے"۔

10.6.6 حضرت مریمؑ کی حیثیت

عیسائی عقیدے میں حضرت مریمؑ (Virgin Mary) کو انتہائی مقدس اور بعض عیسائی فرقوں میں انہیں "خدا کی ماں" (Mother of God) کے طور پر بھی مانا جاتا ہے۔ اسلام میں حضرت مریمؑ کو ایک پاکباز خاتون اور حضرت عیسیٰؑ کی والدہ کے طور پر انتہائی عزت دی گئی ہے لیکن انہیں خدا کی ماں کہنا یا ان کی عبادت کرنے کی اجازت نہیں۔ سورۃ آل عمران میں ہے "اور جب فرشتوں نے کہا، اے مریم! بیشک اللہ نے تمہیں چن لیا ہے اور تمہیں پاکیزہ بنایا ہے اور تمہیں سب جہانوں کی عورتوں میں سے منتخب کیا ہے" سورۃ المائدہ میں ہے

"اور جب اللہ کہے گا: اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنالو؟"۔

10.7 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- اسلام اور عیسائیت دونوں مذاہب توحید پر ایمان رکھتے ہیں، یعنی ایک خدا کی عبادت کی جاتی ہے۔ اسلام میں اللہ کو واحد اور لاشریک مانا جاتا ہے، اسلام میں خدا کی وحدانیت (توحید) سب سے بنیادی عقیدہ ہے۔ یہ عقیدہ کہ اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور وہ ہر قسم کی خامیوں سے پاک ہے۔
- ایمان بالرسالت اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان یہ ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لیے مختلف اوقات میں انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا ہے۔ انبیاء اللہ کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں، جو اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ عقیدہ رسالت کا مقام ایمان کے بنیادی اصولوں میں بہت اہم ہے۔
- محمد ﷺ تک جتنے بھی انبیا کرام دنیا میں تشریف لائے سب کا مقصد "دینِ حق" کی تبلیغ واشاعت تھا۔ دینِ حق کی تبلیغ کے باوجود سابقہ اُمتوں کا یہ شیوہ رہا کہ وہ اپنے نبی کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ان کی تعلیمات کو بھلا دیتے اور جو الہامی کتب ان کی اصلاح کے لیے نازل کی جاتی تھیں، ان میں ملاوٹ کا عنصر شامل کر دیتے یعنی تعلیمات میں ردّ و بدل کر دیتے۔ اس لیے سوائے قرآنِ مجید کے جتنی بھی الہامی کتب انبیا کرامؑ پر نازل کی گئیں وہ درست اور صحیح حالت میں موجود نہیں رہیں۔ دوسری الہامی کتب کی تصدیق کے لیے اگر کوئی اٹل ثبوت کہیں سے ملتا ہے تو وہ صرف قرآنِ مجید ہے۔
- اسلام اور مسیحیت کے اصول و قوانین انسان کی ذاتی اور اجتماعی زندگی میں بہتری اور اصلاح کے لیے بنائے گئے ہیں۔
- مسیحی تعلیمات کے مطابق، ہر شخص کو اپنی حیثیت کے مطابق محتاجوں اور ضرورت مندوں کی مدد کرنی چاہیے۔
- اسلام میں احترام والدین کو ایک اہم فریضہ قرار دیا گیا ہے۔
- عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے پیغام میں تمام انسانوں کی برابری پر زور دیا ہے۔
- موجودہ عیسائیت کی رو سے ہر انسان حضرت آدمؑ کے گناہ کے نتیجے میں پیدائش سے ہی گناہگار ہوتا ہے۔
- عیسائی عقیدہ میں عیسیٰ مصلوب ہو کر تمام انسانوں کے گناہوں کا کفارہ بنے ہیں۔

10.8 نمونہ امتحانی سوالات

10.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. توحید کی اہم اقسام کتنی ہیں؟

(a). چار (b). دو (c). تین (d). پانچ

2. ”رونے والا“کس نبی کالقب ہے؟

(a).موسیٰ (b).حزقی ایل (c).عیسیٰ (d).یرمیاہ

3. ”ابتدا میں کلام تھا،اور کلام خدا کے ساتھ تھا،اور کلام خدا تھا“ یہ کس انجیل کی آیت ہے؟

(a).یوحنا (b).متی (c).لوقا (d).مرقس

4. قوم بنی اسرائیل کو مصر سے کس نبی نے نکالا تھا؟

(a).اسحاق (b).یوسف (c).موسیٰ (d).عیسیٰ

5. مسیحی تعلیمات کے مطابق کس کا احترام خدا کی مرضی کی تکمیل کا ذریعہ ہے؟

(a).پڑوسی (b).خواتین (c).دشمن (d).والدین

6. موجودہ عیسائیت میں عیسیٰ مسیح کو۔۔۔۔۔۔مانا جاتا ہے؟

(a).فرشتہ (b).خدا کا بیٹا (c). عام انسان (d).بادشاہ

7. عیسائی عقیدہ کی رو سے خدا کی ماں کس کو کہا جاتا ہے؟

(a).مریم (b).آسیہ (c).صفورہ (d).ہاجرہ

8. عیسائی مذہب کے مطابق اصل گناہ گار کون ہے؟

(a).شیطان (b).جنات (c).مریم (d).آدم

9. عیسائیت کی تحریفات کی تائید کس کتاب سے ہوتی ہے؟

(a).قرآن (b).زبور (c).تورات (d).صحف ابرہیم

10. عیسائی مآخذ کے مطابق مسیح کے آنے کی پیشین گوئی کس نے دی تھی؟

(a).یسعیاہ (b).یرمیاہ (c). حزقی ایل (d).دانیال

10.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. اسلام اور عیسائیت میں عقیدہ توحید کا کیا تصور ہے اس پر ایک مختصر نوٹ لکھیے؟
2. اسلام اور عیسائیت کی اخلاقی تعلیمات پر روشنی ڈالیے؟
3. اسلام اور عیسائیت میں زکوٰۃ وخیرات کی کیا ہدایات ہیں قلمبند کیجیے؟
4. اسلام اور عیسائیت میں طہارت وپاکیزگی کی اہمیت پر روشنی ڈالیے؟
5. بچوں کے حقوق سے متعلق اسلام اور عیسائیت کی کیا ہدایات ہیں قلمبند کیجیے۔

10.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. عقیدہ رسالت و آخرت کا تفصیلی جائزہ پیش کیجیے۔
2. تحریف شدہ عقائد پر تفصیلی نوٹ لکھیے۔
3. اسلام اور عیسائیت کی مشترکہ تعلیمات کا جائزہ لیجیے ۔

10.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1.	کتاب مقدس (بائیبل)	: (اردو ترجمہ)
2.	اسلامی قوانین بائبل اور دور جدید کی روشنی میں	: جاوید احمد عنبر مصباحی
3.	عیسائیت تجزیہ و مطالعہ	: پروفیسر ساجد میر
4.	یہودیت عیسائیت اور اسلام	: شیخ احمد دیدات
5.	اسلام اور مذاہب عالم	: حافظ محمد شارق
6.	محاضرات عیسائیت	: مولانا نعمت اللہ اعظمی
7.	مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ	: پروفیسر غلام رسول چیمہ

اکائی 11: پیغمبران خدا

اکائی کے اجزا:

11.0 تمہید

11.1 مقاصد

11.2 سیدنا حضرت آدم علیہ السلام

11.3 سیّدنا حضرت ادریس علیہ السلام

11.4 اول الرسل سیدنا حضرت نوح علیہ السلام

11.5 سیدنا حضرت ہود علیہ السلام

11.6 قوم عاد

11.7 سیدنا حضرت صالح علیہ السلام

11.8 سیدنا لوط علیہ السلام

11.9 سیدنا حضرت شعیب علیہ السلام

11.10 سیدنا حضرت یوشع بن نون علیہ وسلم

11.11 سیدنا حضرت الیاس علیہ السلام

11.12 سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام

11.13 اکتسابی نتائج

11.14 نمونہ امتحانی سوالات

11.14.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

11.14.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

11.14.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

11.15 تجویز کردہ اکتسابی مواد

11.0 تمہید

ابوالبشر سیدنا حضرت آدمؑ سے لے کر سردارِ انبیائے کرام حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری تک اس کائناتِ ارضی میں جتنے بھی انبیاء و رسلؑ اور پیغمبران خدا مبعوث ہوئے، اُن سب کی تشریف آوری کا اصل سبب اور مقصد انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلا کر اللہ واحد و قہار کی وحدانیت اور کبریائی سے آشنا کر کے اُن کی جبینوں کو خالق و مالک حقیقی کے در پر جھکانا تھا۔ ہمیں قرآنِ حکیم اور دیگر صحائف آسمانی کی وساطت سے جتنے انبیاءؑ و مرسلین کی پاکیزہ زندگی کے حالات معلوم ہوئے ہیں، اُن کا ہر ایک لمحہ اقوام و ملل کو تصورِ توحیدِ الٰہی سے آشنائی میں بسر ہوا۔ اور اس جدوجہد میں انہیں انتہائی اندوہ ناک اور صبر آزما اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا اور ایسی ایسی اذیتیں جن کے محض تصور سے ہی انسان کا دل کانپ اٹھتا ہے۔ نتیجتاً نہ صرف اللہ کے اُن مرغوب و محبوب بندوں کو بھی آزمائش کی خوف ناک بھٹی سے گزرنا پڑا بلکہ منکرینِ توحید و نبوت بھی صفحۂ ہستی سے ایسے مٹے کہ بس مثالِ عبرت بن کر رہ گئے۔ اس حوالے سے قوم عاد و ثمود، آلِ فرعون کی گرفت و عذاب کو قرآن کریم نے بہت بلاغت و فصاحت سے بیان فرمایا ہے۔

"انبیاء علیہم السلام کو جس مقصد کے لیے بھیجا گیا وہ یہ تھا کہ دنیا میں انسان کا رویہ اور انسانی زندگی کا نظام فرداً فرداً بھی اور اجتماعی طور پر بھی، عدل پر قائم ہو۔ ایک طرف ہر انسان اپنے خدا کے حقوق، اپنے نفس کے حقوق اور ان تمام بندگانِ خدا کے حقوق، جن سے اس کو کسی طور پر سابقہ پیش آتا ہے، ٹھیک ٹھیک جان لے اور پورے انصاف کے ساتھ ان کو ادا کرے۔ اور دوسری طرف اجتماعی زندگی کا نظام ایسے اصولوں پر تعمیر کیا جائے جن سے معاشرے میں کسی نوعیت کا ظلم باقی نہ رہے، تمدن و تہذیب کا ہر پہلو افراط و تفریط سے محفوظ ہو، حیاتِ اجتماعی کے تمام شعبوں میں صحیح صحیح توازن قائم ہو اور معاشرے کے تمام عناصر انصاف کے ساتھ اپنے حقوق پائیں اور اپنے فرائض ادا کریں۔ بہ الفاظ دیگر انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصود عدلِ انفرادی بھی تھا اور عدلِ اجتماعی بھی۔ وہ ایک ایک فرد کی شخصی زندگی میں بھی عدل قائم کرنا چاہتے تھے، تاکہ اس کے ذہن، اس کی سیرت، اس کے کردار اور اس کے برتاؤ میں توازن پیدا ہو اور انسانی معاشرے کے پورے نظام کو بھی عدل پر قائم کرنا چاہتے تھے، تاکہ فرد اور جماعت دونوں ایک دوسرے کی روحانی، اخلاقی اور مادی فلاح میں مانع و مزاحم ہونے کے بجائے معاون و مددگار ہوں" (یہ اقتباس شریعہ کونسل کی سائٹ sharihcouncil.net سے اخذ کیا گیا ہے)۔

11.1 مقاصد

اس اکائی سے اس بات کا علم ہو سکے کہ پیغمبران خدا کا مقصد بعثت کیا تھا۔

11.2 سیدنا حضرت آدم علیہ السلام

حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان ہیں جن کو اللہ رب العزت نے دنیا میں بھیجا اور سب سے پہلے نبی آپ ہیں، آپ ہی کی اولاد ساری دنیا میں پھیلی آپ کا ذکر قرآن میں 19 بار آیا ہے جب اللہ تعالی نے دنیا کو آباد کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے فرشتوں سے کہا میں دنیا میں اپنا ایک نائب خلیفہ بنانا چاہتا ہوں فرشتوں نے کہا اے اللہ تو دنیا میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے خون کرتا پھرے ہم تیری تعریف کرنے کے ساتھ تیری تسبیح اور پاکی بیان کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالی نے فرمایا میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کو سب چیزوں کے نام سکھا دیے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے کیا اور فرمایا اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ انہوں نے کہا کہ تو پاک ہے جتنا علم تو نے ہم کو بخشا ہے اس کے سوا ہم کو کچھ نہیں معلوم۔ پھر اللہ تعالی نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو وہ سب سجدے میں گر پڑے مگر شیطان نے سجدہ نہیں کیا۔ اس کا ذکر پہلے بھی آیا ہے اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا کہ تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ پیو مگر ایک خاص درخت کے متعلق حضرت آدم علیہ السلام کو منع کر دیا کہ اس کے قریب بھی نہ جانا ورنہ تم بھی ظالموں میں سے ہو جاؤ گے اس طرح اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کا امتحان لیا کہ دیکھیں یہ ہمارا کہنا مانتے ہیں یا بھول جاتے ہیں اور شیطان کے بہکاوے میں آجاتے ہیں۔ شیطان جو پہلے ہی حضرت آدم علیہ السلام سے ناراض تھا کہ ان کی وجہ سے وہ خدا تعالی کے دربار سے نکلا اور خدا تعالی کی لعنت اس پر ہوئی اور اس نے قسم کھائی تھی کہ میں حضرت آدم اور اس کی اولاد کو قیامت تک بہکاتا رہوں گا کہ اللہ تعالی کا کہنا نہ مانے اور خوب برائیاں پھیلائے وہ حضرت آدم اور ان کی بیوی حضرت حوا علیہم السلام کو برابر بہکاتا رہا کہ اس درخت کا پھل تم ضرور کھاؤ اس کے کھانے سے تم فرشتہ بن جاؤ گے جنت میں سے کبھی نہ نکلو گے آخر ایک دن حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی حضرت حوا بھول سے شیطان کی بہکائے میں آگئے اور درخت کا پھل کھالیا۔ پھل کھاتے ہی دونوں ننگے ہو گئے اور جنت کا لباس ان کے بدن سے غائب ہو گیا اور وہ جنت کے پتوں سے اپنے بدن کو چھپانے لگے اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا کہ ہم نے کہہ دیا تھا کہ اس درخت کے پاس بھی نہ جانا اور شیطان کے کہنے میں نہ آنا وہ تمہارا دشمن ہے۔ تم اس کے کہنے میں آگئے اب تم اور حوا جنت سے چلے جاؤ اور دنیا میں جا کر رہو حضرت آدم کو جنت سے نکلے اور شیطان کے بہکاوے میں آنے کا بہت رنج ہوا اور بہت عرصے تک اللہ تعالی سے معافی مانگتے رہے اور روتے رہے کہ اللہ تعالی مجھے معاف کر دے آخر اللہ کو رحم آیا اور حضرت ادم علیہ السلام کو یہ دو دعا سکھائی کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا اور تو ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم بڑا نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے، تو حضرت آدم علیہ السلام نے یہ دعا بہت گڑگڑا کر مانگی اور اللہ تعالی تو بہت رحم کرنے والے ہیں جب کوئی بندہ گناہ کر لیتا ہے اور سچے دل سے توبہ کر لیتا ہے کہ اللہ یہ گناہ تو مجھ سے غلطی سے ہو گیا آئندہ ایسا نہ کروں گا تو وہ معاف کر دیتے ہیں چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو بھی اللہ تعالی نے معاف کر دیا اور پھر کہا کہ تم اور تمہاری اولاد دنیا میں رہو اور یہ بات یاد رکھو کہ جب میری طرف سے کوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم میری ہدایت لے کر تمہارے پاس آئے تو تم اس کا کہنا ماننا جو میرے بھیجے ہوئے نبیوں کا کہنا مانے گا اس کو پھر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ غم ہو گا اور جو لوگ میرے نبیوں کی بات کو نہیں مانیں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے وہ دوزخ میں جائیں گے اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے

اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہم السلام دنیا میں رہنے سہنے لگے خوب جی لگا کر اللہ کی عبادت کرتے ان کی بہت اولاد ہوئی اور دنیا میں سب جگہ آباد ہوتی رہی۔ حضرت آدم علیہ السلام اپنی اولاد کو یہی بات بتاتے رہے کہ تم کبھی شیطان کے بہکاوے میں نہ آنا وہ ہمارا دشمن ہے اور ہم کو بری باتیں کرنے کے لیے بہکاتا رہتا ہے ہمیشہ اللہ کی عبادت کرنا، سچ بولنا، کسی پر ظلم نہ کرنا، ایک دوسرے کے نیک کاموں میں مدد کرتے رہنا آخر کار حضرت آدم علیہ السلام 900 سال زندہ رہ کر وفات پا گئے۔

11.3 سیّدنا حضرت ادریس علیہ السلام

سیدنا ادریس علیہ السلام، سیدنا آدم علیہ السلام کے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ ریاضی، فن کتابت، علم نجوم، فن لباس سازی اور ناپ تول کے آلات کی موجود ہیں اللہ سبحانہ و تعالی نے سیدنا ادریس کو علم فلکیات کے ساتھ ساتھ علم طب بھی عطا فرمایا تھا۔

قرآن کریم میں ان کا ذکر بہت مختصر طور پر کیا گیا جن آیات میں حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر آیا ہے وہ اس طرح ہے۔

"اور کتاب میں ادریس کو یاد کرو۔ بے شک وہ صدیق (اور) اور اللہ کے نبی تھے" (سورہ مریم، 56)

"اور ہم نے اسے بلند مقام پر اٹھالیا" (سورہ مریم، 57)

"اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو (یاد کرو) وہ سب صبر والے تھے۔" (الانبیاء، 85)

قرآن پاک میں جو ایک سچی کتاب ہے سیدنا ادریس علیہ السلام کو سچا نبی کہا گیا ہے۔

انہیں زندگی ہی میں ایک نہایت بلند مرتبہ عطا ہوا اور ان کی موت اس طرح ہوئی کہ ان کو آسمان پر اٹھالیا گیا۔ سیدنا ادریس کے ساتھ ساتھ اللہ سبحانہ نے دوسرے انبیاء کرام سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام، سیدنا حضرت ادریس علیہ السلام اور سیدنا حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ تینوں صبر والے بندے تھے۔ (حیات انبیاء کرام بزبان قرآن، صفحہ 20-21، نگہت نزیر)

11.4 اول الرسل سیدنا حضرت نوح علیہ السلام

اللہ سبحانہ و تعالی کے اولوالعزم پیغمبر "آدم ثانی" سیدنا حضرت نوح علیہ السلام اللہ سبحانہ و تعالی کے سب سے پہلے رسول (یعنی صاحب شریعت) ہیں۔ آپ ایک مشرک اور بت پرست قوم کی طرف مبعوث فرمائے گئے۔ آپ نے اپنی قوم کو توحید باری تعالی کی تعلیم دی۔ لیکن آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلایا اور آپ کی تکذیب کی۔ اپنی قوم کی مسلسل اور ناقابل برداشت رویے کے بعد اللہ سبحانہ و تعالی کے نبی نے اپنی قوم کے لیے بد دعا کی جس کے بعد پانی کا طوفان آیا جسے قرآن پاک کی زبان میں طوفان نوح کا نام دیا گیا ہے۔ اس طوفان میں نہ صرف مشرکین غرق کیے گئے بلکہ خود اللہ سبحانہ و تعالی کے رسول کی بے وفا بیوی اور نافرمان بیٹا بھی بہہ گئے۔ لیکن اللہ سبحانہ و تعالی کے حکم کے تحت بنائی گئی کشتی کے سوار جس میں آپ کے کئی امتی اور کئی جانور تھے وہ سب کے سب بچا لیے گئے آپ نے 950 سال تبلیغ کی اللہ سبحانہ

وتعالی کا ارشاد پاک ہے۔

"اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ ان میں پچاس کم ہزار سال رہے" (العنکبوت:14) اس سورہ کے علاوہ اور بھی کئی مقامات پر حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ ان تمام آیات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے:

سیدنا نوح علیہ السلام کو اللہ سبحانہ و تعالی نے ان کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف بلایا اور کہا کہ اے میری برادری کے لوگو! میری بات سنو. ہم سب کا معبود صرف اللہ ہے جو وحدہ لا شریک ہے. میں تمہاری طرف اسی رب کا پیغام بر بنا کر بھیجا گیا ہوں اللہ تعالی کا یہ پیغام میرے پاس ایک امانت ہے اور میں یہ امانت ان تک پہنچانے کے لیے مامور کیا گیا ہوں۔ میں تمہاری بھلائی اور فلاح چاہتا ہوں میں اللہ سبحانہ و تعالی کا رسول ہونے کی وجہ سے ایسی باتوں سے بھی باخبر ہوں جو تم کو معلوم نہیں ہیں وہ یہ کہ اگر تم نے اللہ سبحانہ و تعالی کی وحدانیت کا اقرار نہ کیا اور بتوں کو اس کا شریک ٹھہراتے رہے تو ایک دن تم پر اللہ تعالی کا سخت عذاب نازل ہو گا۔ اللہ تعالی تم کو ایک مقررہ وقت تک مہلت دے گا تا کہ تم کفر سے باز آ جاؤ اور اللہ تعالی کی وحدانیت کو مان لو ورنہ اللہ سبحانہ و تعالی کا عذاب تمہارا منتظر ہے۔

نوح کی قوم نے جب اللہ کے نبی کی دعوت سنی تو وہ بولے تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ کیا ہو گیا ہے تم کو؟ تم ہمارے جیسے ایک آدمی ہو کر ہمیں ہی سبق دے رہے ہو۔ کیا تم ہم پر اپنی بڑائی جتانا چاہتے ہو اور تم جو کچھ کہہ رہے ہو ہمارے تو باپ دادا نے بھی ایسی کوئی بات نہیں بتائی۔ اللہ تعالی کو ہماری طرف اپنا نبی بنا کر بھیجنے کے لیے تم ہی رہ گئے تھے۔ اگر اللہ تعالی ہمارے پاس اپنا پیغام بھیجنا ہی چاہتا تھا تو کسی فرشتے کو کیوں نہیں بھیجا؟ فرشتے کی باتوں پر ضرور ایمان لے آتے۔ مگر تم، تم تو ہماری ہی طرح بلکہ بہت ہی معمولی اور گئے گزرے آدمی ہو۔ پھر جو تمہارے پیروکار ہیں وہ بھی گھٹیا، رذیل اور کمینے لوگ ہیں۔ تم غالباً گمراہ ہو گئے ہو۔ ہم تو تم کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔ بھلا ہم تم کو اپنے اوپر فضیلت کیسے دے دیں۔ (حیات انبیاء کرام بزبان قرآن، صفحہ 33)

11.5 سیدنا حضرت ہود علیہ السلام

سیدنا حضرت ہود علیہ السلام شہر احقاف میں بسنے والی قوم "عاد کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے۔ آپ نے بھی سیّدنا نوح علیہ السلام کی طرح اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی۔ قوم عاد بت پرست تھی جو اپنے لیے پتھروں سے بلند و بالا محل تعمیر کرتی اور اپنے سے کمزوروں پر ظلم کرتی تھی. قوم عاد (معنی بلند و بالا) اللہ تعالی کے اصولوں کو جھٹلانے اور ان کی تعلیمات سے انکار کی پاداش میں ایک زوردار آندھی کے ذریعے، جسے قرآن پاک میں "ریح صرصر" کا نام دیا گیا ہے ہلاک کی گئی ارشاد باری تعالی ہے:

"تو ہم نے ان پر ریح صرصر روانہ کی" (القمر 19)

"پھر ہم نے ان پر ان کی نحوست کے دنوں میں باد صرصر روانہ کر دی" (حم سجدہ 16)

یہ آندھی ان پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن چلتی رہی۔ قرآن پاک پہلی الہامی کتاب ہے جس میں قوم عاد کا ذکر ملتا ہے۔ سابقہ

کتب میں اس قوم یا اس کی ہلاکت کے بارے میں کچھ مذکور نہیں۔(حیات انبیاء کرام بزبان قرآن، صفحہ 39)

11.6 قوم عاد

حضرت ہود علیہ السلام قوم عاد کی طرف مبعوث کیے گئے چنانچہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قوم عاد کی بابت چند ضروری باتیں پیش کر دی جائیں:

عاد عرب کے قدیم قبیلہ یہ امم سامیہ کے صاحب قوت واقتدار افراد جماعت کا نام ہے۔ تاریخ قدیم کے بعض یورپی مصنفین عاد کو ایک فرضی کہانی (میت لوجی) یقین کرتے ہیں، مگر ان کا یہ یقین بالکل غلط اور سراسر وہم ہے۔ اس لیے کہ جدید تحقیقات کا یہ مسلم فیصلہ ہے کہ عرب کے قدیم باشندے کثرت افراد و قبائل کے اعتبار سے ایک باعظمت وسطوت جماعت کی حیثیت میں تھے جو عرب سے نکل کر شام مصر اور بابل کی طرف بڑھے اور وہاں زبردست حکومت کی بنیادیں قائم کیں، اب فرق صرف اس قدر ہے کہ عرب ان باشندوں کو امم بائدہ (ہلاک ہو جانے والی قومیں) یا عرب عاربہ (خالص عرب) اور ان کی مختلف جماعتوں کے افراد کو عاد ثمود، طسم اور جدیس کہتے ہیں اور مستشرقین یورپ امم سامیہ نام رکھتے ہیں، بس اصطلاحات اور تعبیرات کے فرق سے حقیقت وواقعہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہو جاتی اس لیے قرآن عزیز نے ان کو عاد اولی کہا ہے کہ یہ واضح ہو جائے کہ عرب کی قدیم قوم بنو سام اور عاد اولی ایک ہی حقیقت کی دو نام ہیں۔

عاد کا زمانہ تقریبا دو ہزار قبل حضرت مسیح علیہ السلام مانا جاتا ہے اور قرآن عزیز میں عاد کو "من بعد قوم نوح" کہہ کر قوم نوح کے خلفاء میں سے شمار کیا ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ شام کی دوبارہ آبادی کے بعد امم سامیہ کی طرف بھی عاد ہی سے شروع ہوتی ہے۔

عاد کا مرکزی مقام ارض احقاف ہے یہ حضر موت کہ شمال میں اس طرح واقع ہے کہ اس کے شرق میں عمان ہے اور شمال میں ربع الخالی، مگر آج یہاں ریت کے ٹیلوں کے سوا کچھ نہیں اور بعض مورخین کہتے ہیں کہ ان کی آبادی عرب کے سب سے بہترین حصہ حضرت موت اور یمن میں خلیج فارس کے سواحل سے حدود عراق تک وسیع تھی اور یمن ان کا دارالحکومت تھا۔

عاد اپنے مملکت کی سطوت و جبروت، جسمانی قوت وصولت کے غرور میں ایسے چمکے کہ انہوں نے خدائے واحد کو بالکل بھلا دیا اور اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے بتوں کو اپنا معبود مان کر ہر قسم کے شیطانی اعمال بے خوف وخطر کرنے لگے۔ تب اللہ تعالی نے انہی میں ایک پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا حضرت ہود علیہ السلام عاد کی سب سے زیادہ معزز شاخ خلود کے ایک فرد تھے سرخ وسپید رنگ اور وجیہ تھے ان کی داڑھی بڑی تھی۔

انہوں نے اپنی قوم کو اللہ تعالی کی توحید اور اس کی عبادت کی طرف دعوت دی اور لوگوں پر ظلم وجور کرنے سے منع فرمایا مگر عاد نے ایک نہ مانی اور ان کو سختی کے ساتھ جھٹلایا اور غرور تکبر کے ساتھ کہنے لگے آج دنیا میں ہم سے زیادہ شوکت و جبر کا مالک کون ہے۔ مگر حضرت ہود علیہ السلام مسلسل اسلام کی تبلیغ میں لگے رہے اور اپنی قوم کو عذاب الہی سے ڈراتے رہے اور غرور و سرکشی کے نتائج بتا کر قوم نوح کے واقعات یاد دلاتے رہے۔(قصص القرآن، صفحہ 74-76 مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی)

11.7 سیدنا حضرت صالح علیہ السلام

سیدنا حضرت ہود علیہ السلام اور سیدنا حضرت صالح علیہ السلام دو ایسے پیغمبر ان خدا تھے جو سیدنا حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ان کے جانشین بن کر عرب کے دو قبیلوں عاد (حضرت ہود کی قوم) اور ثمود (حضرت صالح علیہ السلام کی قوم) کی طرف بھیجے گئے۔ قرآن کریم نے قوم ثمود کو وادیٔ حجر کے باشندہ بیان کیا ہے۔ یہ لوگ بھی قوم عاد کی طرح پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے۔ جب سیدنا صالح علیہ السلام نے قوم ثمود کو دعوت توحید دی تو انہوں نے آپ کو جھوٹا، خود پسند، شہرت کا خواہاں، سحر زدہ اور دیوانہ جیسے الفاظ سے پکارا، لیکن جب سیدنا صالح علیہ السلام اپنے ارادے پر اٹل رہے تو قوم ثمود نے آپ سے نشانی طلب کی اور قیامت کو جھٹلایا۔ تب اللہ تعالی نے ایک اونٹنی ان کے لیے ایک آزمائش اور نشانی کے طور پر بھیجی۔ قوم ثمود نے باوجود منع کیے جانے کے اونٹنی کے ساتھ ظلم کیا اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کو ایک ہلاک کر دینے والی بجلی کی کڑک سے جسے قرآن میں کہیں صاعقہ (بجلی کی کڑک) کہیں رجفہ (زلزلہ) کا نام دیا ہے۔ اللہ نے قوم ثمود کے ان لوگوں کو ہلاک کر ڈالا جنہوں نے سیدنا صالح علیہ السلام کی تکذیب کی اور اللہ تعالی کے فرمان سے منھ موڑا۔ (حیات انبیاء کرام بزبان قرآن، صفحہ 50)

حضرت صالح علیہ السلام کو جس قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا اس قوم کو قوم ثمود کے نام سے جانا جاتا ہے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ثمود کی بستی کہاں آباد تھی اور ان کا مذہب کیا تھا اس پر بھی مختصر روشنی ڈال دی جائے:

ثمود کہاں آباد تھے اور کس خطے میں پھیلے ہوئے تھے؟ اس کے متعلق یہ طے شدہ امر ہے کہ ان کی آبادیاں حجر میں تھیں حجاز اور شام کے درمیان وادی قری تک جو میدان نظر آتا ہے یہ سب ان کا مقام سکونت ہے اور آج کل "فج الناقہ" کے نام سے مشہور ہے۔ ثمود کی بستیوں کے کھنڈرات اور آثار آج تک موجود ہیں اور اس زمانے میں بھی بعض مصری اہل تحقیق نے ان کو اپنی انکھوں سے دیکھا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ وہ ایک ایسے مکان میں داخل ہوئے جو شاہی حویلی کہی جاتی ہے اس میں متعدد کمرے ہیں اور اس حویلی کے ساتھ ایک بہت بڑا حوض ہے اور یہ پورا مکان پہاڑ کاٹ کر بنایا گیا ہے۔

حجر کا یہ مقام جو حجر ثمود کہلاتا ہے شہر مدین سے جنوب مشرق میں اس طرح واقع ہے کہ خلیج عقبہ اس کے سامنے پڑتی ہے اور جس طرح عاد کو عاد ارم کہا گیا ہے (حتی کہ قرآن عزیز نے تو ارم کو ان کی مستقل صفت بھی بنا دیا ہے) اسی طرح ان کی ہلاکت کے بعد ان کو ثمود ارم یا عاد ثانیہ کہا جاتا ہے۔ (قصص القرآن، صفحہ 89) ثمود اپنے بت پرست پیش روؤں کی طرح بت پرست تھے خدائے واحد کے علاوہ بہت سے معبودان باطل کی پرستار اور شرک میں مبتلا تھے اس لیے ان کی اصلاح اور احقاق حق کے لیے انہی کے قبیلے میں حضرت صالح علیہ السلام کو ناصح پیغمبر رسول بنا کر بھیجا گیا تا کہ وہ ان کو راہ راست پر لائیں، ان کو خدا کی نعمتیں یاد دلائیں جن سے صبح شام وہ محظوظ ہوتے رہتے ہیں اور ان پر واضح کریں کہ کائنات کی ہر شئ خدا کی توحید اور یکتائی پر شاہد ہے اور یقینی دلائل اور مسکت براہین کے ساتھ ان کی گمراہی کو ظاہر کریں اور بتائیں کہ پرستش وعبادت کے لائق ذات احد کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں ہے۔ (قصص القرآن، صفحہ 91)

11.8 سیدنا لوط علیہ السلام

سیدنا حضرت لوط علیہ السلام وہ نبی ہیں جو سیدنا حضرت ابراہیم پر اس وقت ایمان لائے جب وہ ابراہیم اپنی قوم سے بیزار ہو کر ہجرت کر گئے تھے. بعد میں حضرت لوط علیہ السلام کو بھی اللہ تعالی کا پیغمبر منتخب کیا گیا. وہ ایک ایسی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے جس قوم کو ایک نہایت غلیظ اور گھناؤنا گناہ کرنے کی عادت تھی۔ آپ جس قوم کی طرف بھیجے گئے اس قوم میں تین جرائم عام تھے۔

1. مرد کی مرد کے ساتھ بد فعلی
2. مسافروں کو لوٹنا
3. اپنی مجالس میں کھلم کھلا سب کے سامنے گناہ کرنا۔

جب سیدنا لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں کو لواطت جیسے غلیظ گناہ سے باز رہنے کو کہا تو آپ کی قوم نے آپ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ دراصل وہ لوگ اپنی بہتری نہیں چاہتے تھے۔ جب یہ لوگ گناہ کی روش پر بدستور قائم رہے تو اللہ تعالی نے سیدنا لوط کی طرف چند فرشتے نوجوان لڑکوں کے بھیس میں بھیجے قوم لوط نے انہیں اپنا عمدہ شکار سمجھا اور ان کو ساتھ لے جانے کے لیے جمع ہو گئے اللہ تعالی کے نبی نے قوم کو منع کیا مگر وہ لوگ عادت سے مجبور تھے۔ اللہ تعالی کے نبی لوگوں کی اس حرکت پر ملول ہوئے تو فرشتوں نے انہیں اپنی اصلیت سے آگاہ کیا اور اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔ فرشتوں نے بتایا کہ پیغمبر (لوط) کی اہلیہ بھی عذاب کی زد میں آئے گی چنانچہ قوم لوط پر عذاب نازل ہوا اور اللہ سبحانہ و تعالی کے پیغمبر کی بے وفا بیوی بھی اس عذاب کا شکار ہوئی۔ (حیات انبیاء بزبان قرآن، صفحہ 89)

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم کی برادر زادہ ہیں ان کے والد کا نام ہاران تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام کا بچپن حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے زیر سایہ گزرا اور ان کی نشو و نما حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہی آغوش تربیت کی رہین منت تھی۔ اس لیے وہ اور حضرت سارہ ملت ابراہیمی کے پہلے مسلم اور "السابقون الاولون" میں داخل ہیں۔

تورات میں ہے کہ مصر کے قیام میں چونکہ دونوں کے پاس کافی ساز و سامان تھا اور مویشیوں کی بڑے بڑے ریوڑ تھے اس لیے ان کے چرواہوں اور محافظوں کے درمیان بہت زیادہ کشمکش رہتی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چرواہے چاہتے تھے کہ اس چراگاہ اور سبز زار سے پہلے ہمارے ریوڑ فائدہ اٹھائیں اور حضرت لوط علیہ السلام کے چرواہوں کی خواہش ہوتی کہ اول ہمارا حق سمجھا جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس صورتحال کا اندازہ کر کے حضرت لوط علیہ السلام سے مشورہ کیا اور دونوں کی صلاح یہ طے پایا کہ باہمی تعلقات کی خوشگواری اور دائمی محبت و الفت کی بقا کے لیے ضروری ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام مصر سے ہجرت کر کے شرق اردن کے علاقہ سدوم اور عامورہ چلے جائیں اور وہاں رہ کر دین حنیف کی تبلیغ کرتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسالت کا پیغام حق سناتے رہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر واپس فلسطین چلے جائیں اور وہاں رہ کر اسلام کی تعلیم و تبلیغ کو سربلند کریں۔

اردن کی وہ جانب جہاں آج بحر میت یا بحر لوط واقع ہے یہی وہ جگہ ہے جس میں سدوم اور عامورہ کی بستیاں آباد تھیں۔ اس کے

قریب بسنے والوں کا یہ اعتقاد ہے کہ پہلے یہ تمام حصہ جو اب سمندر نظر آتا ہے کسی زمانے میں خشک زمین تھی اور اس پر شہر آباد تھے۔ سدوم وعاموره کی آبادیاں اسی مقام پر تھیں۔ یہ مقام شروع سے سمندر نہیں تھا بلکہ جب قوم لوط پر عذاب آیا اور اس سرزمین کا تختہ الٹ دیا گیا اور سخت زلزلے اور بھونچال آئے تب یہ زمین تقریباً چار سو میٹر سمندر سے نیچے چلی گئی اور پانی ابھر آیا اس لیے اس کا نام بحر میت اور بحر لوط ہے۔(قصص القرآن، صفحہ 179)

قوم لوط کی بد اعمالیوں کے متعلق تاریخ میں بہت کچھ ملتا ہے جن میں سے چند باتیں مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی نے اپنی کتاب قصص القرآن میں ذکر کی ہیں:

لوط علیہ السلام نے جب سدوم میں آکر قیام کیا تو دیکھا کہ یہاں کے باشندے فواحش اور معصیتوں میں اس قدر مبتلا ہیں کہ ءالامان الحفیظ، دنیا کی کوئی برائی ایسی نہیں تھی جو ان میں موجود نہ ہو اور کوئی خوبی ایسی نہیں تھی جو ان میں پائی جاتی ہو۔ دنیا کی سرکش متمرد اور بداخلاق وبداطوار اقوام کے دوسرے عیوب وفواحش کے علاوہ یہ قوم ایک خبیث عمل کی موجد تھی یعنی اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے وہ عورتوں کے بجائے مرد لڑکوں سے اختلاط رکھتے تھے دنیا کی قوموں میں اس عمل کا اس وقت تک قطعاً کوئی رواج نہ تھا۔ یہی بدبخت قوم ہے جس نے اس ناپاک عمل کی ایجاد کی۔ اس عمل کا نام لواطت مشہور ہے اور اس سے بھی زیادہ شرارت وخباثت اور بے حیائی یہ تھی کہ وہ اپنی اس بدکرداری کو عیب نہیں سمجھتے تھے اور علی الاعلان فخر ومباہات کے ساتھ اس کو کرتے رہتے تھے۔(قصص القرآن، صفحہ 180)

11.9 سیدنا حضرت شعیب علیہ السلام

سیدنا حضرت شعیب علیہ السلام قدیم ایران کے علاقہ مدین میں مقیم اقوام اہل مدین، اصحاب الایکہ اور اصحاب الرس کی طرف مبعوث فرمائے گئے۔ اللہ سبحانہ وتعالی نے آپ کو کمال کی وعظ ونصیحت کے ہنر سے مالا مال کیا تھا اور اسی حسن خطابت کی وجہ سے آپ کو "خطیب الانبیاء" کا لقب ملا۔

آپ کو جن اقوام کی طرف بھیجا گیا وہ صرف مشرک ہی نہ تھی بلکہ جعل سازی، دھوکہ دہی، بددیانتی اور ظلم وفساد جیسی بری عادات میں بھی مبتلا تھی۔ ناپ تول میں بے ایمانی، جعلی اشرفیاں اور رائج الوقت سکے بنانا اور رہزنی ان میں عام تھی۔ سیدنا شعیب علیہ السلام نے انہیں راہ راست پر لانے کی بڑی کوشش کی۔ لیکن وہ نہ توبت پرستی سے باز آئے اور نہ ہی اپنی قبیح عادت کو ترک کرنے پر تیار ہوئے۔ وہ سیدنا شعیب علیہ السلام کا تمسخر اڑاتے اور انہیں دھمکیاں دیتے جب آپ علیہ السلام نے قوم سے کہا کہ اگر تم نے اللہ تعالی کی وحدانیت کا اقرار نہ کیا، مجھ پر ایمان نہ لائے اور اپنی بری عادت ترک نہ کی تو تم لوگوں پر اللہ سبحانہ وتعالی کا عذاب آئے گا۔ جس سے تم کو کوئی نہیں بچا سکے گا۔ تو ان کافروں نے سیدنا شعیب علیہ السلام کا مذاق اڑایا اور کہا کہ تم ہم پر عذاب لے آؤ۔ چنانچہ ان پر اللہ سبحانہ وتعالی کا عذاب نازل ہوا اور یہ قوم تباہ وبرباد ہوگئی۔(حیات انبیاء بزبان قرآن، صفحہ 149)

قرآن کریم میں مذکور ہے کہ شعیب علیہ السلام کی قوم کو ان کی نافرمانی اور سرکشی کی وجہ سے دو قسم کے عذاب میں مبتلا کیا گیا

،ایک زلزلہ کا عذاب اور دوسرا آگ کی بارش کا عذاب۔ یعنی جب وہ اپنے گھروں میں آرام کر رہے تھے تو یک بیک ایک ہولناک زلزلہ آیا اور ابھی یہ ہولناکی ختم نہ ہوئی تھی کہ اوپر سے آگ برسنے لگی اور نتیجہ یہ نکلا کہ صبح کو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ کل کے سرکش اور مغرور آج گھٹنوں کے بل اوندھے جھلسے ہوئے پڑے ہیں۔ (قصص القرآن، صفحہ 242)

11.10 سیدنا حضرت یوشع بن نون علیہ السلام

سیدنا یوشع بن نون علیہ السلام سیدنا موسی علیہ السلام کے وہ شاگرد ہیں جو ان کے ساتھ سیدنا خضر حیات کی تلاش میں گئے تھے۔ قرآن پاک میں کہیں بھی آپ کو آپ کے نام سے نہیں پکارا گیا ہے۔ ہاں آپ کا ذکر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ضرور کیا گیا ہے۔

حضرت موسی علیہ السلام کی زندگی مبارک کے واقعات میں حضرت ہارون علیہ السلام کے بعد تورات میں حضرت یوشع (یشوع) کا ذکر بکثرت آتا ہے۔ یہ حضرت موسی علیہ السلام کی حیات میں ان کے خادم تھے اور حضرت ہارون اور حضرت موسی علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ اور جانشین نبوت بنے۔ کنان میں جابر اور مشرک قوموں کے حالات معلوم کرنے کے لیے جو وفد گیا تھا اس کے ایک رکن یہ بھی تھے اور جب حضرت موسی علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ان قوموں سے جنگ کرنے کی دعوت و ترغیب دی اور انہوں نے انکار کیا تب یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے بنی اسرائیل کو جرات و ہمت دلانے کی کوشش کی، خدا کا وعدہ نصرت یاد دلا کر جہاد پر اکسایا اور کہا کہ اگر تم جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ یقیناً فتح تمہاری ہے۔ (قصص القرآن، جلد دوم، صفحہ 400)

11.11 سیدنا حضرت الیاس علیہ السلام

سیدنا حضرت الیاس علیہ السلام اللہ تعالی کے برگزیدہ پیغمبر تھے۔ آپ کو اللہ تعالی نے ایک بستی کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا مگر اس بستی کا نام یا اس قوم کا نام جس کی طرف آپ مبعوث ہوئے قرآن پاک میں ظاہر نہیں کیا گیا۔ اللہ تعالی نے سیدنا الیاس علیہ السلام کے اپنے بارے میں یا آپ کے آباء کے متعلق کچھ نہیں بتایا بلکہ صرف آپ کا نام دوسرے انبیاء کرام کے ساتھ دیا ہے اور ان سب کی صفات بیان فرمائی ہیں کہ ان کے باپ دادا کو بھی اللہ تعالی نے نیک بندے کہہ کر پکارا اور یاد کیا ہے۔ جس بستی کی طرف آپ دعوت توحید لے کر گئے اس بستی والوں کی چند افراد کے سوا باقی تمام لوگوں نے آپ کی تعلیمات کا انکار کیا اور اس کا حشر کیا ہوا؟ یہ بھی نہیں بتایا گیا. لیکن یہ کہا گیا ہے کہ سیدنا الیاس علیہ السلام کا ذکر بعد میں آنے والوں کی ہدایت و تقویت کے لیے باقی رکھا گیا۔ (حیات انبیاء بزبان قرآن، صفحہ 220)

سیدنا حضرت الیاس علیہ السلام کو کس قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا اس کی وضاحت اگرچہ قرآن کریم میں نہیں ملتی ہے البتہ کتب تفاسیر میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

حضرت الیاس علیہ السلام کی بعثت کے متعلق مفسرین اور مورخین کا اتفاق ہے کہ وہ شام کے باشندوں کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے تھے اور بعلبک کا مشہور شہر سے ان کی رسالت و ہدایت کا مرکز تھا۔ حضرت الیاس علیہ السلام کی قوم مشہور بت بعل کی پرستار اور توحید سے بیزار شرک میں مبتلا تھی۔ خدا کے برگزیدہ پیغمبر نے ان کو سمجھایا اور راہ ہدایت دکھائی۔ صنم پرستی اور کواکب پرستی کے خلاف وعظ و پند

کرتے ہوئے توحید خالص کی جانب دعوت دی۔(قصص القرآن، جلد دوم، صفحہ 412)

11.12 سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام

سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام اللہ سبحانہ و تعالی کے پہلے نبی ہیں جو بیک وقت نبوت اور حکومت سے سرفراز کیے گئے۔ پھر آپ کو بنی نوع انسان کے جد امجد اور اللہ تعالی کے سب سے پہلے نبی سیدنا حضرت آدم علیہ السلام والے لقب "خلیفۃ اللہ" سے مشرف کیا گیا. آپ کو زرہ بنانے کا فن سکھایا گیا اور لوہا آپ کے ہاتھوں میں موم کی مانند نرم کر دیا گیا تا کہ آپ حسب ضرورت لوہے کو ڈھال کر زرہ تیار کر سکیں۔ اللہ تعالی نے سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام کو صاحب کتاب رسول کیا اور آپ پر "زبور" نازل فرمائی جو چار آسمانی کتابوں میں سے ایک ہے۔ آپ کو خوش الحانی سے نوازا گیا۔ آپ نہایت خوش الحانی سے زبور کی تلاوت کرتے جو سننے والوں کے دل میں اتر جاتی۔ اسی وجہ سے آج تک "لحن داؤدی" کو آواز کی دنیا میں ضرب المثل کی حیثیت حاصل ہے.

اللہ تعالی نے سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام کو سیدنا سلیمان علیہ السلام جیسا جلیل القدر اور فرمانبردار فرزند عطا فرمایا آپ علیہ السلام جانوروں کی بولیاں سمجھتے (منطق الطیر) تھے. اللہ تعالی نے یہ وصف آپ کے بیٹے کو بطور وراثت عطا فرمایا۔ پہاڑوں کو سیدنا داؤد علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیا۔ جب سیدنا داؤد علیہ السلام خوش الحانی کے ساتھ اللہ تعالی کی حمد و ثنا بیان کرتے اور تسبیح فرماتے تو پہاڑ اور پرندے آپ کے ساتھ مل کر اللہ تعالی کی تسبیح بیان کرتے تھے۔(حیات انبیاء بزبان قرآن، صفحہ 241)

11.13 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ انسانوں کی رہنمائی اور روئے زمین پر عدل و انصاف قائم کرنے کے لیے مبعوث فرمایا۔
- حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے بھی پیغمبر مبعوث کیے گئے تھے ان کا بنیادی طور پر ایک ایک مقصد یہ تھا کہ انسانوں کو تمام طرح کی غلامی اور محکومی سے نجات حاصل ہو سکے اور نوع انسانی اللہ تعالیٰ کے آگے جھکنے والی ہو جائے۔
- اسی طرح یہ بات بھی پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ انبیاء اکرام کو جن اقوام و ملل اور طبقات انسانی کی طرف نبی یا رسول بنا کر بھیجا وہ قومیں عموماً سرکش متمرد اور بد اخلاق و بد کردار تھیں لہذا جن اقوام نے انبیاء کرام کی اطاعت و فرمانبرداری کی وہ کامیاب و کامران ہوئیں اور جن قوموں نے اپنے وقت کے نبی کی اطاعت سے روگردانی کی انہیں سخت عذاب سے دوچار ہونا پڑا۔
- تمام پیغمبران خدا نے توحید کا پیغام دیا اور کامیابی و فلاح کا راز یہی بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کر لو اور اپنے وقت کی شریعت کے مطابق زندگی گزارنے والے ہو جاؤ تو تم فلاح و بہبود سے ہمکنار ہو جاؤ گے۔
- جن قوموں نے انبیاء کرام کی تکذیب کی اور ان کی بات کو نہیں مانا ان قوموں کو عذاب میں مبتلا کیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں ان کے عذاب کا ذکر ہے۔ کسی کو آگ کا عذاب دیا گیا، کسی قوم پر پتھر برسائے گئے اور کسی قوم کو ہوا کے ذریعہ تباہ برباد کیا گیا۔

11.14 نمونہ امتحانی سوالات

11.14.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. ابوالبشر سے کس نبی کو یاد کیا جاتا ہے؟

(a). حضرت آدمؑ (b). حضرت موسیٰؑ (c). حضرت شعیبؑ (d). حضرت الیاسؑ

2. خطیب الانبیاء کس نبی کو کہا جاتا ہے؟

(a). حضرت محمدؐ (b). حضرت یحییٰؑ (c). حضرت داؤدؑ (d). حضرت شعیبؑ

3. زبور نامی آسمانی کتاب کس نبی کو دی گئی؟

(a). حضرت داؤدؑ (b). حضرت عیسیٰؑ (c). حضرت ہودؑ (d). ان میں سے کوئی نہیں

4. صالح علیہ السلام کی ان میں سے کس قوم کی طرف مبعوث کیے گئے؟

(a). قوم عمالقہ (b). قوم عاد (c). قوم ثمود (d). اصحاب الایکہ

5. آدم ثانی ان میں سے کس نبی کو کہا جاتا ہے؟

(a). حضرت عیسیٰؑ کو (b). حضرت داؤدؑ کو (c). حضرت نوحؑ (d). ان میں سے کوئی نہیں

6. قوم عاد کا تعلق کس نبی سے تھا؟

(a). حضرت شعیبؑ (b). حضرت ہودؑ (c). حضرت ذوالکفلؑ (d). حضرت الیاسؑ

7. کس نبی کی قوم مشہور بت بعل کی پرستش میں مبتلا تھی؟

(a). حضرت ادریسؑ (b). حضرت الیاسؑ (c). حضرت آدمؑ (d). حضرت لوطؑ

8. اصحاب الایکہ کس نبی کی قوم تھی؟

(a). حضرت شعیبؑ (b). حضرت الیاسؑ (c). حضرت نوحؑ (d). حضرت داؤدؑ

9. نوح علیہ السلام کی عمر قرآن کے مطابق کتنی برس ہوئی؟

(a). نو سو پچاس برس (b). نو سو تیس برس (c). نو سو اسی برس (d). ایک ہزار برس

10. اہل ایمان کو بچانے کے لیے کس نبی نے کشتی بنائی؟

(a). حضرت نوحؑ نے (b). حضرت آدمؑ نے (c). حضرت شیثؑ نے (d). حضرت الیاسؑ نے

11.14.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ مختصر نوٹ کیجیے؟
2. حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق مختصر بیان کیجیے؟
3. لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کے حالات مختصر لکھیے؟
4. شعیب علیہ السلام کی دعوتِ سرگرمیوں کو مختصر تحریر کیجیے؟
5. صالح علیہ السلام کے معجزہ پر مختصر روشنی ڈالیے۔

11.14.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. حضرت الیاس علیہ السلام کی زندگی کو تفصیل سے پیش کیجیے؟
2. حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق ایک جامع مضمون لکھیے؟
3. حضرت داؤد علیہ السلام پر ایک جامع نوٹ تحریر کیجیے۔

11.15 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. قصص القرآن : مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی
2. حیات انبیاء بزبان قرآن : ڈاکٹر نگہت نزیر
3. حیات انبیاء : محمد احمد غضنفر
4. آدم سے محمد تک : مفتی رفیع عثمانی
5. صحیح سیرت انبیاء : سیف اللہ خالد

اکائی 12: توحید و آخرت

اکائی کے اجزا:

12.0 تمہید

12.1 مقاصد

12.2 ہندو مت میں تصور توحید

12.3 بت پرستی کی ابتدا

12.4 عقیدہ تناسخ یا ارواح یا آواگون

12.5 عقیدہ تناسخ ارواح کی حقیقت

12.5.1 ہندوؤں کا ایمان تناسخ ارواح پر ضروری ہے

12.6 تصور آخرت

12.7 بدھ مت میں خدا کا تصور

12.7.1 بدھ مت میں آخرت کا تصور

12.8 جین مت میں خدا کا تصور

12.8.1 جین مت میں آخرت کا تصور

12.9 سکھ مت میں خدا کا تصور

12.9.1 سکھ مت میں آخرت کا تصور

12.10 اکتسابی نتائج

12.11 نمونہ امتحانی سوالات

12.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

12.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

12.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

12.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد

12.0 تمہید

مذاہب و ادیان کی تعلیمات میں خدا اور آخرت کے تصور و عقیدہ کی بابت چیزیں ملتی ہیں لیکن دنیا میں تمام مذاہب میں توحید اور آخرت کا تصور یکساں نہیں ہے۔ کسی مذہب میں خدا کا تصور من و عن وہی پایا جاتا ہے جو اسلام میں پایا جاتا ہے۔ بعض مذاہب میں شرک کی آمیزش پائی جاتی ہے تو بعض مذاہب میں خدا کا کوئی عقیدہ یا نظریہ نہیں ہے بلکہ الحاد و دہریت پائی جاتی ہے۔

اب ذرا دیکھیے کہ جو نظریہ سامی مذاہب میں خدا و آخرت کے متعلق پایا جاتا ہے وہ نظریہ ہندوستانی مذاہب یعنی بدھ مت، جین مت، سکھ مت اور ہندو دھرم میں نہیں پایا جاتا ہے۔

ہندو دھرم میں توحید کے ساتھ ساتھ شرک اور بت پرستی کی آمیزش ہے تو وہیں آخرت کے متعلق موکش کا نظریہ یعنی آواگمن سے نجات کا تصور ملتا ہے۔ بدھ مت میں خدا کی بابت کوئی واضح عقیدہ نہیں ہے بلکہ بدھ مت تو الحاد و دہریت پر مبنی مذہب ہے۔ اور آخرت کی بابت نروان پر یقین رکھتا ہے۔ البتہ سکھ دھرم میں توحید کا تصور پایا جاتا ہے لیکن آخرت کے متعلق وہی فلسفہ ہے جو ہندو دھرم میں پایا جاتا ہے یعنی آواگمن کا عقیدہ۔

گویا یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ کہ اسلام کے علاوہ جتنے بھی مذاہب ہیں ان میں توحید اور آخرت کے عقیدہ کے متعلق شفافیت نہیں ہے۔

12.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں اس بات کا علم ہو سکے کہ ہندوستانی مذاہب میں توحید و آخرت کے عقیدہ کے متعلق کیا تعلیمات ملتی ہیں۔

12.2 ہندو مت میں تصور توحید

یہ حقیقت ہے کہ دنیا کے ہر مذہب میں خدا کا عقیدہ پایا جاتا ہے، جہاں تک ہندوازم کی بات کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ان کے یہاں بھی توحید کا عنصر ملتا ہے، چنانچہ ابوریحان البیرونی نے اپنی معروف تصنیف "کتاب الہند" میں تصور توحید کی بابت لکھا ہے:

"اللہ پاک کی شان میں ہندوؤں کا اعتقاد یہ ہے کہ وہ واحد ہے ،ازلی ہے، جس کی نہ ابتدا ہے،نہ انتہا، اپنے فعل میں مختار ہے، قادر ہے، حکیم ہے،زندہ ہے،زندہ کرنے والا ہے،صاحب تدبیر ہے، باقی رکھنے والا ہے اپنی بادشاہت میں یگانہ ہے، جس کا کوئی مقابل

اور مماثل نہیں ہے، نہ وہ کسی چیز سے مشابہ ہے اور نہ کوئی چیز اس کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے"۔ (بیرونی، ابوریحان، محمد بن احمد (1048ء م) کتاب البیرونی فی تحقیق ماللہند، مترجم سید اصغر علی، ص27)

ان الفاظ کو نقل کرنے کے بعد بیرونی نے ان کی کتاب پاتنجلی سے خدا کی ذات اور صفات کے متعلق ایک مکالمہ نقل کیا ہے۔ ذیل میں وہ مکالمہ پیش خدمت ہے:

کتاب پاتنجلی میں سائل دریافت کرتا ہے۔

سائل۔ وہ معبود کون ہے، جس کی عبادت کرنے سے توفیق (یعنی نیک کام کی استعداد اور اس کی طرف توجہ) حاصل ہوتی ہے۔

مجیب۔ یہ معبود وہ ہے جو بسبب اپنے ازلی اور واحد ہونے کے اس فعل سے بے نیاز ہے، جس کی مکافات میں راحت کی آرزو، یا امید کی جاتی یا تکلیف سے خوف اور ڈر رکھا جاتا ہے، وہ (مخلوق کے) افکار و خیالات سے بری ہے، اس لئے کہ وہ اضداد مکروہہ اور انداد محبوبہ سے بالاتر ہے۔ وہ ازل سے ابد تک بذات خود عالم ہے، اس لئے کہ باہر سے اس چیز کا علم آتا ہے، جو پہلے معلوم نہ تھی، حالانکہ اس پر کسی حال اور کسی وقت میں جہل وارد نہیں ہوتا۔

اس کے بعد سائل دریافت کرتا ہے:

سائل۔ ان صفات کے علاوہ جو آپ نے بیان کیں وہ دوسری صفات رکھتا ہے؟

مجیب۔ اس کو اکمل برتری ہے، قدر (علو مرتبت) میں نہ کہ مکان میں، اس لئے کہ وہ اس سے بزرگ ہے کہ مکان میں ہو، وہ کامل اور خالص خیر ہے، جس کی طلب اور جس کی طرف اشتیاق ہر موجود کو ہے، اور وہ علم ہے بھول اور جہل کی کثافت سے پاک۔

سائل۔ آپ کو کلام کے ساتھ موصوف کرتے ہیں یا نہیں؟

مجیب۔ جب وہ عالم ہے تو لا محالہ متکلم بھی ہے۔

سائل۔ اگر وہ عالم ہونے کی وجہ سے متکلم ہے تو ان میں اور ان ذی علم حکیموں میں کیا فرق ہے جنہوں نے اپنے عالم ہونے کی وجہ سے کام کیا؟

مجیب۔ ان کے درمیان فرق کرنے والا زمانہ ہے، ان پر تعلم اور تکلم کرنے سے پہلے ایسا زمانہ بھی گزرا ہے جب وہ عالم اور متکلم نہیں تھے اور (عالم اور حکیم ہو چکنے کے بعد) انہوں نے کلام کے ذریعہ سے اپنے علوم کو دوسروں پر منتقل کیا، اسی لئے حکیموں کا کلام اور ان کا افادہ (یعنی اپنا علم دوسروں میں منتقل کرنا) زمانی ہے، امور الٰہیہ کو زمانہ کے ساتھ اتصال نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ پاک ازل ہی سے عالم اور متکلم ہے، وہی تھا جس نے برہما اور دوسرے اگلے لوگوں سے مختلف طریقوں سے کلام کیا تھا، کسی پر کتاب القاء کی، کسی کے لئے کسی دوسرے واسطہ کا دروازہ کھولا، کسی پر وحی نازل کی اور جس کو اس نے جو کچھ بخشا، اس نے اس کو فکر سے پایا۔

سائل۔ اس کو یہ علم کہاں سے آیا؟

مجیب۔ اس کا علم ازل سے ایک حال پر ہے، وہ کبھی جاہل نہیں تھا، پس اس کی ذات ہی عالم ہے، اور اس نے کوئی ایسا علم کسب نہیں کیا ہے جو اس کو حاصل نہیں تھا، جیسا اس نے "بید" (وید) میں جس کو اس نے "برہما" پر نازل کیا، فرمایا ہے کہ حمد کرو اور مدح کرو اس کی جس نے بید (وید) کے ساتھ کلام کیا (یعنی بید جس کا کلام ہے) اور جو بید (وید) سے قبل موجود تھا۔

سائل۔ اس کی عبادت کیوں کر سکتے ہیں جس کو احساس چھو نہیں سکتا؟

مجیب۔ اس کے نام کا ہونا اس کی ذات کی موجودیت کو ثابت کرتا ہے، اس لئے کہ خبر بغیر کسی شئ کے اور اسم بغیر کسی مسمّیٰ کے نہیں ہوتا، اگرچہ وہ حواس سے ایسا غائب ہے کہ اس سے دریافت نہیں ہو سکتا لیکن نفس اس کو سمجھتا ہے اور فکر اس کی صفات کا علم رکھتی ہے۔ یہی اس کی خالص عبادت ہے اور اس کی مداومت کرنے کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ (ایضاً، ص27تا29)

بیرونی نے خدا کی ذات وصفات سے متعلق ایک اقتباس گیتا سے نقل کیا ہے:

"بلاشبہ میں وہ کل ہوں جس کی ولادت سے ابتداء ہے نہ موت سے انتہاء۔ میرا مقصود اپنے فعل سے مکافات نہیں ہے اور نہ میں محبت یا عداوت کی بناء پر ایک طبقہ کے مقابلہ میں دوسرے کے ساتھ کوئی خصوصیت رکھتا ہوں۔ میں نے اپنی ہر ایک مخلوق کو وہ چیز جس کی وہ اپنے فعل میں حاجت رکھتی ہے، دے رکھی ہے۔ پس جو شخص مجھ کو اس صفت کے ساتھ پہچانتا ہے اور خواہشات کو عمل سے دور رکھتے ہیں میری مشابہت اختیار کرتا ہے، اس کی بندش کھل جاتی ہے اور اسکی نجات اور آزادی آسان ہو جاتی ہے"۔ (ایضاً، ص29۔30)

بیرونی نے گیتا کے حوالہ سے خدا کی عبادت کا تصور پیش کیا ہے کہ جو لوگ خدا کی عبادت کسی حاجت کے پورا ہونے کی طمع سے کرتے ہیں، وہ لوگ خدا کی معرفت سے محروم ہیں:

"اکثر لوگ اپنی حاجت پوری ہونے کے لالچ میں بے اختیاری کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اگر تم کو ان لوگوں کے اصلی خیالات سے واقفیت ہو تو تم ان کو اللہ کی معرفت سے بہت دور پاؤ گے۔ اللہ کسی شخص پر ایسا ظاہر نہیں ہے۔ کہ وہ اس کو حواس سے جان لے۔ اس وجہ سے لوگ اس سے جاہل ہیں۔ ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس کے متعلق محسوسات سے آگے نہیں بڑھے۔ کچھ ایسے جو محسوسات سے بڑھ کر مطبوعات پر ٹھہر جاتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ وہ جس سے نہ کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا، جس کی حقیقت کا علم کسی کو نہیں اور وہ اپنے علم سے ہر شئ کو محیط ہے۔ وہ ان سب (محسوسات و مطبوعات) سے بالاتر ہے"۔ (ایضاً، ص30)

اس کے علاوہ منودھرم شاستر میں خدا کی نسبت کہا گیا ہے:

"وہ جو لطیف شناختوں سے ماورا اور ابدی ہے اور جس کا ادراک فقط باطنی قوتوں سے ممکن ہے، جس میں تمام مخلوق سما سکتی ہے، مگر خود احاطۂ قیاس سے باہر ہے، اپنے اپنے ادارے سے ظاہر ہوا"۔ (منودھرم شاستر، منو، مترجم ارشد رازی، لاہور نگارشات پبلشرز، 2003ء، باب اول شلوک۔7)

ہندوؤں کے روحانی پیشوا مہاتما گاندھی نے خدا کی نسبت لکھا ہے:

"I believe in absolute oneness of God and therefore also of Humanity, what though we have many bodies we have but one soul"(Mahatma Gandhi: The wisdom of Hinduism Oxford ,One world, Publication 200,p-36)

"میں خدا کی توحید پر ایمان لاتا ہوں اور اس لئے انسانیت پر بھی، اگر چہ کہ ہم بہت سے جسم کے حامل ہیں، لیکن ہماری ایک ہی روح ہے"۔

بالائی سطروں میں جو عقائد ہندومت میں توحید کے متعلق بیان کئے گئے ہیں، ان کا تعلق عوام سے قطعی نہیں ہے یہ عقیدہ خواص کا ہے، لیکن اب جو صورت حال ہندو دھرم کے معتقدین کی ہے وہ انتہائی تشویشناک ہے، اب حال یہ ہے کہ 33/ کروڑ دیوی دیوتاؤں کی پرستش کی جاتی ہے، حتیٰ کہ خدا کائنات کی ہر شئی میں اثر پذیر ہے، چنانچہ مظاہر فطرت مثلاً جمادات پہاڑ، دریا، سورج، سمندر، چاند، ستارے وغیرہ حیوانات، نباتات اور انسان بھی قابل پرستش ہیں۔ ان کی عبادت درحقیقت پتھر، مٹی یا لکڑی کی عبادت نہیں بلکہ اس میں اثر پذیر خدائے مطلق کی عبادت ہے۔ اس تصور کو منو دھرم شاستر میں یوں بیان کیا گیا ہے:

"جن چھ لطیف اجزاء سے خالق مجسم ہے، وہی مخلوق میں بھی داخل ہیں، اس لئے عارف خالق (کی صفات اور جلوہ) کو جسم مانتے ہیں"۔7 منو دھرم شاستر، باب اول، شلوک۔17

ہندو دھرم میں عقیدۂ تثلیث (تری مورتی) بہت مشہور بلکہ تمام اہل ہنود کا یہی عقیدہ ہے:

1۔ برہما، یعنی خالق: اس دیوتا کو کائنات کا نقطۂ آغاز کہا جاتا ہے، اسی وجہ سے اس کا مقام و مرتبہ بھی بہت بلند ہے۔

2۔ دوسرے خدا کا نام وشنو ہے، اس دیوتا کو محافظ کا درجہ دیا جاتا ہے۔

3۔ تیسرا شیو ہے، اس دیوتا سے مراد تباہ کرنے والا مؤرخین نے لکھا ہے، یہ دیوتا قدیم ہندو تہذیب کی ان باقیات میں سے ہے جو آج بھی موجود ہے۔

12.3 بت پرستی کی ابتدا

ہندوؤں میں بت پرستی کی ابتداء کہاں سے ہوئی اور کیسے ہوئی اس کے متعلق ابوریحان بیرونی نے لکھا ہے:

"علماء توریت نے بت پرستی کی ابتداء کا زمانہ ساروغ حضرت ابراہیم کے پردادا کے وقت کو قرار دیا ہے، اس کے بعد بیرونی نے لکھا ہے کہ ملک افرنجہ (فرنگ) کے دو بھائی روملس اور روماناؤس نے بادشاہ ہو کر شہر رومہ کو بسایا پھر روملس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا جس کے بعد مسلسل فسادات اور لڑائیاں واقع ہونے لگیں۔ تب روملس عاجزی کے ساتھ (اللہ کی طرف) متوجہ ہوا اور اس کو خواب میں دکھلایا گیا کہ اس حالت میں سکون بغیر اس کے نہیں ہو گا کہ اپنے بھائی کو تخت پر بٹھائے۔ اس پر روملس نے بھائی کی مورت سونے کی بنوا کر اس کو اپنے ساتھ بٹھایا اور کہنے لگا کہ ہم کو یہی حکم دیا گیا ہے۔ اس کے بعد اس طرح خطاب کرنا (یعنی احکام وغیرہ کو دیوتا وغیرہ کی

طرف منسوب کرنا) بادشاہوں کی عادت ہوگئی اور فسادات رک گئے، پھر اس نے اس غرض سے کہ بھائی کی وجہ سے جو لوگ اس سے بعض رکھتے تھے۔ ان کو بہلائے رکھے۔ ایک عید (میلہ) اور ایک ملعب (اکھاڑا یا تھیٹر) قائم کیا اور آفتاب کے چار بت چار گھوڑوں پر نصب کئے، سبز رنگ کا گھوڑا زمین کے لئے۔ نیلے رنگ کا پانی کے لئے، سرخ رنگ کا آگ کے لئے اور سفید رنگ کا ہوا کے لئے۔ بیرونی نے لکھا ہے کہ یہ بت اس وقت تک روم میں قائم ہیں" (کتاب الہند، مترجم سید اصغر علی، الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور، 2005ء، ص122)

اس کے علاوہ بیرونی نے ہندوؤں میں بت پرستی کی ابتدا کے دو واقعات نقل کئے ہیں:

"ایک راجہ انبرش اور راجہ اندر کا فسانہ، جس کی وجہ سے ہندوؤں میں بت پرستی کی ابتداء ہوئی"۔

دوسری وجہ برہما کا بیٹا نارد بنا، چنانچہ مذکور ہے:

"برہما کا ایک بیٹا تھا جس کا نام نارد تھا، اس کا مقصود اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا کہ رب کو دیکھے، اس کی حالت تھی کہ آمد و رفت میں ہمیشہ ایک لاٹھی، اپنے پاس رکھتا تھا جس کی حالت یہ تھی کہ جب وہ اس کو زمین پر ڈالتا تو وہ سانپ بن جاتی تھی، نارد اس سے عجیب و غریب کام لیتا تھا، اور کبھی اس کو جدا نہیں کرتا تھا، ایک دفعہ وہ اس کے دھیان میں تھا جس کو دیکھنے کی آرزو رکھتا تھا کہ دور سے ایک روشنی دیکھی، وہ روشنی کی طرف گیا، روشنی سے آواز آئی کہ تو جو چیز مانگتا اور جس کی تمنا رکھتا ہے، وہ محال ہے، تیرے لئے یہ ممکن نہیں کہ مجھ کو اس طریقہ کے سوا اور کس طرح دیکھے، نارد نے نظر اٹھائی تو انسان کی شکل و صورت کا ایک نورانی شخص دیکھا۔ اس وقت سے (مختلف) صورتوں کے بت بنائے جانے لگے"۔ (ایضاً، ص125۔126)

بیرونی نے یہ لکھا ہے کہ بت پرستی ہندو عوام کا طریقہ اور وطیرہ ہے خواص اس سے مبرہ ہیں:

"جو شخص نجات کی راہ کا طالب ہو یا جس سے مناظرہ و کلام کا مطالعہ کیا اور حقیقت کو جاننا چاہا ہے، جس کو یہ لوگ سار کہتے ہیں۔ وہ اللہ کے سوا ہر دوسری چیز کے عبادت سے پاک دامن ہے۔ بنائی ہوئی صورت کی عبادت کیا کرے گا"۔ (ایضاً، ص122۔123)

بیرونی نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

"عوام کی طبیعتیں محسوس کی طرف میلان رکھتی ہیں اور معقول سے گریز کرتی ہیں، جس کو صرف علماء جانتے ہیں جو ہر زمانہ میں اور ہر جگہ کم ہوتے ہیں، چونکہ مثال سے عوام کی طبیعت کو ایک طرح کی تسکین ہوتی ہے، اکثر مذہب والے کتابوں اور عبادت گاہوں میں تصویر بنانے کی طرف مائل ہوگئے، جیسے یہود و نصاریٰ اور خصوصیت کے ساتھ منانیہ۔ اس کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ اگر تم کسی عامی کو یا عورت کو نبی ﷺ یا مکہ یا کعبہ کی تصویر دکھلاؤ تو دیکھو گے کہ خوشی سے اس تصور کو چومنے اور اس کو اپنے رخساروں سے لگانے اور عجز و نیاز ظاہر کرنے کے ایسے آثار پیدا ہو جائیں گے کہ گویا خود اس کو اس نے دیکھا جس کی وہ تصویر ہے، اور اس ذریعہ سے حج و عمرہ کے مناسک ادا کئے۔ یہی باعث ہوا کہ جن لوگوں کی تعظیم کی جاتی ہے، مثلاً انبیاء اولیاء اور فرشتے ان کے نام کا بت بنالیا گیا، تاکہ نظر سے غائب رہنے اور موت کی حالت میں ان کے حکم کو یاد دلاتا رہے اور دلوں میں مرتے دم تک ان کی تعظیم کا اثر باقی رکھے۔ یہاں تک کہ ان کے بنانے والوں

کازمانہ بہت دور ہو گیا اوران پر سینکڑوں اور ہزاروں سال گزر گئے۔ان کے اسباب و محرکات کا پتہ نہیں رہا اور صرف رسم ورواج کی حیثیت سے ان پر عمل رہ گیا، پھر اہل قانون اس دروازے سے ان پر داخل ہوئے (یعنی قانون و حکومت کو بتوں کے نام وذریعے سے لوگوں میں رواج دیا) اور چونکہ اس اثر لوگوں پر نہایت قوی ہوتا ہے۔بت پرستی کو ان پر واجب کر دیا، طوفان کے قبل اور طوفان کے بعد جو قومیں تھیں۔سب تاریخوں سے یہی ثابت ہوتا ہے۔یہاں تک کہ دیا گیا ہے کہ انبیاء سے قبل تمام انسانوں کے ایک قوم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بت پرستی میں سب ایک قوم تھے"۔ (ایضاً، ص121۔122)

موجودہ زمانہ میں اہل ہنود صنم پرستی یا مظاہرہ پرستی کی اہمیت وافادیت میں درج ذیل منطقی دلائل پیش کرتے ہیں:

1۔ صنم پرستی یا کثرت پرستی انسان میں معبود حقیقی سے تعلق قائم کرنے کے لئے انہماک اور یکسوئی کا باعث ہے۔

2۔ مظاہر فطرت اور دیوی دیوتاؤں کی مستقل و متواتر پوجا اور یکسو عبادت ایک پجاری کی عقل اور قلب پر انکشاف کا سبب بنتا ہے کہ وہ جس معبود حقیقی کی خوشنودی کے لئے جن کے آگے سر جھکا رہا ہے دراصل وہ حقیقی معبود انہی میں پوشیدہ ہے۔وہ بت اور تصویریں اس سے ہم کلام ہوتی ہیں۔اس کے مسائل کو حل کرتی ہیں۔

اس مفہوم کو شری سوامی سوانند نے اپنی کتاب "All About Hinduism" میں ان الفاظ میں رقم کیا ہے:

"Regular worship (Puja) and other modes of demonstrating our inner feeling of recognition of Divinity in the idol, unveil the Divinity latent to it"(Sri Swami Sivananda. All About Hinduism.p-72)

"مستقل پرستش (عبادت) اور بت میں الوہی معرفت کے لئے اندرونی جذبات کے اظہار کے (مختلف) طریقے، اس سے وابستہ الہائیات کو بے نقاب کرتے ہیں"۔

3۔ موروثی یا عکس، معبود حقیقی کے حضور شعوری اظہار کا ذریعہ ہے، چنانچہ مورثی یا عکس وغیرہ کی پرستش و پوجا اس طرح کی جاتی ہے کہ معبود حقیقی بذات خود وہاں موجود ہے اور ان سے ہم کلام ہے۔

12.4 عقیدہ تناسخ یا ارواح یا آواگون

تناسخ نسخ سے ماخوذ ہے، اس کے معنی مولانا ولی خاں المظفر نے اپنی کتاب "محاضرات فی الادیان والفرق" میں نقل مکان کے بیان کئے ہیں۔(مظفر، ولی خاں (مولانا) محاضرات فی الادیان، مکتبہ فاروقیہ شاہ فیصل ٹاؤن، کراچی، 2007ء، ص153)

البتہ ہندو عقیدہ کے مطابق اس سے مراد روح کا موت کے بعد کرمایعنی اچھائیوں اور برائیوں کی بنیاد پر بار بار جنم لینا۔(مسلسل پیدائش کے عمل سے گزرنا) اور سزا کے طور پر کئی شکلیں بدل کر دیگر جانداروں کے جسم میں دوبارہ ظاہر ہونا یا واپس آنا ہے۔تناسخ کے اس عقیدہ کو عربی میں تکرار المولود یا تکرار ولادت، تجوال روح کہا جاتا ہے۔ (اقوام عالم کے ادیان مذاہب، مترجم: ابو عبداللہ محمد شعیب، مسلم

پبلی کیشنز، گوجرانوالہ، 2007ء، 86)

سریندر ناتھ اپنی کتاب "A History of Indian Philosophy" میں تناسخ ارواح کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب ویدک لوگ مردہ جسم (میت) کو جلتے ہوئے دیکھتے ہیں تو یہ فرض کر لیا جاتا ہے، کہ انسان کی آنکھ سورج کے پاس چلی جاتی ہے اور ہوا میں سانس لیتی ہے، اس کی قوت گویائی آگ میں چلی جاتی ہے، اس کے مختلف اعضاء کائنات میں چلے جاتے ہیں۔ انسان کو اس کے اچھے اور برے اعمال کی سزا اس دنیا میں ہی دی جاتی ہے اور سزا کے طور پر ارواح کو دنیا میں کسی اور شکل میں لوٹا دیا جاتا ہے، جیسے درخت وغیرہ اور یہ تناسخ یعنی روح کا ادل بدل وقت کے مختصر عرصہ میں کی جاتی ہے"۔ (Sunendranath ,A History of Indian Philosophy, Landon 1953.vol:1.P53)

ہندومت کے ایک دوسرے اسکالر داس گپتا تناسخ ارواح کی تفصیل ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"اپنشدوں میں تناسخ کی طرف ترقی دو غیر مدارج میں ہوتی ہے، ایک تو دوسرے عالم میں انعام پانے کا ویدک تصور اصول تناسخ سے معتمد ہوتا ہے"۔

دوسرا اصول تناسخ خود آڑے آکر دوسرے عالم کے بدلے کے تصور کو مغلوب کر دیتا ہے، پس کہا جاتا ہے کہ جن لوگوں نے خیرات یا عام مجبوری کا فائدہ لے کر کام کئے ہیں وہ مرنے کے بعد اپنے آباء اجداد کی راہ اختیار کرتے ہیں جس میں یہ ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد روح پہلے دھوئیں میں داخل ہوتی ہے۔ پھر اندھیری راتوں سے گزرتی ہوئی چاند تک جا پہنچتی ہے۔ اور جب تک اس کے نیک کام باقی رہتے ہیں وہاں مقیم رہتی ہے۔ پھر اس کے بعد ہوا، دھواں، بادل، بارش، نباتات، غذا اور تخم سے ہوتی ہوئی پھر انسان کی غذا کی مطابقت سے رحم مادر میں داخل ہوتی ہے۔ اور پھر پیدا ہو جاتی ہے یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ روح نہ صرف عالم قمر میں قیام کرتی ہے بلکہ اس عالم میں دوبارہ پیدا کر دی جاتی ہے۔ دوسرا راستہ دیوتاؤں کا ہے۔ یہ ان لوگوں کا ہے جو اعتقاد اور ریاضت کی تربیت پاتے ہیں، یہ روحیں موت کے وقت مختلف مدارج شعلہ، دن، ماہ کا روشن، نصف چاند، آفتاب اور بجلی سے ہوتے ہوئے بالآخر برہما میں داخل ہوتی ہیں۔ جہاں سے وہ کبھی واپس نہیں ہوتی۔ (تاریخ ہندی فلسفہ، اردو ترجمہ، داس گپتا، ج 1، ص 75، بحوالہ، سہ ماہی رسالہ تہذیب الافکار، ہندومت میں عقیدۂ تناسخ ارواح کا ناقدانہ جائزہ، (مقالہ نگار، سعید ارحمان، محمد فیاض) 2014ء، ج 1، شمارہ 1، ص 72)

12.5 عقیدہ تناسخ ارواح کی حقیقت

اس سلسلہ میں مولانا مظہر الحق اپنی کتاب "اسلام اور مذاہب عالم (تقابلی مطالعہ)" میں تحریر کرتے ہیں:

"ہندو مذہب کا مشترک عقیدہ جو ہندو ذہن پر عام طور سے حاوی ہے، تناسخ اور حلول کا نظریہ ہے، جس کا ہمہ اوستی فلسفہ سے گہرا تعلق ہے، قدیم عہد میں یہ عقیدہ ناپید تھا، اس زمانہ میں ہندو اپنی مادی زندگی کے بارے میں پر امید نقطۂ نظر رکھتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ موت کے بعد زندگی کا یہ سلسلہ دائمی طور پر جاری رہے گا۔ ان کا خیال تھا کہ نیک انسان موت کے بعد بہشت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ جہاں

انہیں کامل راحت وسکون حاصل ہوتا ہے، اور بد کردار اشخاص کو دوزخ کے مصائب بھگتنے پڑتے ہیں۔ لیکن کچھ عرصہ بعد ہندوؤں کی یہ رجائیت ختم ہوگئی اور کسی نے کسی وجہ سے یہ عقیدہ (تناسخ) پیدا ہوگیا"۔ صدیقی، محمد مظہر الدین، اسلام اور مذاہب عالم (تقابلی مطالعہ) کتابیات ڈاٹ بلاگ، سپاٹ ڈاٹ کام، ص 11، بحوالہ ہندومت میں عقیدۂ تناسخ ارواح کا ناقدانہ جائزہ (مقالہ نگار، سعید الرحمن، محمد فیاض، ص 83)

12.5.1 ہندوؤں کا ایمان تناسخ ارواح پر ضروری ہے

ابوریحان البیرونی نے عقیدہ تناسخ ارواح کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ہندوؤں کو اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ بغیر اس کے کوئی بھی ہندو نہیں ہو سکتا ہے:

"جس طرح کلمہ اخلاص (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ) مسلمانوں کے ایمان کا شعار، تثلیث عیسائیوں کی علامت اور سبت منانا یہودیوں کی خصوصیت ہے۔ اس طرح تناسخ کا (عقیدہ) ہندو مذہب کا امتیاز ہے۔ جو شخص تناسخ کا قائل نہیں ہے وہ ہندو نہیں ہے، اور اس کا شمار ہندوؤں میں نہیں ہو سکتا ہے"۔ (کتاب الہند، اردو ترجمہ، اصغر علی، ص 53)

گویا ہندو ہونے کے لئے عقیدہ تناسخ ارواح پر ایمان لانا لازمی ہے، حافظ محمد شارق اپنی کتاب "اسلام اور مذاہب عالم" میں لکھتے ہیں:

"یہ وہ واحد عقیدہ ہے جو تمام ہندوؤں میں مشترکہ طور پر مسلم ہے، ہندی زبان میں اسے آواگون کہا جاتا ہے جس کے مطابق اپنے پچھلے کرم یعنی گناہوں کے باعث بار بار جنم لیتا ہے، جزا و سزا کے اس تصور کو ہندو "کرم" کہتے ہیں۔ اعمال کی جزا و سزا کے سلسلہ میں ہندوؤں کا عقیدہ اس نظریہ کی ارد گرد گھومتا ہے"۔ (محمد شارق (حافظ) اسلام اور مذاہب عالم، ناشر، اسرا، 2015ء، ص 136)

12.6 تصور آخرت

عقیدہ تناسخ ارواح کے علاوہ ہندومت میں ارواح ایک جہاں سے دوسرے جہاں میں سفر کرتی رہتی ہیں، ہندومت کے عقیدہ کے مطابق یہ تین جہان ہیں: اعلیٰ۔ اوسط اور اسفل۔ بیرونی نے لکھا ہے:

"مجمع (یعنی نظام مجموعی یا عالم) کو "لوک" کہا جاتا ہے۔ عالم کی ابتدائی تقسیم، بلندی، پستی اور درمیانی کی طرف ہے، اور ان کو عالم اعلیٰ، عالم اسفل، اور عالم اوسط کہا جاتا ہے۔ عالم اعلیٰ کا نام 'سفر لوک' ہے۔ یعنی جنت یا عالم اسفل کا نام 'اگ لوک' یعنی سانپوں کا عالم ہے، یہ جہنم ہے، اس کا نام 'نرلوک' بھی ہے، اور کبھی اس کو پاتال یعنی سب سے نچلی زمین بھی کہتے ہیں۔ درمیانی عالم کا نام جس میں ہم لوگ ہیں، 'مانش لوک' یعنی انسانوں کا علم ہے۔ یہ عالم کسب کرنے یعنی کمانے کے لئے، عالم اعلیٰ ثواب کے لئے اور عالم اسفل عذاب کے لئے۔ ان میں وہ لوگ جو ثواب اور عذاب کے مستحق ہوتے ہیں۔ ایک مقررہ مدت تک جو ان کی مدت عمل کے مطابق ہوتی ہے۔ عمل کی پوری جزا پاتے ہیں۔ ان دونوں میں سے ہر ایک عالم میں محض روح، بدن سے مجرد ہو کر رہتی ہے"۔ (ایضاً، ص 62)

گویا ہندومت کی تعلیمات کے مطابق ایک انسان اپنے اعمال کے نتائج کی وجہ سے ایک مقررہ وقت تک جہنم یا جنت میں قیام

کرتا ہے اور پھر اس کی بنیاد پر نئی صورت ۔ اعلیٰ وارفع یا ذلیل واسفل۔ میں مجسم ہو کر دنیاوی زندگی گزارتا ہے یہ سلسلہ اس وقت چلتا ہے جب تک انسان علم کے ذریعہ حقیقی علم سے آراستہ ہو مادی دنیا اور اس کی حقیقتوں سے مستغنیٰ نہ ہو جانے اور خوشی و غم اس کے لئے ہم معنی نہ ہو جائیں اور مرنے کے بعد اتصال خدا اس کا مقدر نہ بن جائے۔

آخرت میں نیک جزا حاصل کرنے کے لئے ہندو متون مقدسہ میں ایک عقیدہ مذکور ہے جسے کرما کہا جاتا ہے۔یعنی عمل اور اس کی بنیاد پر جزاوسزا ہے۔ہندو عقیدہ کے مطابق "کرما" ان دونوں قسم کے اعمال کا احاطہ کرتا ہے، جس کو ذہن اور جسم انجام دیتا ہے۔یہ درحقیقت عمل در عمل ہے اردو کا مشہور محاورہ ہے "ادے کا بدلہ" اسی طرح "جیسا کروگے ویسا بھروگے" لہٰذا ایک کاشت کار آلو بو کر آم کے حصول کی امید نہیں کر سکتا ہے، اس طرح ہر ایک اچھی سوچ یا اچھا کام اسی قسم کے عمل کا متقاضی ہوتا ہے جو ہماری آئندہ زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے، ناقص سوچ اور برے کام ہمیں نقصان سے دوچار کرنے کے لئے واپس آتے ہیں۔اس زندگی میں یا آئندہ زندگی میں ۔ ا(سلام اور ہندومت (ایک تقابلی مطالعہ) ص57)

کرما کی تین قسم کا ذکر ہندو متون مقدسہ میں ملتا ہے:

1۔ سنچیتا Sanchita 2۔ پراربد Prorabdha 3۔ کریمنا Kriyamana

ان کی تفصیل علماء ہندو اس طرح بیان کرتے ہیں:

1۔ سنچیتا: گزشتہ زندگی کے جمع شدہ اعمال یا کرماہیں جو موجودہ زندگی میں میلانات رویوں ،صلاحیتوں ،رغبتوں اور خواہشات کا تعین کرتے ہیں۔

2۔ پراربدہ: وہ اعمال جو موجودہ زندگی میں ہم سے واقع ہو رہے ہیں، ہماری موجودہ زندگی پرابدہ کرما کہلائے گی۔اس طرح پرابدہ کرما سنچیتا کرما کا نتیجہ ٹھہرے گی۔

3۔ کریمنا: وہ اعمال جن سے آئندہ زندگی کا تعین ہو گا، کرما کہلائے گا۔(سعدیہ اعجاز، تزکیۂ نفس، تجزیہ، طریق کار اور تقابل الہامی اور غیر الہامی مذاہب کی روشنی میں، شیخ زائد اسلامک سینٹر، کراچی، 2009ء، ص140) قانون کرما ہندوؤں کو موجودہ زندگی میں مقصد کے تعین ،خیالات اور عمل میں بہتر تبدیلی اور کڑی نگرانی کے ذریعہ موقع فراہم کرتا ہے کہ مستقبل کی زندگی کا اسلوب اپنی مرضی سے اختیار کرے۔ وہ چاہے تو فاتح۔ اتصال خدا کے ذریعہ ہو جائے اور چاہے مغلوب۔ سمسارا (آواگون) کا قبول ہو جائے، اپنی اگلی منزل کا اختیار اور ذمہ داری اس کے اپنے ہاتھ میں ہے۔

12.7 بدھ مت میں خدا کا تصور

بدھ مت میں خدا کی تصور کے متعلق کوئی واضح یا مسلم ہدایت یا طریقہ نہیں ملتا ہے کیونکہ بدھ مذہب میں وحدانیت کا تصور نہیں ہے یا ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ بدھ مذہب الحاد پر مبنی مذہب ہے یعنی اس مذہب میں خدا کا تصور نہیں پایا جاتا ہے البتہ خدا کے نام سے جو نظریہ

بدھ مت میں پایا جاتا ہے ذیل میں اس کو پیش کیا جانا ضروری معلوم ہوتا ہے

گوتم بدھ کی بنیادی تعلیمات کلیدی حیثیت کی حامل ہیں، جن میں کسی وجود کے مستقل اور قائم بالذات ہونے کی نفی و تردید ہوتی ہے۔ بایں طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ خدا کا وجود بھی ابتدائی بدھ مت میں فکری اور عملی دونوں پہلوؤں سے معدوم ہے۔ بدھ مت کے عقیدے کے مطابق انسان مثبت و منفی اور خوشگوار و ناخوشگوار جن احوال و کیفیات سے دوچار ہوتا ہے، ان میں خدا یا دیوتا کی رضا و ناراضگی کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا ہے، بلکہ انسان کے اچھے برے اعمال ہی حکمراں یا ضابطہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہی نتائج خیر و شر کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ بدھ کی تعلیمات میں خدا کا وجود معدوم و ناپید ہے۔ یہاں اگر کوئی صاف و شفاف، قطعی لازوال اور غیر متغیر صداقت ہے تو وہ صرف اور صرف نروان ہے جو اپنی صفات میں بلاشبہ صائب فکر کے نتیجے میں پیدا شدہ تصور خدا سے قریب تر بلکہ مشابہ ہے۔ نروان سے متعلق بدھ کے یہ ملفوظات قابل ملاحظہ ہیں:

لوگو! ایک ازلی، غیر مخلوق، مستقل، لازوال، غیر متغیر حقیقت (یعنی نروان) موجود ہے- لوگو! اگر یہ ازلی، غیر مخلوق، مستقل، لازوال، غیر متغیر (حقیقت) موجود نہ ہوتی تو فانی، بے ثبات مخلوق اور متغیر (دنیا) سے نجات ممکن نہیں تھی، لیکن چونکہ ایک ازلی، غیر مخلوق، مستقل، لازوال غیر متغیر حقیقت موجود ہے اس لیے فانی، بے ثبات، مخلوق اور متغیر (دنیا) سے نجات ممکن ہے۔ (عظیم ہندوستان مذاہب، ص199)

صحت مند فکر کے مطابق خالق کائنات یا حقیقی خدا کی جو صفات ہو سکتی ہیں ان میں اور نروان سے متعلق گوتم بدھ کے ذریعے بتائی گئی مندرجہ بالا صفات میں بڑی حد تک توافق و ہم آہنگی ہے۔ بایں طور یہ کہا جا سکتا ہے کہ وضاحت و تعین کے ساتھ گوتم بدھ نے خدا کے وجود کو نہیں مانا ہے۔ بلکہ بنیادی تعلیمات کی روشنی میں نفی و تردید کا پہلو غالب ہے، تاہم اگر گوتم بت کے نزدیک نروان کی عظمت و حقیقت اور اس کے صاف شفاف اور روشن مشتملات کو پیش نظر رکھا جائے تو بدھ ایک ماورائی حقیقت کے قائل ہی نہیں بلکہ اس پر مصر نظر آتے ہیں اور مصروفیات و مشغولیات کا مرکز و محور اسی ماورائی حقیقت یعنی نظام کو قرار دیتے ہیں۔ (عظیم ہندوستانی مذاہب، صفحہ 200)

12.7.1 بدھ مت میں آخرت کا تصور

نروان (سنسکرت: निर्वाण تلفظ: نِروانڑ؛ پالی: निब्बान تلفظ: نِبّانا) کے معنی "نجات، چھٹکارا، مادّہ سے آزادی، ختم ہونے یا بجھنے کے ہیں" اس لفظی مطابقت کے مطابق جسے نروان حاصل ہو جاتا ہے اس کی زندگی اپنے اختتام کو پہنچ جاتی ہے لیکن یہ ذات کا فنا ہونا نہیں ہے کیونکہ بدھ مت میں ذات کا وجود ہی نہیں ہے یہ فریب نفس کی فنا ہے اور اس کے ساتھ تمام چیزوں کی جو اس فریب کی معاون ہیں یعنی خواہش نفس کی کیونکہ بدھ مت کے مطابق نروان کوئی مردہ شے نہیں ہے بلکہ پناہ محفوظ مقام ہے، سیلابوں کے درمیان میں جزیرہ ہے، پر امن اور بابرکت مقام ہے، سلامتی کا گھر ہے، دکھ کا خاتمہ اور مسرت کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے، اس کی تعبیر بدھسٹوں کی زبان میں کی جا سکتی ہے کہ نروان وہ حالت ہے جہاں نہ کوئی ٹھوس ہے نہ سیال، نہ حرارت ہے نہ برودت نہ پیدا ہوتا ہے نہ مرتا ہے گویا یہ جنتی یا ابدی سعادت کا دنیوی زندگی میں ایک تجربہ ہے۔ نروان کا مطلب نجات ہے اور جس کو نجات حاصل ہو گئی اس کی ہر خلش دور ہو گئی ابدی مسرت اس کا مقدر

بن گئی، گوتم بدھ کو یہ دولت مراقبہ کی حالت میں حاصل ہوئی تھی اس کے حصول کے بعد گوتم بدھ برابر اپنے خطبات میں عوام کو اس طرف راغب کرتے رہے نیز چار عظیم سچائیوں کو اس کے حصول میں مدد گار قرار دیا۔ نروان ایک ایسی حالت کا نام ہے جو ذہنی سانچوں سے بالاتر ہے۔ اس کی حقیقت کو الفاظ کے ذریعہ بیان کرنا ممکن نہیں بس الفاظ میں گوتم بدھ کی زبانی اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ "زندگی کی مصیبتوں سے چھٹکارا نروان کی بدولت ہی ممکن ہے" اس لیے کہ نروان ہی اس فانی دنیا میں انسان کا مطلوب و مقصود ہے۔

12.8 جین مت میں خدا کا تصور

جین مت کی تاریخ و تعلیمات کا مطالعہ کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ جین مذہب میں بھی خدا کا تصور نہیں پایا جاتا ہے۔ بلکہ جین مذہب کے بارے میں یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ یہ مذہب بھی الحاد و دہریت کا علمبردار ہے۔ اسی وجہ سے یہ کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا وہ تصور جو اپنشدوں یا سامی مذاہب میں ملتا ہے جین مت میں نہیں ملتا۔ بلکہ اس تصور کی تردید میں جینی عالموں نے اپنا سرمایہ فکر لٹایا ہے اور اس تصور کو بے ہودہ اور ایک مفروضہ قرار دیا ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ شخصی خدا کے وجود کو کسی بھی جہت سے ثابت نہیں کیا جا سکتا، خواہ خدا کے وجود و اثبات کے حق میں مفروضات و دلائل کی بھرمار کر دی جائے، چنانچہ قطعی طور پر مایوسی و ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے البتہ وجود وعدم وجود کے اثبات میں غلطاں و پیچاں رہنے کے بجائے بہترین صورت اور مسئلے کا حل یہی ہے کہ اس مفروض اس لیے کنارہ کشی اختیار کی جائے۔

جین مت میں دنیا اور موجودات دنیا کسی خدا کے مرہون منت نہیں ہیں۔ اس طرح دنیا کو آباد رکھنے کے لیے یا اسے فنا سے دوچار کرنے کے لیے خدا کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ جین عقیدے کے مطابق موجود کو فنا نہیں ہو سکتا اور عدم سے وجود ممکن نہیں ہے۔ چیزوں کا وجود اور عدم وجود میں ہونا، یہ سب ان کے اوصاف و خصائص کے تغیر سے دوچار ہونے کی بنا پر ہیں۔ اضافی طور پر کثرت حقائق وجود و عدم اور تخلیق و فنا کے ایک حقیقی ذمہ دار یا شخصی خدا کے وجود کو بے مانا کر دیتا ہے۔

جین مت چونکہ دنیا اور اسباب دنیا کو ازلی اور ابدی قرار دیتا ہے اور اس کے لیے کسی شخصی خدا کا بڑے شد و مد سے انکار کرتا ہے، اس لیے اس کے ساتھ الحاد کا انتزاب نامعقولیت اور ناانصافی کی غمازی نہیں کرتا، بلکہ اس کے اپنے افکار و عقائد کی شایان شان قرار پاتا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تصور خدا سے عاری ہو کر ایک مذہب کو مذہب کیوں کر کہا جا سکتا ہے۔ اس کا جواب جین مت کہ علماء و دانشوروں کی طرف سے یہ ملتا ہے کہ مذہب انسان کی اپنی انتہائی عظمت و شان کی جستجو و یافت کا نام ہے اور اس جہت سے جین مت انسان کے عظیم الشان مرتبہ و مقام کا علمبردار ہے۔ اور وہ اس کے اعلیٰ ترین ہدف سے ہم کنار کرنے کے لیے ایک نظام وضع کرتا ہے۔ مزید برآں اس مقصد کے حصول میں جو موانع ہیں وہ مشکلات سد راہ بن سکتی ہیں، ان کی بھرپور وضاحت بھی کرتا ہے، تاکہ انسان شہادت عظمیٰ کی راہ میں مزاحم قوتوں کو شکشت دے سکے اور اس طرح اس کے لیے اپنے شرف و سعادت اور عزت و تکریم کی حصولیابی کی راہ آسان اور بامعنی ہو جائے۔ کائنات کے خالق و مالک اور منتظم و مدبر ہونے کی حیثیت سے نہ صرف یہ کہ جین مت میں تصور خدا مشکوک و مشتبہ ہے بلکہ غیر

معقول مفروضہ، بے ہودہ خیال اور تمام تجربات ومشاہدات کے خلاف ہے۔(عظیم ہندوستانی مذاہب،252-254)

12.8.1 جین مت میں آخرت کا تصور

موکش: جین مت کے عقیدے کے مطابق یہ وہ اعلیٰ ترین یا محبوب ترین منزل ہے جس تک اس روح کی ہی رسائی ہوتی ہے جو کرم کے مادہ یا عملیاتی مادہ کے چنگل سے مکمل طور پر آزاد ہو چکی ہوتی ہے۔ عملیاتی مادہ کے مکمل انخلاء کی صورت میں ہی روح اپنی اصل اور نورانی صفات میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ جین مت میں نروان یا موکش کیولیہ (Kaivalya) کے نام سے بھی ملقب ہے. اس عقیدے کے مطابق موکش کی شکل میں روح فنا نہیں ہو جاتی بلکہ لازوال سعادت وکامرانی کی سند اعزاز حاصل کر لیتی ہے۔ اسے اگرچہ جسم سے تو نجات مل جاتی ہے لیکن اس کا وجود ایک غیر مختتم اور لازوال حقیقت کی حیثیت سے حاصل ہوتا ہے۔

موکش یا کیولیہ کی حالت دراصل مصائب ومشکلات سے نجات اور حقیقی مسرتوں کے حصول کی حالت ہے، یہ خالص اور لامتناہی علم وشعور کی کیفیت سے بھی عبارت ہے۔ اس مقام سے آشنا ہو کر ارواح اسمان کی انتہائی بلندی پر جا کر ٹک جاتی ہیں اور وہاں ایک غیر متغیر اور مبارک وجود کی حیثیت سے قائم ودائم اور اپنی پاکیزہ خصوصیات کی بنا پر لطف اندوز ہونے میں مستغرق رہتی ہیں۔ یہی وہ ارواح ہیں جو کرم اور آواگمن کے چکر سے ہمیشہ ہمیش کے لیے نجات یافتہ ہوتی ہیں۔

اس کے برعکس عملیاتی مادے کے اختلاط وشمولیت کی بنا پر ارواح کی فطری پاکیزگی مخدوش ومکدر ہو جاتی ہے اور لطافت کے بجائے کثافت ان کی خاصیت بن جاتی ہے، اس لیے یہ سعادت عظمیٰ موکش سے محروم رہتی ہیں۔ نتیجتا یہ اسی دنیا میں مختلف اجسام میں پیدائش و موت کے سلسلے سے متعلق رہتی ہیں، یہاں تک کہ کرموں کا سلسلہ ختم ہو جائے اور بالاخر یہ روحیں اپنی فطری پاکیزگی یا روحانی مقام تک رسائی کر کے موکش کی صورت میں ابدی سعادت سے ہمکنار ہو جائیں۔(عظیم ہندوستانی مذاہب،268-269)

12.9 سکھ مت میں خدا کا تصور

سکھ مت کے بانی گرونانک کے مطابق کائنات کے خالق ومعبود کی تعبیر خدا، رام اور وشنو وغیرہ کے ذریعے غلط ہے اور لوگوں میں تفریق پیدا کرتی ہے، اس لیے انہوں نے خدا کو ان ناموں سے یاد کیا ہے جنہیں روایتی طور پر ہندو اور مسلمان دونوں استعمال کرتے ہیں۔ ہاں وہ مکمل وحدانیت کے پس منظر میں خدا کو ست کرتار (خالق حقیقی) اور ست نام (نام حق) سے موسم کرتے ہیں. جو اسم الٰہی اور ذات الٰہی دونوں کے لیے سکھ روایت میں تسلیم شدہ ہے۔

گرو گوبند نے خدا کا تصور اس طرح پیش کیا ہے:

"خدا ایک ہی ہے، برحق ہے، عظیم ودانا ہے، اس کا کوئی چکر نہیں، کوئی علامت ورنگ نہیں، کوئی ذات ونسب نہیں، کوئی شکل و صورت اور کوئی خاکہ ونقشہ نہیں، اس کی تعبیر کا کوئی کافی وشافی طریقہ ممکن نہیں، وہ حرکت وتغیر سے عاری، بے خوف وخطر اور روشن و مستنیر ہے، وہ ناقابل تصور طاقت کا مالک ہے"۔

اس اقتباس کی روشنی میں یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ سکھ عقیدہ کے مطابق خدا دنیا کا خالق اور قادر مطلق ہستی ہے۔ وہ ازلی ہے اور کائنات کے چپے چپے پر اسی کی حکمرانی ہے۔ اس کے غیر مجسم ہونے کی حقیقت کی پیش نظر مورتیوں کی شکل میں سے پیش کیا جانا، نامعقول بلکہ بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔ یہاں قادر مطلق خدا انتہائی شفیق و مہربان ہے اور جو لوگ اس ہستی یہ برتر پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس کے حفظ و امان کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ یہاں اوتار کا تصور نہیں ہے تاہم گروؤں کی تعلیمات اور ان کی زندگیاں جو یائے نجات کے لیے راہ ہموار کرتی ہیں۔ (عظیم ہندوستانی مذاہب، 317-318)

12.9.1 سکھ مت میں آخرت کا تصور

ہندوستانی روایت کے علمبردار دیگر مذاہب اور امتوں کی طرح سکھ مت میں بھی آوا گمن کا عقیدہ راسخ اور مستحکم ہے۔ اس عقیدے کے مطابق یہ دنیا امتحان گاہ ہے جس کا نتیجہ کسی نہ کسی مرحلے میں اس دنیا میں مل جاتا ہے۔ آوا گمن ہندوستانی روایت کے تمام علمبردار مذاہب میں ایک لعنت کی حیثیت سے متعارف ہے، جس سے نجات پانے کے لیے یہ مذاہب تعلیمات و ہدایت کا مستحکم نظام بھی وضع کرتے ہیں۔ ویدوں کے نظریہ موکش، جین مت کے کیولیہ اور بدھ مت کے نروان کے برعکس سکھ مت کے مطابق انسان کی اعلی وارفع منزل یا محبوب ترین ہدف یہ ہے کہ وہ صفات و اعمال کے لحاظ سے اپنے آپ کو بلند کرتے ہوئے خدا کی مرضی و محبت کا دیوانہ بن جائے اور اعلیٰ اوصاف و خصائل کے ساتھ وصال الٰہی کا شرف حاصل کر لے۔ نانک کی تعلیم اس بابت گرو گرنتھ صاحب میں قابل ملاحظہ ہے:

"نہ مجھے بادشاہت کی طلب ہے اور نہ ہی موکس کی چاہت لیکن اے میرے آقا تیرے قدموں کی محبت کا میں خوگر و خواہ ہوں"

نانک مزید فرماتے ہیں:

جو اس ہستی برتر کو جان لیتا ہے آسمانوں کے بعد کا وہ متمنی نہیں ہوتا۔ وہ موکش کے سطحی تصور سے گریزاں وہ مجتنب ہو جاتا ہے۔ سچا گرو وہ ہمیں اس قادر مطلق ہستی سے ملا دیتا ہے۔ میں گرو خدا سے وصال و لقاء کے لیے بار بار بارگاہ الٰہی میں صدا دیتا ہوں۔ (عظیم ہندوستانی مذاہب، 323)

12.10 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- جین مت میں کیولیہ کا نظریہ پایا جاتا ہے۔ جس کو کیولیہ حاصل ہو جاتا ہے، جین مذہب کے مطابق اسے کیا کہا جاتا ہے۔
- سکھ مت میں توحید کا تصور پایا جاتا ہے اور آخرت کے عقیدہ کے متعلق سکھ مت میں وہی ہدایات و تعلیمات ملتی ہیں جو ہندو دھرم میں پائی جاتی ہیں۔ گویا سکھ مت توحید میں تو اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ ہے لیکن آخرت کے عقیدہ میں اسلام سے بالکل ممتاز ہے۔
- ہندو مت میں توحید کا تصور پایا جاتا تھا لیکن موجودہ ہندو دھرم میں اس عقیدہ کا تصور ہندو دھرم میں نہیں پایا جاتا ہے یعنی۔ اس لیے

ہندو دھرم میں نہ توحید کا نظریہ پایا جاتا ہے اور نہ آخرت کا وہ تصور جو اسلام میں پایا جاتا ہے البتہ آواگمن کا عقیدہ پایا جاتا ہے۔

12.11 نمونہ امتحانی سوالات

12.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. آواگمن پر کس مذہب کے لوگوں کو ایمان لانا ضروری ہے؟

(a). مسلمانوں کو (b). بدھ مت کے ماننے والوں کو (c) جینیوں کو. (d). ہندوؤں کو

2. نروان کس مذہب کی اصطلاح ہے؟

(a). ہندو دھرم کی (b). سکھ دھرم کی (c). بدھ دھرم کی (d). جین دھرم کی

3. کیولیہ کس مذہب کی اصطلاح ہے؟

(a). جین دھرم کی (b). سکھ دھرم کی (c). اسلام کی (d). عیسائیت کی

4. توحید کا تصور کس مذہب میں پایا جاتا ہے؟

(a). سکھ دھرم میں (b). بدھ مت میں (c). جین مت میں (d). کنفیوشش مت میں

5. مہابھارت کس مذہب کی کتاب ہے؟

(a). ہندو دھرم کی (b). عیسائی مذہب کی (c). اسلام کی (d). سکھ دھرم کی

6. ہندوستانی مذاہب میں کون کون سے مذاہب آتے ہیں؟

(a). اسلام، عیسائیت، یہودیت (b). ہندو دھرم سکھ مت اور عیسائیت

(c). ہندو دھرم، سکھ دھرم، جین دھرم، بدھ دھرم (d). ان میں سے کوئی نہیں

7. ویدوں کی تعداد کتنی ہے؟

(a). چار (b). تین (c). دو (d). پانچ

8. عقیدہ آواگمن پر کتنے ہندوؤں کا ایمان ضروری ہے؟

(a). سب ہندوؤں کا (b). خاص ہندوؤں کا (c). آدھے ہندوؤں کا (d). صرف مذہبی ہندوؤں کا

9. سکھ دھرم کے بانی کا نام بتایئے؟

(a). گرونانک (b). مہاویر جین (c). گوتم بدھ (d). ان میں سے کوئی نہیں

10. گوتم بدھ کا تعلق کس مذہب سے ہے؟

(a). جین مت سے (b). ہندو دھرم سے (c). بدھ دھرم سے (d). ان میں سے کسی سے نہیں

12.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. بدھ مت کے تصور توحید و آخرت پر مختصر نوٹ لکھیے۔
2. سکھ کے تصور توحید کو مختصر الفاظ میں قلم بند کیجیے۔
3. ہندو دھرم کے عقیدہ آواگمن پر مختصر نوٹ تحریر کیجیے۔
4. ہندو دھرم کے تصور توحید کو مختصر لکھیے۔
5. جین کے تصور توحید و آخرت کو مختصر قلمبند کیجیے۔

12.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. ہندو دھرم کے تصور توحید و آخرت پر جامع مضمون لکھیے۔
2. سکھ دھرم کے تصور توحید کو تفصیل سے پیش کیجیے۔
3. جین مت اور بدھ دھرم کے نظام توحید و آخرت پر تفصیل سے روشنی ڈالیے۔

12.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. کتاب الہند : ابو ریحان البیرونی
2. اسلام اور ہندو دھرم قانونی و معاشرتی جائزہ : ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی
3. مسلم علماء کا مطالعہ ہندو دھرم : ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی
4. دنیا کے بڑے مذاہب : عماد الحسن آزاد فاروق
5. عظیم ہندوستانی مذاہب : پروفیسر توقیر عالم فلاحی
6. ہندو دھرم مطالعہ اور جائزہ : پروفیسر محسن عثمانی

اکائی 13: تصحیح عقائد

اکائی کے اجزا:

13.0 تمہید

13.1 مقاصد

13.2 عیسائیت میں عقیدہ توحید کا مفہوم

13.2.1 زرتشت

13.2.2 ہندو دھرم

13.3 اسلام میں توحید کا تصور

13.4 عقیدہ رسالت

13.5 عقیدہ آخرت

13.6 اکتسابی نتائج

13.7 نمونہ امتحانی سوالات

13.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

13.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

13.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

13.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

13.0 تمہید

عقائد عقیدہ کی جمع ہے تقریباً تمام مذاہب میں عقائد کا تصور اور نظریہ پایا جاتا ہے۔ سامی ادیان یعنی اسلام، عیسائیت اور یہودیت، غیر سامی ادیان جیسے ہندو دھرم، بدھ دھرم، جین دھرم اور سکھ دھرم وغیرہ وغیرہ سب عقیدہ پر مبنی ہیں۔ قابل غور اور لائق توجہ بات یہ

ہے کہ ان مذاھب کے علاوہ جتنے بھی افکار و نظریات پائے جاتے ہیں ان سب میں بھی عقائد کا کچھ نہ کچھ تصور ملتا ہے۔ اسلام کے علاوہ دیگر ادیان و مذاہب میں عقیدہ کا یہ تصور کس قدر اہمیت کا حامل ہے یہ الگ مسئلہ ہے۔

لیکن ہر مذہب کا متبع اپنے مذہب کے مطابق عقائد و نظریات اور اعمال و احکام کی پیروی کرنے کو اپنی سعادت و کامرانی سمجھتا ہے۔ البتہ دین اسلام نے عقیدہ پر جتنا زور دیا ہے اور اس کی اہمیّت و معنویت کو جتنا واضح انداز میں پیش کیا ہے شاید اتنی اہمیت عقائد کے باب میں دیگر مذاہب میں نہیں پائی جاتی ہے۔ ضمناً یہ عرض کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں جتنے بھی مذاہب و ادیان اور افکار و نظریات پائے جاتے ہیں ان میں عقائد کا وہ جامع تصور نہیں ہے جو جامع اور مستند ترین نظریہ عقائد کی بابت اسلام میں پایا جاتا۔ کسی مذہب میں شرک و بت پرستی پائی جاتی ہے تو کوئی مذہب توحید کا منکر ہے یعنی وہ مذہب دہریت و الحاد کا علمبردار ہے۔ اس لیے کامل نجات اور فلاح و بہبود سے ہمکنار ہونے کے لیے بنیادی طور پر نوع انسانی کو ان عقائد کی اتباع کرنی چاہیے جو عقائد صحیح ہوں اور ان کی مستند ترین بنیاد پائی جاتی ہو۔

ہندوستان میں ادیان و مذاہب کی جو کہکشاں دکھائی دیتی ہے اس کی اپنی خصوصیت و انفرادیت ہو سکتی ہے اور یہ تنوع ہندوستانی معاشرے کے تئیں صحتمند ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن جہاں تک ہندوستانی مذاہب میں عقائد کا مسئلہ ہے تو اس بابت یہ کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے علاوہ بھارت جیسے ملک میں پائے جانے والے مذاہب میں عقیدہ کی جامعیت و معنویت اور اس کے اجتماعی و معاشرتی پہلوؤں کے اعتبار سے بہت زیادہ ہلکا پن پایا جاتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیے! اسلام نے نوع انسانی کو جو تعلیمات و ہدایات اور افکار و نظریات دیے ہیں وہ سب کے سب نوع انسانی کے لیے سود مند ہیں، اسلام کے بتائے ہوئے خطوط پر چل کر نوع انسانی کامیاب و کامران ہو سکتی ہے۔ اور جن عقائد کی جانب رہنمائی اسلام نے کی ہے ان کے اثرات معاشرے پر مثبت مرتب ہوتے ہیں۔ عقیدہ کی تابعداری انسان کو آزاد اور روشن خیال بناتی ہے۔ انسان غلامی اور محکومی سے نکل کر آزاد فضا میں سانس لیتا ہے۔ اسلام کے بنیادی عقائد ثلاثہ توحید، رسالت اور آخرت کا پیغام یہی ہے کہ انسان اپنے رب کریم اور حقیقی خالق و مالک اور معبود کی معرفت حاصل کرے نیز ہر طرح کی محکومی سے نکل کر اپنے رب کے آگے جھکے۔

13.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں اس بات کا علم ہو سکے کہ تصحیح عقائد کی اہمیت و افادیت کیا ہے نیز عقائد کا جامع تصور کس مذہب میں پایا جاتا ہے۔

تصحیح عقائد کی بابت اگر کسی مذہب میں واضح اور روشن تعلیمات ملتی ہیں تو وہ صرف مذہب اسلام ہے۔ کیونکہ اسلام کے علاوہ جتنے بھی مذاہب یا افکار و نظریات موجود ہیں ان سب میں عقائد کی تعلیمات مبہم ہیں۔

ذیل میں چند معروف مذاہب میں عقائد کی بابت گفتگو کی جائے گی۔

13.2 عیسائیت میں عقیدہ توحید کا مفہوم

خدا ایک وقت ایک اکائی جوہر بھی ہے اور اسی آن اپنی ذات یا وجود میں تین مختلف اقانیم بھی رکھتا ہے، بہت سادہ الفاظ میں یہ ایک تین میں اور تین ایک میں کا عقیدہ ہے۔

One in three and three in one

روایتاً نصاریٰ کے عقیدے کے مطابق ایک تین اقانیم مندرجہ ذیل ہے:

خدا–باپ خدا–بیٹا خدا–روح القدس

نصاریٰ کے عقیدہ کے مطابق جو خدا اپنے آپ کو صرف توحید کی شکل میں ظاہر کرتا رہا (کائنات کی ابتداء سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا میں پیدا ہونے سے قبل تک) اسی خدا نے اپنے آپ کو عیسیٰ علیہ السلام کے پیدائش کے بعد تین شکلوں (باپ، بیٹا، روح القدس) میں ظاہر کیا۔ نصاریٰ کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ یہ تینوں اقانیم الٰہی عنصر سے بھرپور ہیں (All three are Divine) اور یہ کہ تینوں کا جوہر ایک ہے (All three are of the same substance) اور اس کے باوجود کہ یہ تینوں برابری کے ساتھ عبادت کے مستحق ہیں (Three worship equally) تینوں الگ الگ خدا، یا دیوتا نہیں بلکہ ایک ہی ہیں۔

ہندومت

قدیم ہندو مذہب کا نہ کوئی ایک بانی تھا اور نہ ہی اس کی کوئی ایک مذہبی کتاب تھی۔ اس مذہب کی تشکیل بہت سے لوگوں کے فلسفوں اور آراء کو شامل کر کے قدیم دور میں کی گئی تھی جو اپنے وقت میں سیاسی و سماجی اثر و رسوخ رکھتے تھے اور ان خود ساختہ عقائد و نظریات کے ذریعے سماج میں اپنی گرفت و مفادات کو تحفظ دینے کے خواہشمند تھے اور یہی رَوِش بعد میں آنے والے حکمرانوں، راجاؤں اور پنڈتوں نے بھی اپنائی تھی۔ اہلِ ہند کا مذہب عجیب و غریب عقائد و رسومات پر مشتمل تھا جن سے بظاہر ایسا تاثر ملتا ہے کہ اس مذہب کا مقصد فقط نفس پرستی تھا۔ اس کا زندگی کی حقیقت اور رب تعالیٰ کا قرب پانے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم ہندوؤں کی عبادت گاہوں میں عورتوں کی برہنہ، فحش تصاویر اور بت نصب تھے۔ اس کے علاوہ ان کی مذہبی رسومات میں بھی بے حیائی و عریانیت نمایاں تھی۔ اس کا خاص اہتمام کیا جاتا اور اسے مذہب کا نام دے کر پاک تصوّر کیا جاتا تھا۔ قدیم ہندوؤں کا مذہب حیا، پاکی اور اخلاص کی تعلیمات دینے کے بجائے بدکاری، فحاشی اور عریانیت کی طرف دعوت دیتا تھا۔ ان کے مذہب اور معاشرے میں عورت کو کم تر و ادنیٰ جنس تصوّر کیا جاتا تھا اور اسے ذاتی خواہشات اور اس کے حصول کا آلہ مان کر اپنے ناجائز مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بنایا جاتا تھا۔

یہودیت: یہودیت حالاں کہ شیما (Adonai Elahun Adonai Achud) آڈونائی ہمارا معبود ہے اور آدونائی ایک ہے۔) پر زور دیتی ہے لیکن یہودیت کے بعض طبقات حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم کی سورہ توبہ کی آیت "**وقالت الیھود عزیر ابن اللّٰہ**" سے ثابت ہے۔ اور حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی کی تحقیق کے مطابق اسرائیل کے وجود 1948 / سے

پہلے فلسطین میں یہود کا ایک طبقہ حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتا تھا حالاں کہ یہود عادۃ اس کا انکار کرتے ہیں لیکن دلوں کے بھید اللہ تعالیٰ سب سے بہتر جانتا ہے۔

13.2.1 زرتشت

زرتشت ثنویت کا قائل تھا۔ اس کا دعوی تھا کہ کائنات میں دو طاقتیں (یا دو خدا) کارفرما ہیں۔ ایک اہورامزدا (یزداں) جو خالق اعلیٰ اور روح حق و صداقت ہے اور جسے نیک روحوں کی امداد و اعانت حاصل ہے۔ اور دوسری اہرمن جو بدی، جھوٹ اور تباہی کی طاقت ہے۔ اس کی مدد بد روحیں کرتی ہیں۔ ان دونوں طاقتوں یا خداؤں کی ازل سے کشمکش چلی آرہی ہے اور ابد تک جاری رہے گی۔ جد اہورامزدا کا پلہ بھاری ہو جاتا ہے تو دنیا امن و سکون اور خوش حالی کا گہوارہ بن جاتی ہے اور جب اہرمن غالب آجاتا ہے تو دنیا فسق و فجور، گناہ و عصیاں اور اس کے نتیجے میں آفات ارضی و سماوی کا شکار ہو جاتی ہے۔ پارسیوں کے اعتقاد کے مطابق بالآخر نیکی کے خدا یزداں کی فتح ہو گی اور دنیا سے برائیوں اور مصیبتوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔

زرتشتی مذہب کے تین بنیادی اصول ہیں۔ گفتار نیک، پندار نیک، کردار نیک۔ اہورامزدا کے لیے آگ کو بطور علامت استعمال کیا جاتا ہے کہ کیوں کہ یہ ایک پاک و طاہر شے ہے اور دوسری چیزوں کو بھی پاک و طاہر کرتی ہے۔ پارسیوں کے معبدوں اور مکانوں میں ہر وقت آگ روشن رہتی ہے غالباً اسی لیے انھیں آتش پرست سمجھ لیا گیا۔ عرب انھیں مجوسی کہتے تھے۔

13.2.2 ہندو دھرم

ہندومت ایک مشرکانہ مذہب تھا جس میں خداؤں کی تعداد ان گنت تھی۔ کچھ لوگوں کے مطابق ان کے دیوتاؤں کی تعداد ہزاروں میں تھی البتہ ہندو مفکرین کا یہ ماننا تھا کہ ہندو مذہب میں اصل دیوتا ایک ہی تھا جس کا نام براہمہ (Brahma) تھا اور بقیہ دیوتا براہمہ کا ہی حصہ تھے۔ ہند کے مؤرخوں کا ماننا ہے کہ اہلِ ہند کا مذہب ابتدا میں سادہ تھا لیکن جب وادی سندھ کی تہذیب (Indus Valley Civilization) اور آریائی تہذیب (Aryan Civilization) کے لوگوں کا آپس میں تعلق قائم ہوا تو یہ مذہب پیچیدہ اور عجیب و غریب رسومات کا شکار ہو گیا تھا۔

ہندومت کی مشرکانہ رسومات انتہائی قدیم تھیں جن کی ابتداء چار ہزار (4000) قبل مسیح میں ہوئی تھی۔ اس دور میں خاص مقدس پودوں اور جانوروں کی پوجا کی جاتی تھی۔ اسی دور میں دیوتا کے ساتھ ساتھ دیویوں کی بھی پوجا شروع کر دی گئی تھی۔

13.3 اسلام میں توحید کا تصور

توحید کا لفظ "وحدت" سے ماخوذ ہے، اس کا مادہ۔ و، ح، د۔ ہے اور اس کا لغوی معنی واحد ماننا، ایک ٹھہرانا، تنہا، اور یکتا قرار دینا۔ امام راغب اصفہانی نے "مفردات القرآن" میں بیان کیا ہے واحد در حقیقت وہ چیز ہے جس کا قطعاً کوئی جز نہ ہو اس کا اطلاق موجود پر ہوتا۔ (اصفہانی، امام راغب، مفردات القرآن، ص959)

توحید کا شرعی واصطلاحی مفہوم یہ بیان کیا ہے

اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات اور جملہ اوصاف وکمالات میں یکتا و بے مثال ہے، اس کا کوئی ساجھی یا شریک نہیں اس کا ہم پلہ یا ہم مرتبہ نہیں۔

امام جعفر نے اپنی کتاب "عقیدۃ الطحاویہ" میں توحید کا شرعی مفہوم درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

نقول فی توحیداللہ معتقدین بتوفیق اللہ،ان اللہ واحد،لاشریک لہ،ولاشئ مثلہ ولاشئ یعجزہ ولااله غیرہ،قدیم بلاابتداء دائم بلاانتہاء ،لایفنی ولایبیدو لایکون الامایریدلاتبلغہ الاوہام ولاتدرکہ الافہام ولایشبہ الانام ،حی لایموت،قیوم لاینام،خالق حاجة ،رازق بلامؤنة،ممیت بلامخافة ،باعث بلامشقة مازال بصفاتہ قدیماً قبل خلقہ لم یزدد بکونہم شیئًا لم یکن،قبلہم من صفتہ وکماکان بصفاتہ ازلیاً کذلک لایزال علیہا ابدیاً،لیس بعدخلق الخلق استفاد اسم الباری وکلہم یتقلبون فی مشیئتہ بین فضلہ وعدلہ وہومتعال عن الاضداد والانداد۔لاراد لقضاۂ ولامعقب لحکمہ ولا غالب لامرہ،آمنا بذالک کلہ وایقناان کلامن عندہ۔(طحاوی،ابو جعفر طحاوی،(341م) متن العقید الطحاویہ بیان عقیدۃ اہل السنۃ والجماعۃ، دارابن حرم النشر والتوزیع،1995ء، ص8)

"ہم اللہ رب العزت کی توحید پر اعتقاد رکھتے ہوئے اس کی توفیق سے کہتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یکتا و قادر ہے، اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں، کوئی شئ اس کے مثل نہیں اور کوئی اللہ تعالیٰ کو کمزور اور عاجز نہیں کر سکتی۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ قدیم ہے جس کے وجود کے لئے کوئی انتہاء نہیں اس کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس کی حقیقت فکر انسان کی رسائی سے بلند تر ہے، اور انسانی عقل وفہم اس کے ادراک سے قائم ہے، اس کی مخلوق کے ساتھ کوئی مشابہت نہیں وہ ازل سے زندہ ہے جس پر کبھی موت وارد نہیں ہو گی۔ اور ہمیشہ سے قائم رہنے والا ہے جو نیند سے پاک ہے، وہ بغیر کسی حاجت کے خالق وہ بغیر کسی محنت کے رازق ہے، بغیر کسی مشقت کے دوبارہ زندہ کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ مخلوق پیدا کرنے سے قبل ہی اپنی صفات کاملہ سے متصف تھا۔ اس نے مخلوق کے وجود سے کوئی ایسی صفت حاصل نہیں کی جو اسے پہلے حاصل نہ تھی جس طرح ازل میں ازل سے وہ صفات الوہیت سے متصف تھا۔ تمام لوگ اس کے مثبت انداز، اس کے فضل اور بدل کے درمیان گردش کرتے رہتے ہیں۔ نہ کوئی اس کے مد مقابل ہے، اور نہ کوئی شریک۔ اس کے فیصلہ کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے، اور کوئی اس کے امر پر غالب آنے والا نہیں، ہم ان تمام باتوں پر ایمان لا چکے ہیں، اور یقین رکھتے ہیں کہ یہ سب کچھ اس کی طرف سے ہے"۔

قرآن کریم نے توحید کا جامع اور مانع تصور سورہ اخلاص میں پیش کیا گیا:

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَد0اللَّهُ الصَّمَدُ0لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ0وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ (سورہ اخلاص:1۔4)

"آپ (ان لوگوں سے) کہ دیجئے کہ وہ یعنی اللہ (اپنے کمال ذات وصفات میں) ایک ہے، اللہ (ایسا) بے نیاز (کہ وہ کسی کا محتاج نہیں اور اس کے سب محتاج ہیں) اس کے اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے"۔

توحید اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کے یقین کو کہتے ہیں، یہ بھی سچ ہے کہ اللہ کا تصور کسی نہ کسی صورت میں مختلف اقوام و مذاہب کے یہاں موجود ہے، لیکن کسی جگہ بھی اس قدر صحیح اور مکمل نہیں ہے، جس طرح اسلام میں توحید کا تصور پیش کیا گیا ہے، بلکہ یہ کہا جائے تو بے جانہ ہو گا کہ دیگر مذاہب وادیان میں شرک کی آمیزش پائی جاتی ہے۔ اسلام نے الوہیت کے تمام ناقص تصورات کو چھوڑ کر جو تصور پیش کیا ہے، اس کا آغاز تقدیس و تمجید سے ہوتا ہے، مثلاً اللہ وہ ہے جو برائی سے پاک ہے، ہر کمال کے ساتھ متصف ہے اور ہر نقص و کمی سے دور ہے، ساری کائنات اور اس کا ذرہ ذرہ اس کے وجود کمال اور وحدانیت پر شاہد ہے، اس مفہوم کو قرآن میں ان الفاظ میں پیش کیا گیا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُواْ رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الأَرْضَ فِرَاشاً وَالسَّمَاء بِنَاء وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقاً لَّكُمْ فَلاَ تَجْعَلُواْ لِلّهِ أَندَاداً وَأَنتُمْ تَعْلَمُوْنَ (سورہ بقرہ:21۔22)

"اے لوگو! عبادت اختیار کرو اپنے پروردگار کی جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی جو کہ تم سے پہلے گزر چکے ہیں، عجب نہیں کہ تم دوزخ سے بچ جاؤ، وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت اور برسایا آسمان سے پانی پھر پردۂ عدم سے نکالا، بذریعۂ اس پانی کے پھلوں کی غذا تم لوگوں کے واسطے سو اب مت ٹھہراؤ، اللہ پاک کے مقابل اور تم جانتے بوجھتے ہو"۔

عقیدۂ توحید انسان کو حریت و آزادی کا وہ بلند مقام بخشتا ہے، جس کا وہ اشرف المخلوقات ہونے کی حیثیت سے مستحق ہے، یہ عقیدہ انسان میں انتہاء درجے کی خودداری اور عزت نفس پیدا کرتا ہے، اس عقیدہ کو ماننے والے کی گردن کسی مخلوق کے سامنے نہیں جھکتی، اس کا ہاتھ کسی کے آگے نہیں پھیلتا، اس کے دل میں کسی کی بزرگی کا سکہ نہیں بیٹھتا، یہ صفات عقیدہ توحید کے علاوہ اور کسی عقیدے سے پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہ عقیدہ انسان میں تواضع اور انکساری بھی پیدا کرتا ہے، اس طرح عقیدہ توحید پر ایمان لانے والا یہ سمجھ لیتا ہے کہ نفس کی پاکیزگی اور نیک عمل کے سوا اس کے لئے نجات اور فلاح کا کوئی ذریعہ نہیں کیونکہ وہ ایک ایسے خدا پر یقین رکھتا ہے، جو بے نیاز ہے۔

13.4 عقیدہ رسالت

توحید کے بعد دوسرا بنیادی عقیدہ "رسالت" ہے جس طرح اعتقاد کی جہت میں توحید اصل دین ہے، اس طرح اتباع کی جہت میں رسالت اصل دین ہے، رسالت کا مفہوم و معنی "پیامبری" کے ہیں۔ جو شخص کسی کا پیغام کسی دوسرے شخص کے پاس لے جائے وہ "رسول" ہے، مگر اسلام کی اصطلاح میں "رسول" اس کو کہتے ہیں جو خدا کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچائے۔ خدا کے رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے، محمد ﷺ سے پہلے کے انبیاء خاص اقوام وادوار کے لئے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کو زمان و مکان کے قیود سے مبرا کر دیا، آپ ﷺ کی رسالت ہر زمانے اور ہر خطے کے لئے ہے۔ قرآن کریم میں آپ ﷺ کی خصوصی حیثیت سے چار طریقوں کو بیان کیا ہے:

1۔ دعوت عام 2۔ تکمیل دین 3۔ نسخ ادیان 4۔ ختم نبوت

پہلی حیثیت کو قرآن کریم کی درج ذیل آیت میں بیان کیا گیا ہے:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّيْ رَسُولُ اللّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيْعاً الَّذِيْ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ لا إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ يُحْيِـيْ وَيُمِيْتُ فَآمِنُواْ بِاللّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الأُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (سورہ اعراف:158)

"آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اے (دنیا جہان کے) لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا (پیغمبر) ہوں جس کی بادشاہی ہے تمام آسمانوں اور زمین میں۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی زندگی دیتا ہے، اور وہی موت دیتا ہے، سو (ایسے) اللہ پر ایمان لاؤ، اور اس کے (ایسے) نبی امی پر (بھی) جو کہ (خود) اللہ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں، اور ان (نبیؐ) کا اتباع کرو، تاکہ تم راہ راست پر آجاؤ"۔

اس مفہوم کو دوسری جگہ اللہ نے ارشاد فرمایا:

تَبَارَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِيْنَ نَذِيْراً (سورہ فرقان:1)

"بڑی عالیشان ذات ہے جس نے یہ فیصلہ کی کتاب (یعنی قرآن) اپنے بندۂ خاص (محمد ﷺ) پر نازل فرمائی تاکہ وہ (بندہ) تمام دنیا جہان والوں کیلئے ڈرانے والا ہو"۔

ایک جگہ اور اللہ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ (سورہ انبیاء:107)

"اور ہم نے (اپنے مضامین نافعہ دے کر) آپ ﷺ کو اور کسی بات کیواسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں پر مہربانی کرنے کیلئے"۔

آپ ﷺ کی رسالت عالم گیر ہے، کس مکان، زمان اور امت کے لئے مخصوص نہیں ہے، اس لئے رسالت کے اس جز پر بھی ایمان لانا ضروری ہے، دوسری حیثیت تکمیل دین کی ہے:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الإِسْلاَمَ دِيْناً (سورہ مائدہ:3)

"آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا، اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کر لیا"۔

تیسری حیثیت نسخ ادیان سابقہ اس بابت قرآن میں مذکور ہے:

الَّذِيْنَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الأُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُونَهُ مَكْتُوباً عِندَهُمْ فِيْ التَّوْرَاةِ وَالإِنْجِيْلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالأَغْلاَلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ آمَنُواْ بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُواْ النُّورَ الَّذِيَ أُنزِلَ مَعَهُ أُوْلَـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُون (سورہ

اعراف:157)

"جو لوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں، جن کو وہ لوگ اپنے پاس توریت میں انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، (جن کی صفت یہ بھی ہے) کہ وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں، اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال بتلاتے ہیں اور گندی چیزوں کو (بدستور) ان پر حرام فرماتے ہیں، اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے، ان کو دور کرتے ہیں، سو جو لوگ ان (نبی موصوف) پر ایمان لاتے ہیں، اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں، اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں"۔

اس مفہوم کو سورہ مائدہ میں بیان کیا گیا ہے:

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيراً مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ قَدْ جَاءكُم مِّنَ اللّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ (سورہ مائدہ:15)

"اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے (یہ) رسول آئے ہیں۔ کتاب میں سے جن امور کا تم اخفا کرتے ہو ان میں سے بہت سی باتوں کو تمہارے سامنے صاف صاف کھول دیتے ہیں اور بہت سے امور کو واگزاشت کر دیتے ہیں، تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے، اور ایک کتاب واضح"۔

چوتھی حیثیت ختم نبوت کی ہے، اس مفہوم کو قرآن نے بیان کیا ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيماً (سورہ احزاب:40)

"محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہے لیکن اللہ کے رسول ہیں سب نبیوں کے ختم پر ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے"۔

مندرجہ بالا تمام اجزا نبوت محمد ﷺ کے لازمی اجزا ہیں، لہٰذا ان پر ایمان لانا ضروری ہے، اس طرح کتب سماوی پر بھی ایمان لانے کے لئے اسلام میں تعلیم دی گئی ہیں، جس طرح تمام انبیاء پر ایمان لانا ضروری ہے، اسی طرح تمام کتب سماوی پر بھی ایمان لانا لازمی ہے۔

پیغمبروں پر ایمان لانے کی تعلیم آیت کریمہ میں دی گئی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُواْ بَيْنَ اللّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُواْ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلاً0أُوْلَـئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقّاً وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَاباً مُّهِيناً0وَالَّذِينَ آمَنُواْ بِاللّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُواْ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُوْلَـئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ وَكَانَ اللّهُ غَفُوراً

رَّحِيْماً۔(سورہ نساء:150۔152)

"جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اوراس کے رسولوں کے ساتھ اور(یوں) چاہتے ہیں کہ اللہ کے اوراس کے رسولوں کے درمیان میں فرق رکھیں۔اور کہتے ہیں کہ ہم بعضوں پر تو ایمان لاتے ہیں اور بعضوں کے منکر ہیں اور(یوں)چاہتے ہیں کہ بین بین ایک راہ تجویز کریں۔ایسے لوگ یقیناکافر ہیں اور کافروں کے لئے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اوراس کے سب رسولوں پر بھی اوران میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ ضروران کے ثواب دیں گے اوراللہ تعالیٰ بڑے مغفرت والے ہیں،بڑے رحمت والے ہیں"۔

تمام کتب سماوی پر ایمان لانے کے لئے دیکھئے قرآن کریم کی درج ذیل آیات:

والَّذِيْنَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ وَبِالآخِرَةِ ہُمْ يُوقِنُون(سورہ بقرہ:4)

"اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ یقین رکھتے ہیں اس کتاب پر بھی جو آپ کی طرف اتاری گئی ہے،اوران کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری جاچکی ہیں"۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللّهِ وَمَلآئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لاَ نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ وَقَالُواْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ (سورہ بقرہ:285)

"اعتقادرکھتے ہیں رسول اللہ(صلعم)اس چیز کا جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور مومنین بھی سب کے سب عقیدہ رکھتے ہیں اللہ کے ساتھ اوراس کے فرشتوں کے اوراس کی کتابوں کے ساتھ اوراس کے پیغمبروں کے ساتھ کہ ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اوران سب نے یوں کہا کہ ہم نے(آپ کاارشاد)سنااور خوشی سے مانا ہم آپ کی بخشش چاہتے ہیں اے پروردگار اورآپ ہی کی(ہم سب کو)لوٹنا ہے"۔

ایک جگہ اورارشاد ہے:

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنزَلَ التَّوْرَاةَ وَالإِنجِيلَ(سورہ آل عمران:3)

"اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے قرآن بھیجا ہے واقعیت کے ساتھ اس کیفیت سے کہ وہ تصدیق کرتا ہے ان(آسمانی)کتابوں کی جو اس سے پہلے ہوچکی ہیں اور(اس طرح)بھیجا تھاتوریت اورانجیل کو"۔

ایک اورارشاد خداوندی ملاحظہ کیجئے:

قُلْ آمَنَّا بِاللّهِ وَمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَالنَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لاَ نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُون(سورہ آل عمران:84)

"آپ فرمادیجئے کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اوراس پر جو ہمارے پاس بھیجا گیااوراس پر جو ابراہیم واسمٰعیل واسحق ویعقوب اوراولاد یعقوب کی طرف بھیجا گیااوراس پر جو موسیٰ اور عیسیٰ اوردوسرے نبیوں کو دیا گیاان کے پروردگار کی طرف سے اس کیفیت سے کہ ہم انمیں سے کسی ایک میں تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ تعالیٰ ہی کے مطیع ہیں"۔

اللہ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (سورہ حدید:25)

"ہم نے (اس اصلاح آخرت کے لئے) اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے احکام دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو اورانصاف کرنے (کے حکم) کونازل فرمایا تاکہ لوگ (حقوق اللہ اور حقوق العباد میں) اعتدال پر قائم رہیں"۔

یہ ہدایات اسلام کے اصول میں سے ہیں کہ جن کتابوں کا ذکر تصریح کے ساتھ قرآن مجید میں کیا گیاہے، ان پر صراحۃ اور جن کا ذکر نہیں کیا گیاہے، ان پر اجمالاً ایمان لایا جائے، اسلامی اعتقاد کے مطابق دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں اللہ کے رسول اس کی طرف سے کتابیں لے کر نہ آئے ہوں، اور جتنی کتابیں دنیا کے مختلف خطوں اور مختلف قوموں میں آئیں وہ سب ایک ہی سرچشمہ کی نہریں۔ ایک ہی آفتاب کی شعاعیں تھیں۔ سب اس حق اور صداقت اور ہدایت کے اور نور کے ساتھ آئی تھیں جن کا نام "اسلام" ہے اس لئے جو "مسلم" ہے وہ ان سب پر ایمان لاتا ہے اور جو ان میں کسی کی تکذیب کرتا ہے وہ سب کی تکذیب اور درحقیقت اصل سرچشمے کی تکذیب کا مجرم ہے۔

13.5 عقیدہ آخرت

آخر کا لغوی معنی ماہرین لسانیات بتایاہے کہ آخر اول کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اسی طرح آخر (دوسرا) واحد کے مقابلہ میں بولا جاتاہے۔ چنانچہ الدارالاخری سے مراد نشأۃ ثانیہ مرادلی جاتی ہے، جیسے کہ الدارالدنیا سے نشاۃ اولیٰ مراد ہوتی ہے۔ (اصفہانی ، مفردات القرآن، ص21)

البتہ یہ اصطلاح قرآن کریم میں حیات بعد الموت کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ آخرہ کی ضد "الداریاالحیوۃ الدنیا" آتی ہے۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ "کا مقالہ نگار آخرت کا مفہوم یوں بیان کرتا ہے:

"نزدیک تریانزدیک ترین مسکن یازندگی موجودہ دنیا۔ آخرت کامترادف نفاذ ہے۔ یہی نفاذ دارالبقا (یعنی ابدی زندگی کاگھر) اوردارالفنا (یعنی فناکاگھر) سے بھی یہی ظاہر ہوتاہے۔ البتہ ع۔ج۔ل کے مادوں سے آخرت سے دوسرے جہان میں سعادت وشقاوت کے اعتبار سے نفس ناطقہ کے اقوال بھی مراد ہیں اوراس کی ضد بھی۔ لفظ "دنیا" ہی ہے جس سے مراد ہے موجودہ دنیا میں آدمی کا بہرہ، خصوصاً دنیوی عیش وعشرت"۔ (اردو دائرہ معارف، اسلامیہ، ج1، ص17)

ڈاکٹر خالد علوی اپنی کتاب"اسلام کامعاشرتی نظام" میں آخرت کا دینی تصور بیان کرتے ہیں :

"کائنات کا موجودہ نظام ایک معینہ مدت کے لئے ہے اور جب یہ مدت ختم ہوگی تو اس کی بساط لپیٹ دی جائے گی اور اس کی جگہ پر ایک نیا نظام لایا جائے گا۔ جس کے قوانین مختلف ہونگے، اس روز انسان کو پھر نئی زندگی ملے گی، نئے نظام میں خالق کائنات عدالت قائم فرمائے گا اور انسان اپنے اعمال کے ساتھ حاضر ہو گا اور اپنی پہلی زندگی میں کئے اعمال کی جانچ پڑتال، حساب وکتاب اور جانچ تول کے مرحلے سے گزر کر جزا و سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔ یہ نظام عدل کا کامل نمونہ ہو گا اور یہاں کوئی ظلم نہیں ہو گا"۔ (علوی، خالد (ڈاکٹر) اسلام کا معاشرتی نظام، ص319)

سید سلیمان ندوی آخرت کا اصطلاحی مفہوم ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"آخرت" کے لفظی معنی "پچھلی" کے ہیں اور یہ لفظ صفت ہے، عربی میں اوصاف کو موصوف کا قائم مقام کرکے اکثر موصوف کو حذف کر دیتے ہیں، مثلاً "دنیا" کے لفظی معنی قریب ترین کے ہیں اور یہ صفت ہے، اس کا موصوف الحیاۃ (زندگی) یا الدار گھر ہے۔ اس لئے الدنیا کا مفہوم الحیاۃ الدنیا (قریب ترین زندگی یعنی اس عالم کی موجودہ زندگی) یا الدارالدنیا (قریب ترین گھر یعنی موجودہ عالم) ہے اسی طرح الآخر اور الآخرہ کا مفہوم: الیوم الآخر والحیوۃ الآخرہ والدارالآخرۃ (پچھلا دن اور پچھلی زندگی اور پچھلا آنے والا گھر) یعنی موجودہ زندگی کے بعد آنے والی دوسری دنیا کی زندگی اور گھر ہے، اور قرآن پاک میں یہ لفظ انہی معنوں میں ایک سو تیرہ مقام پر آیا ہے اور ہر جگہ اس کا محذوف موصوف حیاۃ (زندگی) یادار (گھر) ہے"۔ (ندوی، سید سلیمان (مولانا) سیرۃ النبیؐ، مکتبہ مدینہ لاہور، 2006ء، ج4، ص776)

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ تفہیم القرآن میں آخرت کے متعلق رقمطراز ہیں:

آخرت ایک جامع لفظ ہے جس کا اطلاق بہت سے عقائد کے مجموعے پر ہوتا ہے:

1. یہ کہ انسان اس دنیا میں غیر ذمہ دار نہیں ہے، بلکہ اپنے تمام اعمال کے لئے خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔
2. یہ کہ دنیا کا موجودہ نظام ابدی نہیں ہے، بلکہ ایک وقت پر، جسے صرف خدا ہی جانتا ہے، اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔
3. یہ کہ اس عالم کے خاتمے کے بعد خدا ایک کے بعد دوسرا عالم بنائے گا اور اس میں پوری نوع انسانی کو جو ابتدائے آفرینش سے قیامت تک زمین پر پیدا ہوئی تھی، بیک وقت دوبارہ پیدا ہو گا، اور سب کو جمع کرکے ان کے اعمال کا حساب لے گا، اور ہر ایک کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلا دے گا۔
4. یہ کہ خدا کے اس فیصلہ کی رو سے جو لوگ نیک قرار پائیں گے وہ جنت میں جائیں گے اور جو لوگ بد ٹھہریں گے وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔
5. یہ کہ کامیابی وناکامی کا اصلی معیار موجودہ زندگی کی خوشحالی وبدحالی نہیں ہے، بلکہ درحقیقت کامیاب انسان وہ ہے جو خدا کے آخری فیصلے میں کامیاب ٹھہرے، اور ناکام وہ ہے جو وہاں ناکام ہو۔ ے (مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ جماعت

اسلامی ہند، 1923ء، ج1، ص51۔52)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ وَبِالآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُون (سورہ بقرہ:4)

"اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ یقین رکھتے ہیں اس کتاب پر بھی جو آپ کی طرف اتاری گئی ہے اور ان کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری جاچکی ہیں، اور آخرت پر بھی وہ لوگ یقین رکھتے ہیں"۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا0 وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَى (سورہ اعلیٰ:16۔17)

"بلکہ تم دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو، حالانکہ آخرت (دنیا سے) بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے"۔

علاوہ ازیں اگر ہم اسلام کے بنیادی مصادر قرآن اور احادیث نبویہ کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ آخرت کی اہمیت کو خصوصیت سے بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَالْمَلآئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّيْن (سورہ بقرہ:177)

"(کچھ سارا) کمال اس میں نہیں (آگیا) کہ تم اپنا منھ مشرق کو کرلو یا مغرب کو لیکن (اصلی) کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (سب) کتب (سماویہ) پر اور پیغمبروں پر"۔

اس سورہ میں دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُواْ وَالَّذِيْنَ هَادُواْ وَالنَّصَرَىٰ وَالصَّابِئِيْنَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ (سورہ بقرہ:62)

"یہ تحقیقی بات ہے کہ مسلمان اور یہودی اور نصاریٰ اور فرقۂ صائبین (ان سب میں) جو شخص یقین رکھتا ہو اللہ تعالیٰ (کی ذات اور صفات) پر اور روز قیامت پر"۔

مولانا ادریس کاندھلوی نے اپنی کتاب "عقائد اسلام" میں تحریر کیا ہے کہ:

"آیات اور احادیث متواترہ اور اجماع امت سے بھی یہ ثابت ہے کہ مرنے کے بعد اور حشر سے پہلے بھی نیک اور بد کو جزا و سزا ملتی ہے، کیونکہ موت کے معنی فنا اور عدم کے نہیں بلکہ روح کے بدن سے جدا ہونے کا نام موت ہے اور اصل انسان بھی روح ہے اور جسم بمنزلہ لباس کے ہے اور روح فنا نہیں ہوتی بلکہ بدن سے جدا ہو کر دوسرے عالم میں چلی جاتی ہے، اور آخرت کے بارے میں اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جو خبریں دی ہیں وہ سب حق اور صحیح ہیں ان پر ایمان لانا ضروری ہے، اس لئے کہ وہ تمام امور عقلاً ممکن ہیں۔ عقل سلیم کس امر کو محال نہیں بتاتی اور محال اور ناممکن ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ دلیل بیان کریں اور محض کسی شئ کا عجیب و غریب ہونا یا اس کا غیر محسوس

ہونا یا سمجھ میں نہ آنا عقلاً یہ دلیل اس کے محال ہونے کی نہیں ہو سکتی"۔(کاندھلوی، محمد ادریس (مولانا) عقائد اسلام، لاہور، ص100)

گویا یہ اسلام کے بنیادی اور اہم عقائد ہیں، عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت اور عقیدۂ آخرت ہے۔ اگر ان کی تعلیمات پر نظر ڈالی جائے تو کوئی بھی صاحب عقل اور صاحب شعور یہی نتیجہ نکالے گا کہ ان سے انسانی زندگی منظم و مرتب ہوتی ہے، اور بہت ساری مصیبتوں اور دشواریوں سے مامون ہو جاتی ہے نیز انسان کے اندر خوف خدا اور اپنے مالک حقیقی کا خوف پیدا ہوتا ہے جو ہمارے معاشرے کو امن و امان بخشتا ہے نیز تنزلی اور بدعنوانی سے بچاتا ہے۔

13.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- توحید کے متعلق واضح اور مثبت پیغام، ساتھ ہی ساتھ یہ بھی پتہ چلا کہ اسلام جن بنیادی عقائد کی بات کرتا ہے وہ بڑے اہم اور سماج کے لیے لائق اتباع ہیں۔
- اسلام میں توحید کے عقیدہ کا واضح طور پر یہ مطلب ہے کہ اللہ اکیلا، ہر چیز کا خالق و مالک اور معبود حقیقی وہی ہے۔ لہذا اسی کے آگے جھکنا چاہیے اور اسی سے ہر چیز مانگنی چاہیے۔
- اسلام میں بنیادی عقائد تین ہیں جنہیں عقائدِ ثلاثہ کے نام سے جانا جاتا ہے یعنی عقیدہ توحید، عقیدہ رسالت اور عقیدہ آخرت۔
- عقائد کی ضرورت و اہمیت کیا ہے اور اس کے معاشرے پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں، اس اکائی میں ہم نے یہ بھی جاننے کی سعی کی ہے۔
- عقائد کی تصحیح کے لیے بنیادی ماخذ قرآن و سنت ہیں۔ قرآن و سنت میں جن عقائد کی طرف رہنمائی کی گئی ہے ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔
- عیسائی مذہب گرچہ سامی ادیان کی فہرست میں آتا ہے اس کے باوجود عیسائیت میں توحید کا تصور نہیں پایا جاتا ہے۔
- یہودیت میں بھی توحید کا تصور نہیں پایا جاتا
- رہا دیگر مذاہب جنہیں غیر سامی ادیان کہا جاتا ہے ان میں بھی توحید کا جامع تصور نہیں پایا جاتا ہے۔

13.7 نمونہ امتحانی سوالات

13.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. درج ذیل میں سے سامی ادیان میں کون شامل ہے؟

(a). زرتشت مذہب (b). ہندو دھرم (c). اسلام (d). ان میں سے کوئی نہیں

2. عقائد ثلاثہ سے مراد ہے؟

(a). عقیدہ آخرت (b). عقیدہ توحید ورسالت (c). عقیدہ توحید، رسالت و آخرت (d). عقیدہ نبوت و آخرت

3. عقیدۃ الطحاویہ کے مصنف ہیں؟

(a). امام ابو حنیفہ (b). امام یوسف (c). امام مالک (d). امام ابو جعفر طحاوی

4. قرآن مجید کی کس سورہ میں توحید کا جامع تصور پیش کیا گیا ہے؟

(a). سورہ الناس (b). سورہ فلق (c). سورہ اخلاص (d). سب غلط

5. یہودی ان میں سے کس نبی کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں (نعوذ باللہ)؟

(a). حضرت موسیٰؑ (b). حضرت عیسیٰؑ (c). حضرت داؤدؑ (d). حضرت عزیزؑ

6. تثلیث کا عقیدہ کس مذہب سے منسوب ہے؟

(a). عیسائیت سے (b). بدھ دھرم سے (c). اسلام سے (d). یہودیت سے

7. سامی ادیان کا مطلب ہے؟

(a). آسمانی مذاہب (b). وہ مذاہب جنہیں بعد میں تشکیل دیا گیا

(c). سکھ دھرم، زرتشت مذہب اور عیسائیت (d). ان میں سے کوئی نہیں

8. 1995 ان میں سے کون سا مذہب تثنویت کا قائل ہے؟

(a). ہندو دھرم (b). عیسائی مذہب (c). یہودی مذہب (d). سب غلط

9. عیسائی مذہب میں جبرئیل علیہ السلام کو کیا مانا جاتا ہے؟

(a). تین خداؤں میں سے ایک (b). دو میں سے ایک (c). چار میں سے ایک (d). ان میں سے سب

10. خدا باپ، خدا بیٹا، خدا روح القدس کس مذہب کا عقیدہ ہے؟

(a). یہودی مذہب کا (b). عیسائی مذہب کا (c). ہندو دھرم کا (d). زرتشت مذہب کا

13.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. اسلام کے عقیدہ توحید کی مختصر وضاحت کیجیے۔
2. اسلام کے عقیدہ رسالت مختصر نوٹ لکھیے۔
3. اسلام کے عقیدہ آخرت کی مختصر وضاحت کیجیے۔
4. عقیدہ توحید، رسالت اور آخرت پر مختصر نوٹ لکھیے۔

5. عیسائی مذہب کے مطابق عقیدہ تثلیث کا تعارف کیجیے۔

13.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. اسلام کے کے عقائد توحید پر تفصیلی مضمون لکھیے۔
2. اسلام کے عقیدہ رسالت کی تفصیل سے وضاحت کیجیے۔
3. اسلام کے عقیدہ آخرت پر ایک جامع نوٹ لکھیں۔

13.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. عقائد اسلام : مولانا ادریس کاندھلوی
2. عقائد اسلام : عبداللہ بن زید المحمود
3. اسلام کا معاشرتی نظام : ڈاکٹر خالد علوی
4. اسلامی عقائد : حافظ ابن احمد الحکمی
5. عقیدۃ الطحاویہ : امام ابو جعفر الطحاوی

اکائی 14: مذہبی رسومات

اکائی کے اجزا:

14.0 تمہید

14.1 مقاصد

14.2 یہودیت کی مذہبی رسومات

14.3 عیسائیت کی مذہبی رسومات

14.4 صابی مذہب کی رسومات

14.5 زرتشت کی مذہبی رسومات

14.6 ہندو دھرم کی مذہبی رسومات

14.7 بدھ مذہب کی رسومات

14.8 جین مت کی مذہبی رسومات

14.9 سکھ مت کی رسومات

14.10 اکتسابی نتائج

14.11 نمونہ امتحانی سوالات

14.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

14.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

14.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

14.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد

14.0 تمہید

ادیان و مذاہب کے مطالعہ اور اس کا بلا تعصب و تنگ نظری کے جائزہ لینے سے سماجی و معاشرتی سطح پر ہم آہنگی اور رواداری فروغ پاتی ہے۔ جب ایک دوسرے کی تہذیب و تمدن اور ثقافت و کلچر یا تاریخ و تہذیب کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو اس سے معاشرے میں رائج بہت ساری غلط فہمیاں دور ہوتی ہیں۔ سماج میں یکجہتی و توسع پیدا ہوتا ہے۔ آج اسی کی سب سے بڑی ضرورت ہے کہ کہ ہم تکثیری سماج میں اپنے افکار و نظریات اور دین و دھرم پر عمل کرتے ہوئے دیگر ادیان و مذاہب کا احترام کریں ان کے عقائد و اعمال اور مذہبی رسومات کے ادا کرنے پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ جب اس طرح سے ہم ایک دوسرے کے مذہب و ملت اور دین کا مطالعہ کریں گے تو اس کے نتائج یقیناً معاشرے کے لیے مفید و مؤثر ثابت ہوں گے۔

ادیان و مذاہب کو بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ایک سامی ادیان اور دوسرا غیر سامی ادیان۔ سامی ادیان کا مطلب ہوتا ہے آسمانی مذاہب اور غیر سامی ادیان کا مطلب ہوتا ہے غیر سامی ادیان چنانچہ ماہرین متذکرہ تعریف کو سامنے رکھ کر سامی ادیان میں، اسلام، عیسائیت اور یہودیت کو شامل کیا ہے۔ غیر سامی ادیان میں، ہندو دھرم، بدھ دھرم، جین دھرم، سکھ دھرم، زرتشت مذہب وغیرہ وغیرہ۔

اہم بات یہ ہے کہ تمام مذاہب میں (خواہ ان کا تعلق سامی ادیان سے ہو یا غیر سامی ادیان سے) عقائد و نظریات، تعلیمات و ہدایات، احکام و قوانین کے ساتھ ساتھ مذہبی وہ دینی رسومات بھی پائی جاتی ہیں۔ یہ رسومات بعض مذاہب میں شخصیت کے نام سے منسوب ہیں تو بعض مذاہب میں خوشی و مسرت کے مواقع کسی اور وجہ سے منائے جاتے ہیں۔ یہاں یہ بات عرض کرنی بھی ضروری ہے کہ کسی بھی دھرم کی مذہبی رسم ہو، یا کسی بھی مذہب کی کوئی تعلیم و حکم ہو وہ اس کے لیے بڑا اہم اور ضروری ہے جو اس مذہب کا حامل اور علمبردار ہے۔ اس لیے کسی کے مذہب کی کسی بھی نوعیت کی تعلیم و ہدایت سے دوسرے مذہب والے کو کوئی تعرض نہیں ہونا چاہیے۔

14.1 مقاصد

اس اکائی کے ذریعے ہمیں معلوم ہوگا کہ سامی اور غیر سامی ادیان کی مذہبی و دینی رسومات کیا کیا ہیں اور ان کے منانے کا طریقہ کار کیا ہے۔

14.2 یہودیت کی مذہبی رسومات

یہودی مذہب کا شمار سامی ادیان میں ہوتا ہے۔ یہودیت کے حاملین اپنے مذہب کے مطابق ایمان و یقین رکھتے ہیں۔ یہودی مذہب میں جو بھی افکار و نظریات ہیں ان کی تاریخ و تہذیب ہے۔ چنانچہ یہودیت میں مذہبی رسومات بھی ادا کی جاتی ہیں۔ ذیل میں ان مذہبی رسوم کا تذکرہ پیش ہے۔

1. روش حشانہ

روش ہشانہ نئے یہودی سال کا تہوار ہے جو تشری / تسری کے پہلے اور دوسرے دن منایا جاتا ہے۔ تشری قدیم یہودی کیلنڈر کا پہلا مہینہ ہے جبکہ موسموں کے مطابق نسان پہلا مہینہ ہے۔ دس دن جاری رہنے والا یہ تہوار یہودیوں کے لیے غور و فکر اور معافی کا موقع ہوتا ہے جس وجہ سے ان دنوں کو "یامیم نَورائیم "یعنی "ہیبت کے ایام" بھی کہا جاتا ہے۔ یہودی گزرے سال پر غور کرتے ہیں کہ وہ کیسے گزارا، ان سے کیا گناہ سرزد ہوئے اور کیسے ان گناہوں کی تلافی ممکن ہے۔ روش ہشانہ کی تیاری اس سے پہلے والے ہفتے ہی شروع کر دی جاتی ہے اور آدھی رات کو اٹھ کر خدا سے معافی مانگی جاتی ہے۔ ایسا کرنے کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ معافی مانگنے اور بخشے جانے کے لیے یہودی کس قدر مشتاق ہیں۔

2. تیشاباؤ

آوو کی نو کو منایا جانے والا یہ تہوار ہیکل کی پہلی اور دوسری تباہی کی یاد میں منعقد ہوتا ہے۔ یہودی تاریخ میں یہ رنج و الم کا دن رہا ہے۔ اس دن وہ رو رو کر خدا سے دعائیں کرتے تھے اور چوبیس گھنٹے کا روزہ رکھتے تھے۔ راسخ العقیدہ یہودی تین ہفتے پہلے ہی اس دن کو یاد کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ شادیوں میں شرکت نہیں کی جاتی، بال نہیں تراشے جاتے، آرام دہ لباس نہیں پہنا جاتا اور اچھے کھانے نہیں کھائے جاتے۔ لوگ زمین پر بیٹھنا پسند کرتے ہیں اور روشنیاں کم کر دی جاتی ہیں۔ اس دن کی بنیادی عبادت کتاب نوحہ کی تلاوت ہوتی ہے تاکہ دل میں رقت پیدا ہو۔

3. ہنوخا

روشنیوں کی تقریب کہلایا جانے والا یہ آٹھ روزہ تہوار کسلیو کی 25 تاریخ کو شروع ہوتا ہے۔ کرسمس کے نزدیک ہونے کی وجہ سے عصر حاضر میں یہ تہوار زیادہ اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ یہ تہوار مکابیوں کی فتح یروشلم کی خوشی میں منایا جاتا ہے جس کا بیان تفصیلاً دوسرے باب میں گزر چکا ہے۔ اس تہوار کی نسبت سے ایک روایت مشہور ہے کہ جب مکابیوں نے یروشلم پر دوبارہ قبضہ کیا تو وہاں شمعیں روشن کرنے کے لیے تیل کا صرف ایک کنستر تھا۔ یہ کنستر ایک رات میں ختم ہونا تھا لیکن اسی تیل سے آٹھ دن تک شمعیں روشن رہیں۔ اسی یاد میں یہودی روشنیاں جلاتے ہیں۔ ایک دوسرے کو تحائف دینا، موسیقی سننا اور کھیل کھیلنا اس دن کی یادگار ہیں۔

4. پیوریم

ادار ثانی کی 14 تاریخ کو منایا جانے والا یہ تہوار ایستر اور مردکائی کی یہودیوں کے لیے کی جانی والی صلہ رحمی کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ عبرانی بائیبل میں کتابِ ایستر میں اس قصے کو تفصیلاً بتایا گیا ہے جس کہ مطابق اخسویرس (518-465ق۔م) جب فارس کا بادشاہ تھا تو اس نے ایک یہودی عورت ایستر سے شادی کی۔ ایستر مردکائی کے ہاں پلی بڑھی تھی۔ اخسویرس کا ایک وزیر، ہامان یہودیوں کا دشمن بن گیا اور اس خیال میں تھا کہ ریاست میں موجود تمام یہودیوں کو قتل کر دیا جائے۔ مردکائی کے ہمت دلانے پر ایستر نے بادشاہ سے التجا کی کہ یہودیوں کی جان بخشی کی جائے۔ بادشاہ نے ایستر کی درخواست منظور کی جس سے یہودیوں کو امن نصیب ہوا۔ ہامان کو پھانسی دے کر مار ڈالا

گیا۔ راسخ العقیدہ یہودی اس دن روزہ رکھتے ہیں اور کتاب ایستر کی تلاوت کرتے ہیں۔ یہ عجب انداز کا تہوار ہے جس میں تلاوت کے دوران جب ہامان کا نام آتا ہے تو لوگ نفرت کا اظہار کرتے ہوئے لعنت ملامت کرتے ہیں اور مردکائی کے نام پر نعرے لگاتے ہیں۔ اس دن یہودیوں کو اس قدر مدہوش ہو جانے کی اجازت ہے کہ وہ مردکائی اور ہامان کے نام میں فرق نہ کر سکیں۔ اسے خوشی کا تہوار بھی کہا جاتا ہے۔ بچے مختلف رنگ برنگے لباسوں میں ہوتے ہیں اور کوشش ہوتی ہے کہ غریب لوگوں کی مدد کی جائے تاکہ وہ بھی اس تہوار کا حصہ بن سکیں۔ (ڈاکٹر عبدالرشید، ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ، صفحہ 296)

5. عید فسیح

یہودیوں کا اہم تہوار ہے جو کہ سات دن تک منایا جاتا ہے۔ اس کے تاریخی پس منظر سے کئی واقعات متعلق ہیں لیکن بنیادی طور پر یہ تہوار یہودیوں کے اہم تہواروں میں سے ایک ہے۔ فسح دراصل عبرانی لفظ فاش کا ترجمہ ہے جس کے معنی چھلانگ مارنے یا بیچ میں چھوڑ دینے کے ہیں۔ اس تہوار کے منانے کی ایک تاریخ یہ ہے کہ ایک مرتبہ مصر میں ایک وبا پھیل گئی تھی جس کے تحت جیٹھے بچے ہلاک ہونے لگے لیکن یہودیوں کے گھر اس وبا سے محفوظ رہے۔ اس موقع پر ایک سالہ بھیڑ کے بچے کی قربانی دی جاتی ہے اور اس کا بھنا ہوا گوشت تبرک کے طور پر گھر کے تمام افراد کھاتے ہیں اور غیر یہودی کو اس قربانی میں شامل نہیں کیا جاتا۔ اسی تہوار کے موقع پر بالغ ہو جانے والے یہودی لڑکے لڑکیوں کے باقاعدہ یہودی ہونے کے اعلان کیا جاتا ہے۔ یہی تہوار فصل کٹنے کے موقع پر بھی منایا جاتا ہے۔ غرضیکہ عید فسیح یہودیوں کے شکرانے کا تہوار ہے جسے مختلف موقعوں پر شکرانے کی مختلف انداز کے طور پر منایا جاتا ہے۔ (ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ، صفحہ 295)

6. یوم خمیس

یہ یونانی لفظ ہے جس کے معنی ہیں پچاسواں۔ یہ تہوار عید فسیح کے بعد پچاسویں دن منایا جاتا ہے اس لیے یہ تہوار اس نام سے موسوم ہے۔ اس موقع پر یہ رسم ادا کی جاتی ہے کہ پروہت نئے گیہوں کی دو خمیری روٹیاں یہوداہ کے سامنے لہراتا ہے اور اس کے بعد انہیں کھالیتا ہے۔ اس وقت سات بھیڑیں یا بیل اور دو دنبے ذبح کیے جاتے ہیں اور اس دعوت میں غرباء، مساکین، بیواوں، یتامیٰ اور مسافروں کو مدعو کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں یہود میں سات کا عدد بڑا مقدس سمجھا جاتا ہے جس طرح ہفتے کا ساتواں دن ان کے نزدیک بہت مقدس ہے۔ اسی طرح ساتواں مہینہ بھی مقدس خیال کیا جاتا ہے۔ جب ساتواں مہینہ شروع ہوتا ہے تو قربانی دوگنی کر دی جاتی ہے۔ ہر ساتویں سال زمینیں بلا کاشت چھوڑ دی جاتی ہیں۔ اس سال تمام قرض معاف کر دیے جاتے ہیں یا کم از کم ادائیگی کی معیاد میں توثیق کر دی جاتی ہے۔ یہ سال کنعان میں آباد ہونے کے ہر سات سال بعد منایا جاتا ہے۔ (ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ، صفحہ 297)

14.3 عیسائیت کی مذہبی رسومات

عیسائیوں کے یہاں بھی مذہبی رسومات منانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ان کی معروف مذہبی رسومات سطور ذیل میں پیش ہیں۔

1. کرسمس

کرسمس دنیا کا مشہور ترین تہوار ہے۔ اس کا تعلق حضرت عیسی علیہ السلام کی پیدائش سے ہے قدیم عیسائیوں میں یہ تہوار منایا جاتا تھا اور آج بھی یہ تہوار پوری عیسائی دنیا باقاعدگی سے مناتی ہے۔ ابتدا میں عیسائی علماء کی مختلف مذہبی جماعتیں مختلف تاریخوں میں حضرت عیسی علیہ السلام کی پیدائش کی تقریبات مناتی تھیں اور یہ تاریخیں 6 / جنوری 19 / اپریل 20 / مئی 17 / نومبر اور 25 دسمبر تھیں.

پانچویں صدی عیسوی میں 25 / دسمبر کی تاریخ پہلے مغربی ممالک کے عیسائیوں نے مقرر کی اور پھر دنیا بھر کے عیسائیوں نے اسی پر اتفاق کر لیا۔ جیسے ہی یہ دن قریب آتا ہے عیسائی حضرات اپنے گھروں کو سجانا شروع کرتے ہیں۔ سب گھر والے نیا لباس بنواتے ہیں 24 اور 25 / دسمبر کی درمیانی شب کو سب جاگتے ہیں اور مسیح کی آمد کے متعلق نغمے گاتے ہیں اور کچھ مخصوص ڈشز تیار کرتے ہیں۔ اسی رات گرجا گھروں میں mid-nigh prayar ٹھیک بارہ بجے شروع ہوتی ہے۔

جس کے خاتمے پر آتش بازی بھی چھوڑی جاتی ہے 25 / دسمبر کو رشتہ داروں اور دوست واحباب سے ملاقاتیں اور ضیافتیں ہوتی ہیں اور تحفے تحائف کے تبادلے ہوتے ہیں اس موقع پر شجر عید کی شاخوں پر موم بتیاں روشن کی جاتی ہیں اور مٹھائیاں و تحفے لٹکائے جاتے ہیں اور روایتی سفید پیش بوڑھا (سانتا کلاز کرسمس فادر) بنایا جاتا ہے جو بچوں کے لیے تحفے لاتا ہے۔ آج بعض شامی عیسائی اور ہندوستان کی ریاست کیرالا میں یہ تہوار 7 / جنوری کو منایا جاتا ہے جبکہ یروشلم میں اس کے منانے کا انداز مختلف ہے جہاں بڑا پادری دوسرے پادریوں اور عیسائی عقیدت مندوں کی قیادت کرتا ہوا ایک جلوس کی شکل میں صبح سویرا بیت اللحم پہنچتا ہے اور سب لوگ وہاں لگاتار عبادت میں مصروف رہتے ہیں آدھی رات کو بڑا پادری سب کے ساتھ انجیل کے اس حصے کی تلاوت کرتا ہے جو حضرت عیسی علیہ السلام کی زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ کافی دیر تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اس کے بعد حاضرین کھانا کھاتے ہیں اور پھر اگلی صبح جلوس یروشلم واپس ہوتا ہے جنوری کی پہلی تاریخ کو بڑا پادری دوسرے پادریوں کے ساتھ مزار مقدس کے گرجا کا سات مرتبہ طواف کرتا ہے اور پھر سات زبانوں میں انجیل کے کسی اقتباس کی تلاوت کے بعد اجتماعی ضیافت کا اہتمام ہوتا ہے اور اس میں شریک عیسائی دریائے اردن کا اشنان کرتے ہوئے واپسی پر تبرک کے طور سے تھوڑا بہت پانی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ کرسمس کا یہ تہوار 6 / جنوری تک جاری رہتا ہے۔ (ڈاکٹر عبد الرشید، ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ، صفحہ 422)

2. گڈ فرائی ڈے

حضرت عیسی علیہ السلام کی زندگی کے آخری اٹھ دن بڑے اہم ہیں۔ لہذا عیسائی نقطہ نظر سے مسیح کی زندگی کے آخری ہفتے کا ہر دن یادگار اور متبرک ہے۔ گڈ فرائیڈے سوگ کا دن ہے اسی دن حضرت عیسی علیہ السلام کو بقول عیسائیت مصلوب کیا گیا تھا۔ کیتھولک گرجوں میں اس دن گھنٹیاں نہیں بجائی جاتیں۔ کیونکہ ایک عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام جمعہ کو سہ پہر تین بجے مصلوب کیے گئے تھے ۔لہذا اس وقت گرجوں میں تعزیتی اجتماعات ہوتے ہیں جن میں سب سے پہلے پادری ان اذیتوں کا بیان کرتا ہے جو حضرت عیسی علیہ السلام نے اپنی زندگی میں اٹھائیں۔ پھر صلیب کی تعظیم کا ذکر ہوتا ہے اس کے بعد تین گھنٹے تک عبادت ہوتی ہے اور آخر میں سوگ منانے والے۔

عیسائی حضرات سیاہ لباس میں ملبوس تعزیتی خاموش جلوس نکالتے ہیں جس کے آگے آگے چند عیسائی ایک تابوت اپنے کندھے پر اٹھاتے چلتے ہیں۔ جسے حضرت عیسی علیہ السلام کے جنازے کی علامت تصور کیا جاتا ہے اس موقع پر اکثر عیسائی حضرات روزہ بھی رکھتے ہیں۔ مشرقی چرچ گڈ فرائیڈے کی اصطلاح کے بجائے great Friday استعمال کرتے ہیں۔(ایضاً، صفحہ 423-424)

3. لارڈس ڈے

عیسائی عقیدے کی رو سے اتوار کا دن خداوند کا دن ہے اسی دن حضرت عیسی علیہ السلام قبر سے اٹھے تھے اور اسی دن قیامت بھی برپا ہو گی۔ اتوار، عیسائیت کے ہاں آرام کا بھی دن ہے اور عبادت کا بھی۔ اتوار کی صبح تقریباً چاشت کے وقت عیسائی حضرات صاف ستھرے لباس میں گرجا گھر میں جا کر اجتماعی عبادت میں حصہ لیتے ہیں۔

ابتدا میں اتوار کو عام تعطیل صرف ان ممالک میں ہوتی تھی جہاں عیسائی حکومت ہوتی مگر رفتہ رفتہ تمام دنیا نے اتوار ہی کو عام تعطیل کے طور پر اپنا لیا یہاں تک کہ اسلامی ممالک نے بھی اسی کی پیروی کی۔

4. ایسٹر

لفظ ایسٹر قدیم جرمن زبان کے لفظ اوسٹرس سے بگڑ کر انگریزی لغت میں داخل ہوا ہے اینگلو سیکسن اقوام کی موسم بہار کی دیوی کا نام ایسٹرو تھا۔ جس کے زیر اہتمام طلوع صبح کا سحر آفریں منظر ہر روز معرض وجود میں آتا تھا۔ یہ تہوار دلکش خوش آئند شگفتگی اور امیدوں کا حامل سمجھا جاتا تھا اسی لیے اسے بڑے جوش و خروش سے منایا جاتا تھا۔ جب ان اقوام نے یسوع مسیح کو اپنا نجات دہندہ قبول کر لیا تو بہار کی دیوی ایسٹرو کو خیر باد کہہ دیا مگر جشن بہاراں منانا ترک نہ کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ ان دنوں کلیسا اپنا تہوار پاشکا مناتی تھی لیکن اینگلو سیکسن اقوام نے اسے ایسٹر کے نام سے پکارا آج یہی نام ساری دنیا میں رائج ہے.(ایضاً، صفحہ 425)

14.4 صابی مذہب کی رسومات

کائنات میں پائے جانے والے افکار و نظریات اور دین و دھرم کی طرح ایک نظریہ، دھرم یا مذہب صابی بھی اس کا تذکرہ قرآن کریم میں ہوا ہے۔ لہٰذا اس مذہب کی بھی اپنی رسومات اور عقائد و اعمال ہیں ذیل میں صابی مذہب کی رسومات پیش ہیں۔

1. صابئین کی مذہبی رسومات

عید کبیر: اس کو وہ عید "ملک الانوار" بھی کہتے ہیں۔ اس دن وہ لوگ اپنے گھروں میں چھتیس گھنٹہ بیٹھتے ہیں اور اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ ایک لمحہ کے لیے بھی ان کی آنکھیں نہ جھپکنے پائیں تاکہ وہ احتلام کا شکار نہ ہو سکیں، کیونکہ احتلام سے ان کی خوشی کافور ہو جاتی ہے۔ اعتکاف کے فوراً بعد وہ بپتسمہ کی رسم ادا کرتے ہیں۔ یہ تیوہار چار دن رہتا ہے جس میں خرگوش اور مرغیوں کو ذبح کیا جاتا ہے اور اس دوران وہ کوئی دنیاوی کام انجام نہیں دیتے۔

عید صغیر: عید کبیر کے ایک سو اٹھارہ دنوں کے بعد محض ایک دن کا یہ تہوار ہے، جس میں ایک دوسرے کی زیارت کی جاتی ہے اور

بسا اوقات تین دنوں تک جاری رہتا ہے۔

عید پنجہ: پانچ دنوں پر مشتمل یہ تہوار عید صغیر کے چار مہینہ بعد آتا ہے۔ ان پانچوں دنوں جملہ افراد کے لیے کھانے سے پہلے تین بار بہتے ہوئے پانی میں بپتسمہ لینا ضروری ہے۔ جس سے گزشتہ سال کے جملہ گناہ مٹ جاتے ہیں۔ ان دنوں میں اصطباغ دن اور رات کے کسی بھی حصہ میں کیا جاسکتا ہے۔

عید یحییٰ: مقدس ترین اور ایک دن کا یہ تہوار یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کی مناسبت سے منایا جاتا ہے، جسے وہ اپنا مخصوص نبی مانتے ہیں۔ یہ تہوار عید پنجہ کے دوماہ بعد منایا جاتا ہے۔ (مولانا انیس احمد فلاحی، مذاہب عالم ایک تقابلی مطالعہ، صفحہ 200)

14.5 زرتشت کی مذہبی رسومات

زرتشت یعنی پارسیوں کی اپنی خصوصیت و تعلیمات ہیں۔ فکر و فلسفہ اور تاریخ ہے۔ ان کے مختلف عقائد و رسوم اپنے اندر ان گنت پہلو لیے ہوئے ہیں۔ دیگر مذاہب کی طرح پارسیوں کے بھی اپنے مخصوص تیوہار ہوتے ہیں جو وہ بڑے جوش و خروش اور دھوم دھام سے مناتے ہیں۔ انہی میں ایک تیوہار گھمبار بھی ہے جس کا پس منظر بڑا ہی تاریخی ہے کہتے ہیں کہ ایران کا بادشاہ جمشید پارسیوں کا پہلا مذہبی رہنما تھا جس نے گھمبار منانے کی رسم شروع کی۔

گھمبار کے معنی شکرانے کے ہیں جو پارسی مذہب کے لوگ خدا تعالیٰ کی نوازشوں کا ادا کرتے ہیں۔ اور اس کی عطا کردہ نعمتوں کی خوشی مناتے ہیں۔

1. گھمبار منانے کا طریقہ

گھمبار کی ثقافتی اور مذہبی اہمیت یکساں ہے گھمبار چھ ہوتے ہیں اور ہر گھمبار پانچ دن کا ہوتا ہے اور انہیں مختلف انداز میں اور مختلف مہینوں میں منایا جاتا ہے۔

پہلا گھمبار نوروز کے 40 دن بعد منایا جاتا ہے۔ دوسرا گرمیوں کے وسط میں پانچ روز تک منایا جاتا ہے۔

خزاں کے موسم میں تیسرا گھمبار منایا جاتا ہے جبکہ فصلیں تیار ہو جاتی ہیں

خوشحالی کے شکرانے کے طور پر منایا جاتا ہے پانچواں گھمبار سردیوں کے وسط میں منایا جاتا ہے جبکہ کسان بھی اپنے کام سے فارغ ہو جاتے ہیں۔

چھٹا گھمبار موسم بہار کی خوشی میں منایا جاتا ہے۔

اخترِی گھمبار بڑے ہی جوش و خروش سے منایا جاتا ہے اور ہر شخص کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ اسے بہتر سے بہتر طریقے سے منائے سب سے زیادہ خوشی اسی دن منائی جاتی ہے اس دن خاص طور سے عزیز و اقارب اور دوستوں کی ضیافتیں کی جاتی ہیں اور لذیذ قسم کے کھانے پکائے جاتے ہیں ایک خاص ڈش دھن ساکھ بھی تیار کی جاتی ہے۔ اس میں کئی قسم کی دالیں ملا کر پکائی جاتی ہیں اور دوسری ڈش مچھلی کی

ہوتی ہے جو ایک خاص طریقے سے پکائی جاتی ہے یہ ڈش کیلے کے پتوں میں رکھ کر پیش کی جاتی ہے اور بڑی ذائقہ دار ہوتی ہے

2. گھمبار منانے کا دوسرا طریقہ

گھمبار کا دوسرا نظریہ مذہبی حیثیت کا حامل ہے۔ پارسی خداوند تعالی کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے انہیں بے شمار نعمتوں سے نوازا۔ پارسیوں کے نظریے کے مطابق وہ دن ان کے لیے انتہائی بدترین ہو گا، جب وہ گھمبار منانا چھوڑ دیں گے کیونکہ وہ اس قابل بھی نہیں ہوں گے کہ خدا تعالی کا شکر ادا کریں۔ اس لیے گھمبار میں حضرت زرتشت کا کلام پڑھا جاتا ہے۔ نمازیں پڑھی جاتی ہیں اور گاتھا پڑھ کر سنی اور سنائی جاتی ہے۔ اس گھمبار میں چھ چیزیں شامل ہیں

جنت کا تصور

پانی

زمین

سبزیاں

جانوروں (بھیڑوں) کی تخلیق

انسان کی تخلیق

پارسی عقیدے کے مطابق انسان آخری گھمبار میں ہے۔ باقی سب چیزیں انسان کی تخلیق سے پہلے تخلیق کی گئی تھی۔ آخری گھمبار کو اس لیے زیادہ خوشی منائی جاتی ہے کہ پارسیوں کے مطابق اسی دن انسان کی تخلیق ہوئی تھی۔ موسمی گھمبار بھی ایک طرح کی خوشی کا اظہار ہے کہ اللہ تعالی نے مختلف نے مختلف موسم بنائے۔ ان موسموں کا اثر دنیا اور دنیا والوں پر پڑتا ہے ان موسموں پر دنیا کی خوشحالی کا انحصار ہے اس میں پارسی خدا تعالی کی حمد و ثنا کرتے ہیں اور اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ خدا نے کائنات تخلیق کر کے بندوں کو اپنی ذات کا مکمل عکس دکھایا ہے۔ ہم خداوند کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے کہ اس نے ہماری ضروریات کی ساری چیزیں ہمیں مہیا کی ہیں اور ہمارے لیے کائنات کو اتنا رنگین اور دلکش بنایا ہے کہ انسان اس کا کتنا ہی شکر ادا کرے حق بندگی پھر بھی ادا نہیں کر سکتا۔ بہر صورت انسان اپنی تسلی اور دل کے اطمینان کے لیے مختلف انداز سے تشکر کا اظہار کرتا رہتا ہے۔ (ڈاکٹر عبد الرشید، ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ، صفحہ 249-251)

14.6 ہندو دھرم کی مذہبی رسومات

ہندو مت کا شمار بھی عالمی مذاہب میں ہوتا ہے۔

ہندو دھرم کے متبعین کی بیشتر تعداد ہندوستان میں سکونت پذیر ہے۔ ہندو دھرم کا اپنا فلسفہ اور تاریخ و تہذیب ہے۔ افکار و نظریات اور اعمال و تصورات ہیں جن کی اہمیّت و معنویت اپنی جگہ مسلم ہے۔ ہندو دھرم میں کئی مذہبی رسومات بھی ادا کی جاتی ہیں جن کا ذکر ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

1. جنم اشٹمی

بھادوں کے مہینے میں یہ تہوار منایا جاتا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ خاص اسی دن ہندوؤں کے پورن اوتار سری کرشن مہاراج کا جنم ہوا تھا جو ہمیشہ مصیبت کے وقت رکشا یعنی حفاظت کرتے تھے۔ ہندوؤں میں دو اوتار بڑے مانے جاتے تھے۔ ایک سری کرشن مہاراج، دوسرے سری رام چندر جی مہاراج۔ سری کرشن مہاراج کا اوتار عین مصیبت کے زمانے میں اور سری رام چندر جی مہاراج کا عین راحت کے زمانے میں ہوتا تھا۔ اس میں جغرافیائی دلچسپی یہ ہے کہ دونوں اوتار دن رات برابر ہونے کے زمانے میں ہوتے تھے جو عموماً قریب چھ ماہ کے فاصلہ سے ہوا کرتے تھے یعنی ایک آخر مارچ کے قریب اور دوسرا ستمبر میں ہوتا تھا۔ جنم اشٹمی پر سری کرشن مہاراج کے جنم کی خوشی تمام ہندوستان میں منائی جاتی تھی اور حفاظت کی دعا اور بھجن ہوتے تھے۔ جب وبائی زمانہ قریب آجاتا تھا تب سے قریب قریب ہر تہوار پر برت (روزہ) رکھے جاتے تھے جو برسات میں تندرستی کے واسطے خاص طور پر مفید تھے۔ قدیم ہندوؤں میں تصوّر قائم تھا کہ سری کرشن جی کی پیدائش پر تمام فرشتے ان کی زیارت کے واسطے اپنے اپنے "بمان" یعنی ہوائی جہاز (ہوائی سواری) پر سوار ہو کر آئے تھے اور اسی کی یاد میں میلہ ہوتا تھا۔ بعض لوگ کرشن مہاراج کے جنم کا تہوار نو (9) دن تک مناتے رہتے تھے۔

2. بسنت پنچمی

جب کلیاں کِھل جاتیں اور کھیتوں کا سبزہ زردی میں تبدیل ہونے لگتا تو اس وقت یہ تہوار منایا جاتا تھا۔ اس موسم میں کاشتکار کے دل میں قدرتی امنگ اور خوشی پیدا ہوتی تھی۔ وہ ماگھ کے آخر ہفتہ میں بسنت پنچمی کے روز زرد پھولوں کو خوشی خوشی گھر لا کر بیوی بچوں کو دکھاتا تھا اور پھر سب مل کر بسنت کا تہوار مناتے تھے اور زرد پھول اپنے اپنے کانوں میں بطورِ زیور لگا کر دعا کرتے تھے کہ "اے پرماتما ہماری محنت کا پھل عطا کر اور پھولے ہوئے درختوں میں پھل پیدا کر"۔ 28

بسنت پنچمی میں وشنو بھگوان کو پوجا جاتا تھا۔ اس روز مالی امرا کے روبرو بور کی ڈالی پیش کرتے تھے اور تھوڑا سا بور لے کر ہاتھ میں مل لیتے تھے اور تھوڑا کھا لیتے تھے۔ عام خیال یہ تھا کہ اس سے انسان بچھو اور چھوٹے حشرات الارض کے زہر سے نہ صرف خود محفوظ رہتا تھا بلکہ زخم پر تھوڑی دیر ہاتھ پھیرنے سے دوسروں کو بھی بچا سکتا تھا۔

یہ تہوار منا کر وہ یہ ظاہر کرتے تھے کہ اصلی آرام کا زمانہ شروع ہونے والا ہے۔ اس موقع پر دعا اور خیرات ہوتی تھی۔ خریف کی پیداوار یعنی چاول اور دال کی کھچڑی اور تل کے لڈو کے ساتھ خیرات کی جاتی تھی۔ یہ دونوں موسمِ سرما میں نہایت مفید اور قوت بخش تھے اور کھچڑی کو فقیر سے بادشاہ تک سب آدمی حسب حیثیت پکوا کر استعمال کرتے تھے۔ کھچڑی کے ساتھ ہی اس کا لوازمہ یعنی گھی اور نمک خیرات کیا جاتا تھا چونکہ اس روز آفتاب کا دورہ خطِ سرطان کی جانب دوبارہ شروع ہوتا تھا اس لیے اس دن بھی مصیبت کے زمانے سے فراغت حاصل کر کے لوگ گنگا میں نہاتے تھے اور فرحت اور اطمینان کے زمانے کی ابتدا کرتے تھے۔

3. رام نومی

جب کھیت کٹنے شروع ہوتے اور چند روز میں اناج لوگوں کے گھروں میں پہنچ جاتا تھا، اس عین خوشی کے زمانے میں سری رام چند

جی مہاراج کے اوتار کا دن آتا تھا تا کہ وہ ایامِ راحت میں رہنما بن کر دولت مندی کی آفات سے اسی طرح حفاظت کرے جس طرح بھادو میں عین مصیبت کے وقت رہنمائی کے واسطے سری کرشن مہاراج کا جنم ہوا تھا۔

4. مہاشیوراتری

جب کھیتوں میں اناج کی ابتدا ہوتی اور کاشتکار کو اطمینان ہونے لگتا کہ اس کی محنت کا نتیجہ جلد پیدا ہونے والا ہے تب وہ اپنے آپ کو دولت مند تصوّر کرتا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اگر کافی انتظام اور راج نیت (قوانینِ حکومت و سلطنت) قائم رہے تو دولت راحت کا خاص ذریعہ ہے ورنہ یہی مصیبت کی اصلی جڑ بن جاتی ہے۔ اسی لیے ہندو بھاگن میں دولت مند ہونے سے پہلے مہاشیوراتری کا تہوار مناتے تھے۔

شیوجی راج نیت کی اصلی مورت تھے اور ان کی تصویر نہایت دلچسپ اور قابل غور تھی یہ برہماجی کے بیٹے زمانۂ مستقبل کے مظہر سمجھے جاتے تھے۔ ان کے جسم پر بھبھوت رمی سانپ لپٹے ہوئے تھے۔ گلے میں زہر بھرا رہنے سے اس کا رنگ نیلا تھا۔ ماتھے پر چندرما (چاند) تھا جو امرت یعنی آبِ حیات برسا رہا تھا۔ سر پر جٹا جوٹ تھا جس سے گنگا پاروتی اس قدر قریب گود میں بیٹھی ہوئی دکھائی گئی تھی کہ شیوا کی اردھانگنی یعنی جسم کا نصف حصہ بنتی محسوس ہوتی تھی، لیکن شیوا خود پرماتما کے دھیان میں ایسا مگن دکھایا گیا تھا کہ گویا دنیا و مافیہا کی اسے خبر نہیں۔ ان کے دو بچے بھی موجود تھے ایک گنیش جن کا سر ہاتھی کا تھا اور دوسرے کھٹ مکھ جس کے چھ منہ تھے۔ ان چاروں دیوتاؤں کی سواریاں سامنے موجود تھیں شیوجی کا بیل تھا۔ پاروتی کا شیر، گنیش کا چوہا اور کھٹ کا مور۔ شیوا کے ہمراہ بھوت اور مسان تھے جو ہر دم حاضر رہتے تھے۔

5. رکشابندھن

دکّن میں اس روز پوترا یعنی نیا جَنیُّو بنا کر دیوتاؤں کو پہنایا جاتا تھا اور پھر خود پہنا جاتا تھا اس لیے اس کو پووتی اور نیا بھی کہتے تھے۔ ممبئی وغیرہ کی بندرگاہوں میں اس روز سمندر پر ناریل چڑھایا جاتا تھا۔ یہ برن دیوتا کی پوجا تھی۔ پہلے زمانے میں اس روز سمندر پر ناریل اور جَنیُّو چڑھایا جاتا تھا۔ اس تہوار کا نام "نارلی پورن ماشی" مشہور تھا۔ راجپوتانہ میں راکھی باندھنے کا بہت رواج تھا یہاں تک کہ اگر مغلوب راجہ کی بہن فاتح کے ہاتھ میں راکھی باندھ دے تو وہ اس کو اپنی بہن ماننے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ بندیل کھنڈ کی راکھی ہندوستان بھر میں اچھی ہوتی تھی۔ کہیں کہیں بیویاں اپنے خاوندوں کے ہاتھ میں راکھی باندھ دیتی تھیں۔

6. ہولی

ہولی کا تہوار پورے چاند کے مہینے میں پھاگُن کے قمری ماہ میں منایا جاتا تھا جو مارچ کے مہینے میں آتا تھا۔ ہولی کے دن لوگ رنگوں سے کھیل کر، رقص کر کے اور گلیوں میں دوڑ کر خوشی مناتے تھے۔ خشک پاؤڈر کے رنگوں کو "گلال" کہا جاتا تھا اور پانی میں ملا کر اسے "رنگ" کہا جاتا تھا۔ ہر رنگ کے ایک خاص معنی ہوتے تھے:

سرخ: زرخیزی، محبت، خوبصورتی کی نشاندہی کرتا تھا اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ شادی شدہ عورت کی علامت تھا۔

پیلا: ہلدی کا تقریباً مترادف تھا، جو بہت اہمیت کا حامل تھا۔ اس کو جراثیم کش ہونے کے حوالے سے جانا جاتا تھا، دواؤں میں استعمال

کیا جاتا تھا، جیسے سوزش اور ہاضمہ کے عوارض کے علاج کے لیے۔

نیلا: بھگوان کرشن کا رنگ تھا۔

سبز: نئی شروعات، فصل اور زرخیزی کی علامت تھا۔

زعفران: تقویٰ اور طاقت سے وابستہ تھا۔

اس تہوار کو روایتی و سماجی اختیار کے انداز کو تبدیل کرنے کا ذریعہ بھی سمجھا جاتا تھا۔ خواتین کو اپنے شوہروں کی سرزنش اور ان کی توہین کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ بعض اوقات سڑکوں پر گروپوں میں طلبا اپنے اساتذہ سے بدتمیزی کر سکتے تھے اور چھوٹے بچے اکثر وہاں سے گزرتے بڑوں پر کیچڑ اچھالتے بلکہ کیچڑ اتک پھینک دیتے تھے۔

7. دیوالی

دیوالی کو روایات میں مختلف ناموں سے جانا جاتا ہے سب سے مشہور متبادل "دِیپاوَلی" تھا یعنی تیل کے دیوں (لیمپ) کی ایک قطار۔ اس طرح دیوالی روشنی کا ایک تہوار تھا۔ یہ تقریباً پانچ (5) دن تک جاری رہتا تھا، حالانکہ اس تہوار کا بنیادی حصہ تین (3) دن تک تھا۔ یہ اشوینا اور کارتیکا (اکتوبر کے مہینے) کے قمری مہینوں کے موقع پر شروع ہو جاتا تھا۔ یہ ہندوستانی تہواروں میں سب سے مشہور تھا۔ یہ خوشی اور یکجہتی کا تہوار تھا جو پورے ہندوستان میں نوجوان اور بوڑھے، امیر اور غریب سب لوگ مناتے تھے۔ یہ ہندوؤں کے لیے اتنا ہی اہم تھا جتنا کرسمس عیسائیوں کے لیے ہے ۔ یہ تاریکی اور برائی پر روشنی اور اچھائی کی فتح کا جشن تھا۔ (ہندو مذہبی رسومات کے لیے دیکھیے https://Muhammad encyclopedia .com/article اور دیکھیے پروفیسر توقیر عالم فلاحی کی کتاب، عظیم ہندوستانی مذاہب، صفحہ 132-136)

14.7 بدھ مذہب کی رسومات

دیگر مذاہب کی طرح بدھ مذہب میں بھی تہوار و مذہبی رسومات ہیں اور بدھ مذہب کے حاملین انہیں بخوشی مناتے ہیں۔ جن کی تفصیل ذیل میں پیش ہے۔

1. بدھ پورنیما

بدھ مت میں اول درجے کے حامل تیوہاروں میں یہ تیوہار ہے جسے پوری دنیا میں بڑے جوش و خروش سے منایا جاتا ہے اور جسے ویشاکھ پورنیما کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ یہ تیوہار گوتم بدھ کی پیدائش نروان اور مہاپری نروان (موت) سے متعلق عظیم ترین یادگاروں پر مشتمل ہے۔ ہندوستان میں اس دن قومی تعطیل ہوتی ہے۔ یہاں کے اہم خانقاہوں یا مندروں میں ہی یہ تیوہار منایا جاتا ہے۔ اس تیوہار میں مختلف ایسے جلسوں کا انعقاد ہوتا ہے جن میں گوتم بدھ کو خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے۔ غیر بدھی افراد بھی شریک تقریب ہوتے ہیں۔

2. بودھی درخت کی پوجا

تیوہاروں میں یہ تقریبات میں بودھی درخت (پیپل) کی پوجا کو بدھ مت کے علمبرداروں میں عظمت و تقدس کا مقام حاصل ہے۔ اس تقریب میں پھول کی مالاؤں، روشن قندیلوں، رنگین جھنڈیوں، دودھ اور خوشبودار پانی کے چھڑکاؤ کے ذریعے پیپل کے درخت کی شاخوں کو حسن وزیبائش اور تزئین و آرائش کا جامہ پہنایا جاتا ہے۔

3. اسٹوپا یا چیتیا پوجا

بدھ مت میں اسے ایک اہم تقریب کا درجہ حاصل ہے۔ اسے چیتیا پوجا یا ٹیلوں کی پوجا کی تقریب سے بھی جانا جاتا ہے۔ بدھ عقیدے کے مطابق بدھ کی ہڈیوں کے تبرک کا ایک قابل ذکر حصہ یہ ٹیلے اپنے اندر سموئے ہوئے ہوتے ہیں۔ مختلف اشکال و اجسام کے ٹیلوں کی پوجا تو پوری بدھ دنیا میں معروف مقبول ہے۔ تاہم ٹیلوں کے تئیں جذبات اور محبت و عقیدت کے اظہار کو ایشیائی بدھ ممالک میں انفرادیت و تشخص کا مقام حاصل ہے۔ پروفیسر توقیر عالم فلاحی، عظیم ہندوستانی مذاہب، صفحہ 207-206)

14.8 جین مت کی مذہبی رسومات

جین مت میں بھی تیوہاروں اور تقریبات منانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ جن کی تفصیل ذیل میں پیش ہے۔

1. پنچ کلیانک

جین مت کے تمام تر تھنکروں بالخصوص مہاویر، رشبھ ناتھ اور پرشوناتھ کی زندگی کے پانچ انتہائی مسعود و مبارک لمحات کو مذہبی تقریبات کا درجہ حاصل ہے۔ شکم مادر میں جنینی حالت میں ہونے، تاریخ ولادت، سادھوانہ زندگی کی شروعات، جہالت یا کرموں کی بندش و آلائش سے پاکی و نجات اور موت، ہر تر تھنکر کے یہی متبرک و مقدس واقعات زندگی ہیں۔ جن کی عقیدت و محبت کے مخصوص مظاہروں کے ذریعے تذکیر ہوتی ہے اور مذہبی جذبہ بیدار ہوتا ہے۔

2. اولی

یہ تیوہار سال بھر میں دوبار نو دنوں تک منایا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ اپریل (چیترا) کے مہینے میں اور دوسری بار اکتوبر (آشون) کے مہینے میں ان مواقع پر چار اہم اور عظیم موضوعات کے ساتھ پانچ معزز ترین جینی ہستیوں کی دونوں فرقوں (دگامبر اور شویتامبر) میں روزانہ پرستش کی جاتی ہے. تیوہار منانے والے لوگ مخصوص روزہ رکھتے ہیں اور اس میں متعین ضابطوں کا لحاظ کرتے ہوئے کھاتے پیتے ہیں۔ قابل ذکر یہ ہے کہ ان مواقع پر ایک ہی جنس سے بنے ہوئے کھانے کو استعمال کیا جاتا ہے۔

3. جنان پنچمی

اکتوبر نومبر میں منائے جانے والے اس تیوہار کا سلسلہ پانچ دنوں تک دراز رہتا ہے۔ بالخصوص مخطوطوں کی شکل میں جینی مقدس کتب کی پوجا مندرروں میں ہوتی ہے۔ یہ تقریب ایک ہی مقام پر سادھوؤں کے چار مہینے کے لازمی قیام کی علامت ہے۔

4. دیوالی

جنان پنچمی سے قبل اکتوبر نومبر کے مہینے میں منائے جانے والا یہ تیوہار دیپاولی کے نام سے بھی موسوم ہے۔ دولت کی دیوی کی پوجا کے ذریعے تمام ہندو اس دن جشن مناتے ہیں۔ یہ تہوار ایک قدیم تہوار یکشاراتری کی بھی نمائندگی کرتا ہے جو ہندوؤں، بدھوں، جینیوں کے یہاں بھی قابل قدر ہے۔ تاہم جینیوں کے ہاں یہ دن بڑی اہمیت و تقدس کا درجہ رکھتا ہے، اسی لیے کہ اس دن مہاویر کی موت نروان ہوئی تھی۔ یہ بالعموم تمام جینیوں کے ذریعے منایا جاتا ہے ہاں جینی زائرین بہار کے پاواپوری میں جہاں مہاویر نے زندگی کو الوداع کہا تھا، اسے بڑے جوش و خروش کے ساتھ مناتے ہیں۔

5. پریوشان

اگست یا ستمبر کے مہینے میں یہ تیوہار منایا جاتا ہے۔ یہ جینی کیلنڈر کے لحاظ سے بھدراپاڈ کے نصف تاریک تاریخوں کے تیرہویں دن سے شروع ہو کر آٹھ دنوں تک چلتا ہے۔ چنانچہ بھدراپاڈ کی نصف روشن تاریخوں کے پانچویں دن ختم ہو جاتا ہے۔ شویتامبری سادھوؤں کے مطابق یہ ایک دن پہلے شروع ہوتا ہے، اسی لیے ایک دن پہلے ختم ہو جاتا ہے۔ دگامبری فرقے کے سادھو دش لکشنا کے نام سے بھی اسے موسوم کرتے ہیں۔ یہ شویتامبریوں کے تیوہار پجوشان کے معابعد ہی شروع ہوتا ہے۔

6. بھدرپاڈ شکل پنچمی

اگست یا ستمبر کے مہینے میں یہ تیوہار منایا جاتا ہے۔ اس تیوہار کے مبارک موقع پر غریبوں کو خیرات تقسیم کی جاتی ہے اور کسی موکش پائی ہوئی روح کی تصویر کو ایک گاڑی میں رکھ کر جلوس کی شکل میں گلی گلی میں لے جایا جاتا ہے۔ شویتامبریوں کے اس تیوہار میں ترتھنکروں کی زندگی کو واکرنے والے کلپ سوتر (مذہبی ادب) کو عوام کے سامنے پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔ ان متون کے مسودوں کو چھوٹے پیمانے پر باتصویر بیانات اور وضاحتوں کے ساتھ رونمائی بھی ہوتی ہے ان کی پوجا بھی کی جاتی ہے۔ متعدد سادھو مردوں اور عورتوں کے ساتھ عوام بھی آٹھ یا آٹھ دنوں سے زائد کے روزے رکھتے ہیں۔ اس تیوہار میں ایک سالانہ توبہ کی رسم ادا کی جاتی ہے تاکہ یہ شعوری اور غیر شعوری گناہوں اور آپسی رنجشوں یا بدمزگیوں کے لیے کفارہ بن جائے۔ (عظیم ہندوستانی مذاہب، صفحہ 282-283)

14.9 سکھ مت کی رسومات

ہندوستانی مذاہب میں ایک مذہب سکھ دھرم بھی ہے۔ اس دھرم کے یہاں دینی ادب رسومات و عقائد ہیں جنہیں جین مذہب کے متبعین اختیار کرتے ہیں۔ ذیل میں جین مذہب کی رسومات کے متعلق گفتگو کی جائے گی۔

1. بیساکھی

اپریل کے مہینے میں ہندوستان کے نئے سال کا دن صرف فصلی تیوہار کا دن نہیں ہوتا۔ یہ دن گرو گوبند سنگھ کے اس عظیم الشان کارنامہ (خالصہ کے قیام) کی یادگار کے طور پر منایا جاتا ہے جو آج بھی سکھوں کی ہمہ جہت ترقیوں کی ضامن ہے۔

2. گروارجن کی شہادت

جون کے مہینے میں یہ تیوہار سکھوں کے پانچویں گرو گروارجن کی شہادت کی یادگار کے طور پر منایا جاتا ہے۔ جنہوں نے جہانگیر کے

عہد حکومت میں سکھ مت کی تبلیغی مساعی میں مصروف عمل ہوتے ہوئے شہادت پائی تھی۔ گرو ارجن کا مقام تمام گروؤں میں اس لحاظ سے بھی نمایاں ہے کہ انہوں نے گرو گرنتھ صاحب کو، جمع و تدوین کا جامع پہنایا اور امر تسر میں مرکزی عبادت گاہ گولڈن ٹیمپل کی تعمیر کرائی

3. گرونانک کی یوم پیدائش

یہ اہم تیوہاروں میں ایک ہے جو نومبر میں منایا جاتا ہے اور یہ قومی تعطیل کا دن ہے۔ اس موقع پر مذہبی تقریبات کا انعقاد ہوتا ہے اور خطبات و مواعظ پیش کیے جاتے ہیں۔ پاکستان کے نانکانہ میں جو گرونانک کی جائے پیدائش ہے اور امر تسر میں بالخصوص یوم پیدائش کی تقریبات بڑے جوش و خروش سے منائی جاتی ہیں۔

4. گرو تیغ بہادر کی شہادت

نومبر یا دسمبر کے مہینے میں یہ تیوہار گرو تیغ بہادر کی شہادت کی یادگار کے طور پر منایا جاتا ہے۔ عالمگیر اورنگزیب نے اپنے زمانے میں گرو تیغ بہادر کی سرگرمیوں کو حکومت کی پالیسی کے خلاف سمجھا، چنانچہ گرو نے بادشاہ وقت کے ذریعے دی گئی دو صورتوں میں اس صورت کو اختیار کیا جو ان کی زندگی کے خاتمے کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

5. صاحب زادوں کی شہادت

گرو گوونڈ سنگھ کے ان دونوں چھوٹے بیٹوں کی شہادت دسمبر میں منائی جاتی ہے۔ یہ تیوہار گرو کے ان دو کم سن بچوں کی یادگار کے طور پر منایا جاتا ہے جنہیں مغلوں کے خلاف ان کے والد کی لڑائی کے انتقام میں سرہند کے مغل صوبیدار کے ذریعے زندہ دفن کر دیا گیا تھا۔ غم واندوسے پر یہ تقریبات سرہند کے نزدیک پنجاب کے ایک مقام پر منائی جاتی ہے جسے فتح گڑھ صاحب سے موسوم کیا جاتا ہے۔

6. گرو گوونڈ سنگھ کی تقریب ولادت

سکھ کلینڈر میں آخری گرو گرو گوونڈ سنگھ کا یوم ولادت گرونانک کے یوم ولادت سے کم اہمیت کا حامل نہیں ہے۔ کیونکہ گرو گوونڈ سنگھ پر گروؤں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور انہوں نے اس ہمہ جہت ترقی کے لیے خالصہ تنظیم یا سکھ فوجی تنظیم قائم کی۔ آخری گرو کی یہ تقریب ولادت دسمبر یا جنوری کے مہینے میں منائی جاتی ہے۔ (عظیم ہندوستانی مذاہب، صفحہ 337-338)

14.10 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- یہودی مذہب کی معروف اور اہم مذہبی رسومات کون کون سے ہیں نیز ان کے منعقد کرنے یا ماننے کا مذہبی طریقہ کیا ہے۔ اسی طرح عیسائیت کی مذہبی اور دینی رسومات کا بھی پتہ چلتا ہے۔
- زرتشت مذہب اور صابی مذہب بھی کائنات میں پائے جاتے ہیں اور ان کا اپنا نظام ہے، افکار و عقائد اور رسومات و تعلیمات ہیں لہٰذا رزتشت اور صابی مذہب کی مذہبی رسومات کا بھی اس اکائی کے ذریعے علم ہوا، اسی کے ساتھ یہ بھی پتہ چلا کہ متذکرہ دونوں

مذاہب میں تیوہار یا مذہبی رسومات کو منانے کا طریقہ کیا ہے۔

- ہندو علماء و پنڈتوں کی تحقیق یہ ہے کہ ہندو دھرم قدیم مذہب ہے۔ اس کا اپنا پورا سسٹم اور نظام عمل ہے، روایات ہیں اور عقائد و نظریات ہیں۔ مذہبی اور دینی کتابیں ہیں۔ ہندو دھرم کے ماننے والوں کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔ لہذا ہندو دھرم میں یوں تو بہت ساری مذہبی رسومات ادا کی جاتی ہیں لیکن اس اکائی میں چند معروف مذہبی رسومات کا تعارف کرایا گیا ہے۔
- غیر سامی ادیان میں بدھ دھرم، جین دھرم اور سکھ بھی آتے ہیں اور ان تینوں مذاہب نے بھارت ہی میں نشو و نما پائی ہے بلکہ یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہو گا کہ یہ تینوں مذاہب ہندو دھرم سے ہی نکلے ہیں۔ لہذا متذکرہ تینوں مذاہب کی مذہبی اور دینی رسومات کے متعلق بھی اس اکائی میں علم ہوا ہے۔

14.11 نمونہ امتحانی سوالات

14.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. کرسمس ڈے کا تعلق کس مذہب سے ہے؟

(a). ہندو دھرم سے (b). سکھ دھرم سے (c). عیسائیت سے (d). جین دھرم سے

2. جنم اشٹمی کس دھرم کے حاملین مناتے ہیں؟

(a). ہندو دھرم کے (b). زرتشت دھرم کے (c). صابی مذہب کے (d). یہودی دھرم کے

3. رکھشا بندھن درج ذیل میں سے کس مذہب کی رسم ہے؟

(a). بدھ دھرم (b). سکھ دھرم (c). جین دھرم (d). ان میں سے کوئی نہیں

4. بیساکھی کس دھرم کی رسم ہے؟

(a). سکھ دھرم (b). بدھ دھرم (c). ہندو دھرم (d). جین دھرم

5. گرو تیغ بہادر کی شہادت کس مذہب میں منائی جاتی ہے؟

(a). زرتشت مذہب (b). عیسائی مذہب (c). جین مذہب (d). سکھ مذہب

6. گرو نانک کس مذہب کے رہنما ہیں؟

(a). ہندو دھرم (b). یہودی مذہب (c). سکھ دھرم (d). متذکرہ تینوں کے

7. عید یحییٰ کس مذہب کا تیوہار ہے؟

(a). صابی مذہب کا (b). زرتشت مذہب کا (c). عیسائی مذہب کا (d). یہودی مذہب کا

8. دیوالی کس مذہب سے وابستہ ہے؟

(a).زرتشت دھرم (b).سکھ دھرم (c).بدھ دھرم (d).ہندو دھرم

9. جنان پنچمی میں رسم ہے؟

(a).عیسائیت کی (b).یہودیت کی (c).جین مت کی (d).بدھ مت کی

10. گڈ فرائیڈے کا تعلق ہے؟

(a).یہودیت سے (b).صابی مذہب سے (c).عیسائیت سے (d).ہندو دھرم سے

14.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. یہودیت کی مذہبی رسومات پر مختصر روشنی ڈالیے۔
2. ہندو دھرم کی مذہبی رسومات کا تعارف کرائیے۔
3. سکھ دھرم اور بودھ دھرم کی کوئی بھی دو دو رسومات کا تعارف کرائیے۔
4. سکھ دھرم کی مذہبی رسومات کو مختصر بیان کیجیے۔
5. جین دھرم کی مذہبی رسومات پر مختصر نوٹ لکھیے۔

14.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. عیسائیت اور یہودیت کی مذہبی رسومات کا تفصیلی تعارف پیش کیجیے۔
2. ہندو دھرم کی مذہبی رسومات کو تفصیل سے بیان کیجیے۔
3. سکھ دھرم، جین دھرم اور بدھ دھرم کی رسومات پر مضمون قلمبند کیجیے۔

14.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ : ڈاکٹر عبد الرشید
2. مذاہب عالم ایک تقابلی مطالعہ : مولانا انیس احمد فلاحی
3. عظیم ہندوستانی مذاہب : پروفیسر توقیر عالم فلاحی
4. اسلام اور ہندو دھرم قانونی و معاشرتی جائزہ : ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی
5. اقوام عالم کے ادیان و مذاہب : عبد القادر شیبۃ الحمد

اکائی 15: مذہبی آزادی

اکائی کے اجزا:

15.0 تمہید

15.1 مقاصد

15.2 تاریخی پس منظر

15.0.1 رومی سلطنت اور عیسائیت

15.0.2 عیسائیت ریاستی مذہب کے طور پر

15.0.3 قرون وسطیٰ

15.0.4 اسلامی دنیا

15.0.5 روشن خیالی کا دور

15.0.6 جدید دور

15.3 اسلام اور دیگر مذاہب میں مذہبی آزادی کا تصور

15.0.7 اسلام میں مذہبی آزادی کا تصور

15.0.8 یہودیت میں مذہبی آزادی کا تصور

15.0.9 عیسائیت میں مذہبی آزادی کا تصور

15.0.10 ہندومت میں مذہبی آزادی کا تصور

15.4 مذہبی ازادی کے معاصر چیلنجز

15.5 اکتسابی نتائج

15.6 نمونہ امتحانی سوالات

15.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

15.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

15.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

15.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

15.0 تمہید

مذہبی آزادی انسان کے بنیادی حقوق میں شامل ہے، جو فرد کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ اپنے عقیدے کے مطابق زندگی گزار سکے، اپنے مذہبی رسومات ادا کر سکے اور اپنے مذہب کو آزادانہ طور پر تبدیل کر سکے۔ مذہبی آزادی اس بات کی ضمانت دیتی ہے کہ افراد اپنے عقائد کو کسی بھی قسم کے جبر یا دباؤ کے بغیر زندہ رکھ سکتے ہیں۔ یہ آزادی نہ صرف فرد کی ذاتی زندگی پر گہرا اثر ڈالتی ہے بلکہ معاشرتی ہم آہنگی، بین مذاہب تعلقات اور عالمی امن کیلئے بھی انتہائی اہم ہے۔

تاریخی طور پر مذہبی آزادی کی بنیادیں مختلف تہذیبوں، مذاہب اور فلسفیانہ تحریکوں میں پائی جاتی ہیں۔ تاہم، جدید دور میں اس آزادی کی اہمیت میں اس وقت اضافہ ہوا جب چرچ کی اتھارٹی، یورپی نو آبادیاتی نظام، استعماری طاقتوں اور مذہبی جنگوں کے دوران مذہبی جبر کے واقعات عام ہوئے۔ بیسویں صدی میں مذہبی آزادی کے حق کو بین الاقوامی سطح پر تسلیم کر لیا گیا، خاص طور پر اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے عالمی منشور میں، اس کی شمولیت اہمیت کا حامل ہے۔

مذہبی آزادی انسان کا بنیادی حق ہے جو اسے ہر حال میں ملنا چاہیے۔ یہ تکثیری سماج کیلئے ناگزیر ہے، متنوع مذاہب، فرقوں اور رنگ و نسل کے انسانوں کے مابین رواداری، امن اور بقائے باہمی کے فروغ کیلئے ضروری ہے۔ ہم ایک ایسی دنیا میں رہتے ہیں جہاں مذہبی اور ثقافتی تنوع تیزی سے ظاہر ہو رہا ہے۔ مذہبی آزادی اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ مختلف مذاہب کے ماننے والے موافقت و اتحاد کے ساتھ رہ سکیں، جو معاشرے کے سماجی اور اخلاقی تانے بانے کو مضبوط کر سکے اور ایک ایسے معاشرے کا تصور کیا جا سکے جہاں ہر شخص ایک ساتھ پوری ہم آہنگی کے ساتھ زندگی گزار سکے۔

15.1 مقاصد

یہ اکائی آپ کو مذہبی آزادی کی عالمی اہمیت اور اس کے معاشرتی و سیاسی اثرات کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ اس اکائی کے مطالعہ کے ذریعے، آپ مذہبی آزادی کے جامع تصور، اس کے تاریخی اور قانونی پس منظر، معاصر چیلنجز، اور اس کے عملی پہلوؤں سے روشناس ہوں گے۔ اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو پائیں گے کہ اپنے معاشرے میں مذہبی آزادی کے فروغ کیلئے مثبت کردار ادا کر سکیں۔ آپ جانیں گے کہ مذہبی آزادی کا مقصد ایک ایسا معاشرہ تشکیل دینا ہے جہاں افراد آزادانہ طور پر اپنے عقائد کا اظہار اور عمل کر

سکیں، جو روادار، متنوع اور دنیا کو پر امن بنانے میں اہم رول ادا کر سکیں۔ آپ اس بات کا جائزہ لے سکیں گے کہ مذہبی آزادی انسان کو اپنے ضمیر کی پیروی کرنے کی آزادی دیتا ہے، یہ انسانی وقار کا اہم حصہ ہے اور دیگر انسانی حقوق کی تکمیل کیلئے ضروری ہے۔

15.2 تاریخی پس منظر

مذہبی آزادی کا پس منظر تاریخی طور پر مختلف تہذیبوں، فلسفیانہ نظریات، مذہبی روایات اور سیاسی نظاموں کے ارتقاء کا نتیجہ ہے۔ یہ تصور کہ ہر انسان کو اپنی مرضی کے مطابق مذہب اختیار کرنے اور اس پر عمل کرنے کا حق حاصل ہونا چاہیے، ایک جدید تصور ہے جو وقت کے ساتھ ارتقا پذیر ہوا ہے۔ یہ تصور جو کبھی صرف فلسفیوں اور مفکرین کی سوچ تک محدود تھا، آج عالمی سطح پر تسلیم شدہ بنیادی انسانی حق ہے۔

قدیم تہذیبیں جیسے مصر، بابل، یونان اور روم میں مذہبی تنوع موجود تھا لیکن مذہبی آزادی کا تصور محدود تھا۔ ان تہذیبوں میں عموماً ریاستی مذاہب کو فروغ حاصل تھا جبکہ دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو بعض اوقات دباؤ اور جبر کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ البتہ قدیم فارس کے بادشاہ سائرس اعظم (Cyrus the Great) نے مختلف مذاہب کے پیروکاروں کو اپنے عقیدے کے مطابق عبادت کرنے کی آزادی دی تھی جسے مذہبی آزادی کی ایک ابتدائی مثال سمجھی جاسکتی ہے۔

15.0.1 رومی سلطنت اور عیسائیت

رومی سلطنت کا آغاز تو مذہبی تکثیریت کے ساتھ ہوا اور اس کے ابتدائی دور میں مذہبی آزادی کا محدود تصور موجود تھا، جہاں مختلف مذاہب کے ماننے والے ایک ساتھ رہ سکتے تھے، لیکن یہ آزادی وقت کے ساتھ ساتھ سیاسی، سماجی اور مذہبی عوامل کی وجہ سے سکڑتی چلی گئی۔ جب عیسائیت پہلی صدی عیسوی میں رومی سلطنت میں پھیلنے لگی تو اسے شدید جبر کا سامنا کرنا پڑا۔ رومی سلطنت کے مختلف حکمرانوں کے ادوار میں عیسائیوں کے خلاف سخت کاروائیاں کی گئیں۔ خاص طور پر شہنشاہ نیرو (Nero) کے دور میں انہیں پکڑ پکڑ کر قتل کیا جاتا، ان کو جانوروں کے آگے ڈال دیا جاتا اور انہیں عبرت ناک سزائیں دی جاتیں۔

313ء میں شہنشاہ کانسٹنٹائن (Constantine) نے میلان کا فرمان (Edict of Milan) جاری کیا، جس نے رومی سلطنت میں مذہبی آزادی کے حوالے سے ایک نیا دور شروع کیا۔ اس فرمان کے تحت نہ صرف عیسائیت کو قانونی حیثیت دی گئی بلکہ تمام مذاہب کے پیروکاروں کو اپنے مذہب کی پیروی کرنے کی اجازت دی گئی۔ میلان کا فرمان مذہبی جبر کے خاتمے اور مذہبی رواداری کے فروغ کی علامت بن گیا۔ شہنشاہ کانسٹنٹائن نے پہلی نیقیہ کونسل (Council of Nicaea) کی صدارت بھی کی، جس نے عیسائیت کے عقائد کو منظم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

15.0.2 عیسائیت ریاستی مذہب کے طور پر

380ء میں شہنشاہ تھیوڈوسیس اول (Theodosius I) نے ایک اور فرمان جاری کیا، جسے "تھیسالونیکا فرمان" (Edict of

Thessalonica) کہا جاتا ہے۔ اس فرمان کے ذریعے عیسائیت کو رومی سلطنت کا ریاستی مذہب قرار دیدیا گیا۔ عیسائیت کے ریاستی مذہب بننے کے بعد رومی سلطنت میں کلیسا کا اثر ورسوخ بڑھتا گیا اور مذہبی و سیاسی معاملات آپس میں مزید جڑ گئے۔ غیر عیسائی مذاہب پر پابندیاں عائد کی گئیں، ان کے پیروکاروں کو مختلف طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور انہیں عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کیا جانے لگا۔

رومی سلطنت میں عیسائیت کا سفر جبر اور ظلم سے شروع ہوا لیکن بعد میں یہ سلطنت کا ریاستی مذہب بن گیا۔ اس تبدیلی نے نہ صرف رومی سلطنت بلکہ پورے یورپ کی تاریخ پر گہرا اثر ڈالا اور عیسائیت کو مغربی دنیا میں ایک غالب مذہب کے طور پر پیش کیا۔ اس دور میں ریاست اور مذہب کا ملاپ ہوا، جس نے قرون وسطیٰ کی سیاسی و سماجی ساخت کی بنیاد رکھی۔

15.0.3 قرون وسطیٰ

قرون وسطیٰ (Middle Ages) کے یورپ میں مذہبی آزادی کی صورت حال بہت خراب ہو چکی تھی۔ یہ دور تقریباً 5ویں سے 15ویں صدی تک یورپ میں مذہبی رواداری کے بجائے مذہبی یکسانیت اور جبر کا دور تھا۔ جس میں ریاست اور چرچ کا گہرا تعلق تھا۔ کیتھولک چرچ کا اثر ورسوخ انتہائی مضبوط ہو چکا تھا، لہذا دیگر مذہبی فرقوں کو سخت جبر کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اس دور میں چرچ نے سیاسی، سماجی اور معاشی معاملات میں اہم رول ادا کیا۔

12ویں صدی سے چرچ نے بدعت (Heresy) اور بدعتیوں (ان کے مطابق) کے خلاف ایک خاص عدالتی نظام "انکوئزیشن" (Inquisition) قائم کیا، اس کے تحت مذہبی عدالتیں قائم کی گئیں۔ ان عدالتوں کا مقصد بدعتیوں (مذہبی اختلافات رکھنے والے) کی شناخت، ان کا محاکمہ کرنا اور انہیں سزا دینا تھا۔

15.0.4 اسلامی دنیا

قرون وسطیٰ کے اسلامی دنیا میں مذہبی آزادی کی صورتحال یورپ سے مختلف تھی۔ مسلم حکومتوں نے عمومی طور پر اپنے زیر حکمرانی علاقوں میں مذہبی رواداری کی پالیسی اپنائی، خاص طور پر اہل کتاب (یہودی اور عیسائی) کیلئے۔ اس دور میں اسلامی دنیا کے مختلف سلطنتوں میں غیر مسلموں کے ساتھ مختلف نوعیت کا سلوک کیا گیا جو حالات اور حکمرانوں کے نظریات کے مطابق بدلتا رہا۔

اسلامی رو سے یہودیوں اور عیسائیوں کو اہل کتاب کہا جاتا اور انہیں اسلامی ریاست میں خاص تحفظ حاصل تھا۔ انہیں ذمی (محفوظ شدہ) کا درجہ دیا گیا، جس کا مطلب تھا کہ وہ اسلامی ریاست کے زیر سایہ اپنے مذہبی عقائد کی پیروی کرنے کیلئے آزاد ہیں۔ ذمیوں کو اپنے مذہبی معاملات میں خود مختاری حاصل تھی۔ حکومت ان سے جزیہ (مخصوص ٹیکس) لیتی تھی۔

عباسی خلافت کے عہد میں اور خاص طور سے بغداد میں مختلف مذاہب کے ماننے والے ایک ساتھ رہتے تھے اور وہاں علمی تبادلے کی فضا قائم تھی۔ عباسی خلفاء نے عیسائی، یہودی اور زرتشتی علماء اور طبیبوں کو اہم عہدوں پر فائز کیا اور ان کی خدمات سے مستفید ہوئے۔ اس دور میں بیت الحکمت (House of Wisdom) جیسے علمی ادارے قائم کیے گئے، جہاں مختلف مذاہب کے علماء نے مل کر علمی

ترقی میں حصہ لیا۔

اسلامی اسپین میں بھی مذہبی رواداری کی بہترین مثال ملتی ہے۔ اندلس کے مختلف شہروں میں مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں نے ایک ساتھ رہتے ہوئے علمی، ثقافتی اور تجارتی ترقی میں اہم رول ادا کیا۔ خاص طور پر قرطبہ اور دوسرے بڑے شہروں میں پورے طور سے مذہبی آزادی تھی اور مذاہب کے درمیان پر امن بقائے باہمی کی فضا قائم تھی۔ اسلامی اسپین میں یہودیوں نے اپنی تاریخ کا سنہرا دور (Golden Age) دیکھا، جہاں انہیں علمی اور ثقافتی ترقی کے خوب مواقع ملے۔

عثمانی سلطنت میں مذہبی آزادی کی ایک منظم پالیسی موجود تھی، جسے ملت سسٹم کہا جاتا تھا۔ اس سسٹم کے تحت غیر مسلم کمیونٹیز کو اپنے مذہبی عقائد و قوانین کے مطابق زندگی گزارنے کی اجازت تھی۔ ہر مذہبی گروہ کو اپنے مذہبی رہنماؤں کے تحت خود مختاری دی گئی، جس کی وجہ سے وہ اپنے معاملات خود طے کر سکتے تھے۔ عثمانیوں نے قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے بعد وہاں کی عیسائی آبادی کو تحفظ فراہم کیا اور ان کے مذہبی ادارے برقرار رکھے۔

15.0.5 روشن خیالی کا دور

17 ویں اور 18 ویں صدی میں روشن خیالی (Enlightenment) کی تحریک نے مذہبی آزادی کے تصورات کو مزید مستحکم کیا۔ روشن خیالی کے مفکرین نے مذہبی جبر کے خلاف آواز اٹھائی اور مذہبی آزادی کو انسانی حقوق کا حصہ قرار دیا۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ مذہب کو ذاتی معاملہ سمجھا جائے اور ریاست کو لوگوں کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔ فلسفیوں جیسے کہ جان لاک (John Locke) نے ریاست اور مذہب کی علیحدگی اور انفرادی حقوق کے تحفظ پر زور دیا۔ اپنی کتاب A Letter Concerning Toleration میں انہوں نے کہا کہ ریاست کا مذہب کے معاملات میں کوئی عمل دخل نہیں ہونا چاہیے، ہر فرد کو اپنی مرضی کے مطابق مذہب اختیار کرنے کا حق حاصل ہونا چاہیے۔ لاک کا ماننا تھا کہ مذہب ذاتی اعتقاد کا معاملہ ہے جبکہ ریاست کا کام شہریوں کی جان و مال کی حفاظت کرنا ہے، نہ کہ ان کے مذہبی عقائد کی نگرانی کرنا۔

فرانسیسی فلسفی ولٹیئر (Voltaire) بھی مذہبی آزادی اور مذہبی رواداری کے بڑے حامی تھے۔ انہوں نے چرچ کے جبر اور مذہبی عدم برداشت کے خلاف لکھا اور کہا کہ تمام مذاہب کے لوگوں کو برابر کا حق حاصل ہونا چاہیے۔ ولٹیئر کا مشہور قول: "اگرچہ میں تمہارے خیالات سے اتفاق نہیں کرتا لیکن تمہارے ان خیالات کے اظہار کا دفاع کروں گا" مذہبی آزادی اور اظہار رائے کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔

مشہور فرانسیسی مفکر مونٹسکیو (Montesquieu) نے اپنی کتاب: The Spirit of Law میں حکومتی پاور کی تقسیم اور مذہبی آزادی کے حق میں دلائل دیے۔ ان کے مطابق مختلف مذاہب کے ماننے والوں کو ایک دوسرے کے ساتھ رواداری کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور حکومت کو مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔

روشن خیالی کا دور مذہبی آزادی کیلئے سنگ میل ثابت ہوا۔ اس دور کے سیاسی مفکرین اور فلسفیوں نے مذہب اور ریاست کے درمیان علیحدگی، فرد کے مذہبی حقوق اور رواداری کی اہمیت پر زور دیا۔ ان کی تحریروں نے مذہبی آزادی کے جدید تصور کو بنیاد فراہم کیا، بعد

کے زمانے میں مختلف ممالک کے آئین میں مذہبی آزادی کی ضمانت دی گئی اور دور جدید میں جمہوری معاشرے کی بنیاد رکھی گئی۔

15.0.6 جدید دور

دور جدید میں انسانی حقوق کی بنیاد پر مذہبی آزادی کا حق عالمی سطح پر تسلیم کر لیا گیا اور آئینی طور پر محفوظ کر لیا گیا۔ یہ حق انسانی وقار، ضمیر کی آزادی اور اعتقاد کی آزادی سے جڑا ہوا ہے۔ مذہبی آزادی کا یہ حق اب زیادہ تر ممالک کے آئین، بین الاقوامی معاہدوں اور انسانی حقوق کے چارٹروں میں شامل کر لیا گیا ہے۔ امریکہ کے قیام کے وقت مذہبی آزادی کو آئین کا حصہ بنایا گیا اور 1791ء میں منظور شدہ پہلے آئینی ترمیم نے مذہب کی آزادی کو یقینی بنایا۔ فرانس کے انقلاب کے دوران بھی مذہبی آزادی کی حمایت کی گئی اور انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ (Declaration of the Rights of Man and of the Citizen) میں مذہبی آزادی کو شامل کیا گیا۔

19ویں اور 20ویں صدی میں مذہبی آزادی کو عالمی سطح پر تسلیم کیا جانے لگا۔ اقوام متحدہ (United Nations) اور دیگر عالمی تنظیموں نے مذہبی آزادی کے اس حق کو تسلیم کر لیا۔ اقوام متحدہ کی 1948ء میں منظور شدہ، انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ (Universal Declaration of Human Rights-1948) کے آرٹیکل 18 میں مذہبی آزادی ایک بنیادی حق کے طور پر تسلیم کیا گیا اور کہا گیا کہ ہر شخص کو آزادیٔ ضمیر، مذہب اور اعتقاد کا حق حاصل ہے۔ اس میں مذہب تبدیل کرنے، اس کی تبلیغ کرنے اور انفرادی یا اجتماعی طور پر مذہبی رسومات ادا کرنے کا حق بھی شامل ہے۔ 1966ء میں اقوام متحدہ نے ایک اور بین الاقوامی معاہدہ برائے شہری و سیاسی حقوق (International Covenant on Civil and Political Rights) منظور کیا اور اس کے بھی آرٹیکل 18 میں مذہبی آزادی کو شامل کیا گیا۔ اس معاہدے کے تحت ممالک پر لازم کیا گیا کہ وہ اپنے شہریوں کو مذہبی آزادی فراہم کریں اور مذہبی جبر سے بچائیں۔

یورپی کونسل کے انسانی حقوق کا کنونشن (European Convention on Human Rights) کے آرٹیکل 9 میں مذہبی آزادی کے حق کو تسلیم کیا گیا ہے جو یورپ میں مذہبی آزادی کے حق کو قانونی تحفظ فراہم کرتا ہے۔

جدید دور میں مذہبی آزادی ایک اہم انسانی حق کے طور پر تسلیم کر لیا گیا اور بیشتر ممالک میں اسے قانونی اور آئینی تحفظ حاصل ہے، تاہم اس کے عملی نفاذ میں چیلنجز بھی موجود ہیں۔ مذہبی رواداری اور تنوع کے احترام کو فروغ دینے کیلئے عالمی سطح پر کوششیں جاری ہیں۔

15.3 اسلام اور دیگر مذاہب میں مذہبی آزادی کا تصور

15.0.7 اسلام میں مذہبی آزادی کا تصور

اسلام میں مذہبی آزادی کا تصور بنیادی طور پر قرآن اور سنت پر مبنی ہے۔ اسلام مذہبی آزادی کی حمایت کرتا ہے اور اس بات پر زور دیتا ہے کہ دین کے معاملات میں کوئی جبر نہیں ہونا چاہیے۔ قرآن و سنت میں مذہبی آزادی کا تصور واضح ہے جس کا بنیادی مقصد ہر فرد کو اپنے مذہب کے انتخاب اور اس کی پیروی کرنے کا حق فراہم کرنا ہے۔

قرآن نے پہلے ہی دن اعلان کر دیا کہ دین میں کوئی جبر نہیں ہے، "لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی"

(بقرہ:256) یعنی "دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں ہے، ہدایت گمراہی سے جدا ہوگئی ہے"۔ یہ آیت مذہبی آزادی کے بنیادی اصول کو بیان کرتی ہے۔ اسلام کے آغاز سے ہی مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی کہ وہ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ رواداری اور احترام کے ساتھ پیش آئیں۔

اسلام کا قبول کرنا اور نہ کرنا ہر شخص کی مرضی پر موقوف ہے: "اور کہہ دیجئے کہ حق تمہارے رب کی طرف سے آچکا ہے، پس جو چاہے قبول کرے اور جو چاہے قبول نہ کرے"۔ (کہف:۴)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور پیدا نہیں کیا بلکہ ارادہ و اختیار سے نوازا ہے اس لئے اسلام اپنی دعوت افہام و تفہیم اور وعظ و نصیحت کے ذریعے دوسروں تک پہنچانے کی بات کرتا ہے، زبردستی مسلط کرنے سے منع کرتا ہے۔ مذہب کی تبلیغ بھی حکمت و دانائی کے ساتھ کرنی ہے، اگر بحث و مباحثہ کی نوبت آجائے تو وہ بھی احسن طریقے سے کرنی ہے: "اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ذریعہ بلاؤ اور ان کے ساتھ احسن طریقے سے بحث کرو"۔ (نحل:125)

قرآن میں ایک اور جگہ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے کہا گیا کہ: "**پس آپ نصیحت کیجیے، آپ صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔ آپ کو ان پر مسلط نہیں کر دیا گیا ہے**"۔ (غاشیہ:22،21) یہ آیت بھی اس بات کی تائید کرتی ہے کہ پیغمبر کی ذمہ داری صرف نصیحت کرنا ہے، جبراً منوانا نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر غیر مسلموں کے حقوق کی پاسداری کرتے ہوئے ان کے ساتھ عدل و انصاف کے ساتھ معاملہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے: "جو شخص کسی معاہد (ذمی) پر ظلم کرے یا اس کے حق کو نقصان پہنچائے یا اس پر اس کے طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالے، تو میں قیامت کے دن اس کی طرف سے لڑوں گا"۔ (سنن ابی داؤد)

میثاق مدینہ

ہجرت کے بعد جب مدینہ میں اسلامی ریاست قائم ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ایک معاہدہ پر دستخط کیا جو میثاق مدینہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس معاہدہ کا مقصد مدینہ میں امن و امان قائم کرنا اور مختلف مذہبی و نسلی گروہوں کے درمیان حقوق و فرائض کا تعین کرنا تھا۔ میثاق مدینہ میں مذہبی آزادی کی ضمانت دی گئی اور اس معاہدے کے تحت یہ تسلیم کیا گیا کہ مدینہ میں موجود مختلف قبائل، دیگر مذہبی گروہ اور خاص طور سے مدینہ کے قریب ترین پڑوسی یہودی قبائل کے حقوق کو تحفظ فراہم کیا جائے اور انہیں اپنے مذہبی رسوم و رواج پر عمل کرنے کی پوری آزادی دی جائے اور ساتھ ہی مسلمانوں کے ساتھ مل کر مدینہ کی دفاع میں ایک قوم بن جائیں۔

معاہدے کے اہم نکات

- یہود مسلمانوں کے ساتھ ملکر ایک ہی امت ہوں گے۔ یہود اپنے دین پر عمل کریں گے اور مسلمان اپنے دین پر۔ ان کا بھی یہی حق ہوگا اور ان کے غلاموں اور متعلقین کا بھی۔

- یہود اپنے اخراجات کے ذمہ دار ہوں گے اور مسلمان اپنے اخراجات کے۔
- اس معاہدے کے کسی فریق سے جو بھی طاقت جنگ کرے گی سب اس کے خلاف آپس میں تعاون کریں گے۔
- اس معاہدے کے شرکاء کے باہمی تعلقات خیر خواہی اور فائدہ رسانی کی بنیاد پر ہوں گے، گناہ پر نہیں۔
- کوئی آدمی اپنے حلیف کی وجہ سے مجرم نہیں ٹھہرے گا۔
- مظلوم کی مدد کی جائے گی۔
- معاہدے کے سارے شرکاء پر مدینہ میں فساد اور جنگ و جدال حرام ہو گا۔
- معاہدے کے سارے فریقوں کے مابین کوئی اختلاف ہو جائے جس میں فساد کا اندیشہ ہو تو اس کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ فرمائیں گے۔
- یہ معاہدہ کسی ظالم یا مجرم کیلئے آڑ نہیں بنے گا۔

میثاق مدینہ اسلامی معاشرت میں مذہبی آزادی اور باہمی تعاون کی ایک بہترین مثال ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں مختلف مذاہب اور ثقافتوں کے درمیان رواداری اور احترام کو کس قدر اہمیت دی گئی تھی۔

خلفائے راشدین کا دور

خلفائے راشدین کے دور میں بھی مذہبی آزادی کو بہت اہمیت دی گئی جس کا عملی نمونہ اسلامی فتوحات کے درمیان مختلف علاقوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس دور میں دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک، مذہبی حقوق کی حفاظت اور مذہبی آزادی کے اصولوں کو برقرار رکھنے پوری کوشش کی گئی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دور میں اسلامی ریاست کو مضبوط کرنے اور مرتدین کے خلاف جنگیں لڑنے کے باوجود، ان کی حکومت نے غیر مسلموں کے ساتھ انصاف اور رواداری کا برتاؤ کیا۔

حضرت عمر کا دور اسلامی فتوحات کا دور تھا، اس دور میں اسلامی ریاست میں شام، مصر، عراق اور ایران کے علاقے شامل ہو گئے۔ ان علاقوں میں غیر مسلموں کو اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے کی پوری آزادی حاصل تھی۔ حضرت عمر کے دور میں ہی 637ء میں بیت المقدس فتح ہوا جہاں عیسائیوں کی بڑی تعداد موجود تھی، ان کے مذہبی مقامات کی حفاظت کی گئی اور ان کے عقائد کا احترام کیا گیا۔ وہاں کے عیسائی پادریوں سے ایک معاہدہ کیا گیا جسے "عہد عمر" کہا جاتا ہے۔ اس معاہدے کے تحت عیسائیوں کو اپنی مذہبی رسومات کی ادائیگی کی آزادی دی گئی اور ان کے کلیساؤں کو محفوظ رکھا گیا۔ یہودیوں کو بھی ارض مقدسہ کی زیارت کرنے اور اپنے مذہبی فرائض ادا کرنے کی مکمل آزادی دی گئی۔

حضرت عمر نے ذمیوں، خاص طور سے یہودیوں و عیسائیوں کے حقوق کا خاص خیال رکھا۔ ان کے دور میں ذمیوں سے جزیہ لیا جاتا تھا، اس کے بدلے انہیں ریاستی تحفظ فراہم کیا جاتا تھا اور ان کے مذہبی معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کی جاتی تھی۔

فرانسیسی مفکر روسو(1712-1778) نے اپنی کتاب، **سوشل کونٹریکٹ**، میں کہا کہ "**انسان آزاد پیدا ہوا تھا مگر میں اس کو**

زنجیروں میں جکڑا ہوا پاتا ہوں" روسو سے ایک ہزار سال پہلے اسلامی خلیفہ حضرت عمرؓ نے اس طرح کا جملہ اپنے ماتحت گورنر عمرو بن العاصؓ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ: "**اے عمروؓ! تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنالیا، جب کہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا**" (تاریخ ابن عساکر)۔

یہ قول حضرت عمرؓ کی انصاف پسندی اور انسانی حقوق کے احترام کی عکاسی کرتا ہے۔

حضرت عثمانؓ کے دور میں اسلامی ریاست کی مزید توسیع ہوئی اور افریقہ، ترکی، اور ایران کے مزید علاقوں کو اسلامی ریاست میں شامل کیا گیا۔ انہوں نے بھی اپنے پیش رو خلفاء کی پالیسیوں کو برقرار رکھا اور مذہبی آزادی کا تحفظ کیا۔ اس دور میں مفتوحہ علاقوں کے غیر مسلموں کے ساتھ رواداری اور انصاف کا مظاہرہ کیا گیا۔ ان کے مذہبی حقوق کو تسلیم کیا گیا اور انہیں رسومات کی ادائیگی کی آزادی حاصل رہی۔

حضرت علیؓ کے دور میں اگرچہ داخلی فتنوں اور خانہ جنگی کا سامنا رہا، لیکن انہوں نے اسلامی اصولوں کے تحت مذہبی آزای کو یقینی بنایا۔ انہوں نے ہمیشہ اقلیتوں کے حقوق اور مذہبی آزادی کا احترام کیا۔ ان کے عدل و انصاف کے فیصلے اس عہد کی پہچان ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ غیر مسلموں کے ساتھ رواداری کا مظاہرہ کیا۔

اس طرح خلفائے راشدین نے مذہبی رواداری اور عدل و انصاف کی بنیاد پر ایک مثالی حکومت قائم کی، جس میں ہر مذہب کے لوگوں کو ان کے حقوق دئے گئے اور ان کے مذہبی عقائد کا احترام کیا گیا۔

15.0.8 یہودیت میں مذہبی آزادی کا تصور

یہودیت میں مذہبی آزادی کا تصور تورات، روایات اور تاریخی تجربات پر مبنی ہے۔ یہ ایک ایسا مذہب ہے جو انفرادی عقیدے اور عمل پر زور دیتا ہے۔ یہاں منتخب قوم (Chosen People) کے تصور کو تسلیم کیا جاتا ہے، لیکن یہ دوسرے مذاہب کے تئیں بھی مذہبی آزادی اور رواداری کو فروغ دیتا ہے۔ تورات کے اندر کچھ ایسی تعلیمات اور واقعات ملتے ہیں جن سے یہودیت میں مذہبی آزادی کے تصور کو سمجھا جاسکتا ہے۔

قرآن کی طرح تورات میں بھی توحید پر بہت زور دیا گیا ہے اور یہودیوں کو صرف ایک خدا کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تورات کے دس احکام میں پہلا حکم یہ ہے کہ "**تمہارے لئے میرے علاوہ کوئی خدا نہ ہو**" (خروج 3:20)۔ تورات میں دوسری جگہ بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ وہ غیر قوموں کے ساتھ انصاف کا معاملہ کریں اور حسن سلوک کریں۔ (استثنا 9:101) یہ احکام انسانی حقوق کی بلاواسطہ اور مذہبی آزادی کی بالواسطہ وکالت کرتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ تورات میں توحید، ایک خدا کی عبادت اور دیگر مذاہب سے رواداری کے احکام پائے جاتے ہیں۔ ساتھ ہی تورات میں غیر قوموں کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کے اصول بھی ملتے ہیں جو مذہبی آزادی کیلئے راہ ہموار کرتے ہیں۔

غیر قوموں کے ساتھ تعلقات

قدیم یہودی معاشرت میں دیگر اقوام اور مذاہب کے ساتھ تعلقات محدود تھے، ان کے ساتھ مذہبی رواداری یا مذہبی آزادی کا تصور محدود پیمانے پر تھا۔ لیکن غیر قوموں کے ساتھ جنگ و صلح کے معاملات میں مختلف احکام دئے گئے تھے جن میں غیر قوموں کو ان کے عقائد کے مطابق زندگی گزارنے کی اجازت بھی تھی۔

6ویں صدی قبل مسیح میں قوم بنی اسرائیل بابل کی اسیری میں گئی اس وقت یہودی معاشرہ میں کچھ تبدیلی آئی۔ اس دوران یہودیوں نے اپنے مذہبی عقائد کو محفوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب کے لوگوں کے ساتھ زندگی گذارنے کا تجربہ حاصل کیا۔ اس کے بعد یہود کے ہاں مذہبی آزادی کی فکر میں کچھ وسعت پیدا ہوئی۔

جدید دور

جدید دور میں یہودیوں کے ہاں مذہبی آزادی کا تصور ایک نیا رخ اختیار کیا۔ 19ویں صدی میں شروع ہونے والے اصلاحی تحریک کے تحت یہودی معاشرت میں مذہبی آزادی اور لبرل خیالات کو فروغ ملا۔ اصلاحی یہودیوں نے مذہبی رسومات میں نرمی اور آزادئے فکر کی حمایت کی اور مذہبی تنوع و رواداری کو قبول کیا۔

20ویں صدی میں صیہونی تحریک کے تحت اسرائیل کے قیام کے بعد مذہبی آزادی کا تصور ایک نئی شکل میں سامنے آیا۔ اسرائیل میں مختلف یہودی فرقوں کے ساتھ ساتھ غیر یہودی اقلیتوں کو بھی مذہبی آزادی کی ضمانت دی گئی، اگرچہ اس حوالے سے مختلف مسائل اور چیلنجز بھی موجود رہے۔ موجودہ دور میں یہودی فرقے مختلف نظریات رکھتے ہیں۔ کچھ فرقے روایتی قوانین کے سخت اسیر ہیں، جبکہ دیگر فرقے مذہبی آزادی اور جدیدیت کے حق میں ہیں۔

یہودیت میں مذہبی آزادی کا تصور مختلف انداز سے سامنے آیا ہے۔ قدیم یہودیت میں مذہبی سختی تھی، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ مذہبی آزادی اور رواداری کا تصور قابل قبول ہوتا گیا۔ جدید دور میں یہودی معاشرہ میں مذہبی آزادی کا احترام کیا جاتا ہے، خاص طور پر اصلاحی اور لبرل یہودی فرقوں میں۔ اسرائیل میں مذہبی آزادی کی قانونی ضمانت موجود ہے، لیکن عملی طور پر اس کے نفاذ میں چیلنجز بھی ہیں۔

15.0.9 عیسائیت میں مذہبی آزادی کا تصور

عیسائیت میں مذہبی آزادی کا تصور اس بنیادی حق پر مبنی ہے کہ انسان خدا کے تعلق سے حق کی تلاش میں آزاد ہے۔ عیسیٰؑ کی تعلیمات میں محبت، رواداری اور دوسروں کے ساتھ احترام کا عنصر پایا جاتا ہے جو مذہبی آزادی کی حمایت میں اہم ہے۔ ان کی تعلیمات مذہبی جبر کے خلاف اور افراد کی آزادانہ مذہبی پیروی کے حق میں ایک اصولی موقف فراہم کرتی ہیں۔

مذہبی جبر کے خلاف رد عمل

حضرت عیسیٰؑ نے اپنے وقت کے یہودی مذہبی رہنماؤں کی طرف سے نافذ کردہ سخت قوانین، مذہبی جبر اور ظاہری عبادت کی مخالفت کی (متی 23:13-36)۔ انہوں نے لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دی لیکن کسی پر عیسائیت کو مسلط کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اپنی قوم سے کہا کہ "**جو کوئی میرے پیچھے آنا چاہے، وہ اپنی صلیب اٹھائے اور میرے پیچھے آجائے**" (متی 24:16)۔ یہ تعلیمات آزادانہ طور پر فرد کو خدا کی طرف دعوت دیتی ہیں۔ جب عیسیٰؑ سے قیصر کو ٹیکس دینے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا، "**جو قیصر کا (حق) ہے قیصر کو دو اور جو خدا کا (حق) ہے خدا کو دو**" (متی 21:22) یہ بیان اس بات کی علامت ہے کہ مذہبی معاملات کو حکومتی معاملات سے الگ رکھا جائے، جو مذہبی آزادی کے تصور کو اصول فراہم کرتی ہے۔

پاپائیت کے دور میں چرچ نے مذہبی آزادی کے بجائے مذہبی جبر کا راستہ اختیار کیا۔ کیتھولک چرچ نے یورپ میں مذہبی امور پر مکمل کنٹرول حاصل کر لیا۔ جو کوئی چرچ کے عقائد سے اختلاف کرتا اسے بدعتی قرار دیدیا جاتا تھا۔ انکویزیشن کے ذریعے بدعتی قرار دئے گئے لوگوں کو سخت سزائیں دی جاتی، اس وقت مذہبی آزادی کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔

اصلاحات کلیسا

16ویں صدی میں اصلاحات کلیسا کی تحریک نے مذہبی آزادی کے تصور کو ایک نئی جہت دی۔ ماٹن لوتھر اور دیگر مصلحین نے چرچ کی طاقت کو چیلنج کیا اور پروٹسٹنٹ فرقے کی بنیاد رکھی۔ اس تحریک نے افراد کو اپنے مذہبی عقائد کے انتخاب کی آزادی دی۔ تحریک اصلاحات کلیسا کے بعد یورپ میں مذہبی جنگیں ہوئیں، جس نے مذہبی آزادی کے مسئلے کو مزید نمایاں کیا۔ 1648ء میں "ویسٹ فیلیا کا معاہدہ" (Peace of Westphalia) ہوا، جس نے تیس سال سے جاری جنگ کو ختم کر کے یورپ میں مذہبی تنازعات کو اختتام تک پہنچانے میں اہم رول ادا کیا اور مذہبی آزادی کو فروغ دیا۔

جدید دور

دور جدید میں عیسائی معاشرہ میں مذہبی آزادی کے تصور کو بہت اہمیت دی گئی۔ یورپ اور دیگر ممالک میں سیکولرزم کے فروغ کے ساتھ مذہب اور ریاست کو الگ کر دیا گیا اور مختلف مذاہب کے پیروکاروں کو اپنے عقائد کے مطابق زندگی گزارنے کی آزادی دی گئی۔ 18ویں صدی میں امریکہ کے قیام کے ساتھ، مذہبی آزادی کو بنیادی حق قرار دیدیا گیا۔ امریکی آئین میں مذہبی آزادی کی ضمانت دی گئی اور یہ اصول وضع کیا گیا کہ حکومت کسی بھی مذہب کی حمایت یا مخالفت نہیں کرے گی۔ آگے چل کر کیتھولک چرچ نے بھی مذہبی آزادی کے حق کو تسلیم کیا اور 1965ء میں ویٹکن کونسل کا مذہبی آزادی پر اعلامیہ "انسانی شخصیت کا وقار" (Dignity of Human Person) منظور ہوا، جس میں مذہبی آزادی کو انسان کا بنیادی حق قرار دیا گیا۔ یہ اعلامیہ نہ صرف مذہبی آزادی کے حق کو تسلیم کرتا ہے بلکہ یہ اعلان کرتا ہے کہ انسانی شخصیت کے وقار کی بنیاد پر تمام لوگوں کو مذہبی آزادی کا حق حاصل ہے۔ یہ حق خود انسانی فطرت میں پیوست ہے، اسے کسی ریاست یا اتھارٹی نے نہیں دیا ہے۔

15.0.10 ہندومت میں مذہبی آزادی کا تصور

ہندو دھرم، جو دنیا کے قدیم ترین مذاہب میں سے ایک ہے، مذہبی آزادی کے تصور کو ایک خاص انداز میں پیش کرتا ہے۔ اس مذہب کی خصوصیت تنوع پر مبنی ہے جو اسے مختلف عقائد و نظریات کیلئے کھلا رکھتی ہے۔ ہندو دھرم میں کوئی ایک مقدس کتاب یا عقائد کا یکساں نظام نہیں ہے، بلکہ مختلف فرقوں و روایات کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس تنوع کی وجہ سے مذہبی آزادی کا تصور ہندو مذہب کی بنیادی تعلیمات اور روایات میں شامل ہے۔

تعددیت

ہندو مذہب میں مختلف دیوتا، عبادات اور روحانی راستے پائے جاتے ہیں۔ وید، اپنشد، بھگوت گیتا اور پورانوں میں مختلف فلسفے و عقائد موجود ہیں، جن میں وحدت الوجود (Monism)، دوئیت (Dualism) اور غیر دوئیت (Non-dualism) جیسے نظریات شامل ہیں۔ یہ تنوع مذہبی آزادی کا مظہر ہے، کیونکہ ہندوازم میں کسی ایک عقیدے یا راستے کو اختیار کرنے کی پابندی نہیں ہے۔ افراد کو اپنی مرضی کے مطابق خدا کی عبادت کرنے یا کسی بھی روحانی راستے کی پیروی کرنے کی آزادی حاصل ہے۔

سرو دھرم سمبھاؤ (تمام مذاہب کا احترام)

ہندو فلسفہ میں "سرو دھرم سمبھاؤ" کا نظریہ اہم ہے، جس کا مطلب ہے کہ تمام مذاہب کا احترام کیا جائے۔ اس فلسفے کے تحت ہندو دھرم میں دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ رواداری اور ہم آہنگی کی تلقین کی جاتی ہے۔ اس نظریہ کے مطابق ہر مذہب خدا تک پہنچنے کا ایک راستہ ہے اور ہر ایک کو اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے کی آزادی ہے۔

بھگوت گیتا

بھگوت گیتا میں مختلف یوگ (راستہ) ہیں، جیسے کرما یوگ (عمل کا راستہ)، بھکتی یوگ (عقیدت کا راستہ) اور گیان یوگ (علم کا راستہ) یہ یوگ افراد کو ان کی پسند اور رجحانات کے مطابق مختلف روحانی راستے کو اختیار کرنے کی آزادی دیتے ہیں، جو کہ مذہبی آزادی کا اظہار ہے۔ ہندو دھرم میں مختلف فرقے جیسے شیوازم، وشنوازم اور شکتی ازم پائے جاتے ہیں، جن کے پیروکار مختلف دیوتا کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ فرقے مذہبی آزادی کی علامت ہیں اور ہر فرقہ اپنے عقائد و رسومات کی پیروی کرنے کیلئے آزاد ہے۔

رواداری و عدم جبر

ہندو دھرم میں جبر کے بجائے رواداری پر زور دیا گیا ہے۔ ہندو فلسفے میں اہنسا (عدم تشدد) کا اصول بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اس اصول کے تحت کسی بھی شخص پر زور زبردستی یا مذہبی جبر کی اجازت نہیں ہے اور ہر ایک کو اپنے مذہبی عقائد کے مطابق عمل کرنے کی آزادی دی گئی ہے۔ ہندو دھرم نے بودھ مت، جین مت اور اسلام کے ماننے والوں کے ساتھ رواداری اور باہمی احترام کا رویہ اپنایا۔ اگرچہ ان مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ اختلاف بھی رہے ہیں لیکن ہندو سماج میں ان مذاہب کو قبول کیا گیا اور ان کے پیروکاروں کو اپنے مذہبی

رسومات کی ادائیگی کی آزادی دی گئی۔

15.4 مذہبی آزادی کے معاصر چیلنجز

مذہبی آزادی کی راہ میں موجودہ چیلنجز یا مسائل نہ صرف مختلف مذاہب کے ماننے والوں کو متاثر کرتے ہیں بلکہ معاشرے میں توازن اور عالمی سطح پر امن واستحکام کو بھی متاثر کرتے ہیں۔

انتہاپسندی اور مذہبی عدم برداشت: دنیا کے کئی خطوں میں انتہاپسندی اور مذہبی عدم برداشت کا رجحان بڑھا ہے۔ مذہبی اقلیتوں کو اکثر جبر و تشدد اور امتیازی سلوک کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جس سے مذہبی آزادی محدود ہو جاتی ہے۔

حکومتی پالیسز و قوانین: کچھ ممالک میں حکومتیں ایسی پالیسی اور قوانین نافذ کرتی ہیں جو مذہبی اقلیتوں کے خلاف امتیازی سلوک پر مبنی ہوتے ہیں۔ یہ قوانین اکثر پرسنل لاء اور مخصوص مذہبی شناخت کو نشانہ بناتے ہیں، جیسے لباس کے ضوابط، عبادت کی آزادی پر پابندیاں اور مذہب تبدیل کرنے پر پابندیاں۔

سماجی دباؤ و فرقہ واریت: سماجی سطح پر بھی مذہبی آزادی کو مسائل کا سامنا ہے، جہاں فرقہ واریت، مذہبی تعصب اور سماجی دباؤ اس آزادی کو محدود کرتے ہیں۔ بعض اوقات سماج کے مختلف طبقات مذہبی اقلیتوں کو سماجی یا معاشی طور پر الگ تھلگ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

تکنیکی اور ڈیجیٹل چیلینج: ڈیجیٹل دور میں مذہبی آزادی کو کئی قسم کے چیلنجز کا سامنا ہے۔ سوشل میڈیا اور دیگر آنلائن پلیٹ فارم پر جانبدارانہ تقاریر اور غلط معلومات کا پھیلاؤ مذہبی تعصب کو ہوا دیتے ہیں۔ کچھ گروہ اور حکومتیں بھی انٹرنیٹ کا استعمال کرکے مخصوص مذاہب یا فرقوں کو نشانہ بناتے ہیں۔

مہاجرین اور پناہ گزینوں کی صورت حال: دنیا بھر میں جاری تنازعات کی وجہ سے بہت سے لوگ اپنے ممالک سے ہجرت پر مجبور ہوتے ہیں۔ مہاجرین و پناہ گزین اکثر دوسرے ممالک میں مذہبی آزادی کے مسائل کا سامنا کرتے ہیں، جہاں ان کے مذہبی عقائد اور طرز زندگی کو تسلیم نہیں کیا جاتا اور ان پر پابندیاں عائد کیجاتی ہیں۔

عالمی سطح پر سیاسی و جغرافیائی کشمکش: بین الاقوامی سیاست میں بھی مذہبی آزادی کے مسائل کو چیلنجز کا سامنا ہے۔ بعض ممالک مذہبی بنیادوں پر اپنے اتحادیوں اور مخالفین کا انتخاب کرتے ہیں، جو عالمی سطح پر مذہبی تعصب اور امتیازی سلوک کو بڑھاوا دیتے ہیں۔

یہ چیلنجز نہ صرف انفرادی حقوق و آزادی کو متاثر کرتے ہیں بلکہ عالمی سطح پر بین مذاہب ہم آہنگی اور امن کے قیام کیلئے بھی رکاوٹ بنتے ہیں۔ مذہبی آزادی کو یقینی بنانے کیلئے تمام سطحوں پر کوششوں کی ضرورت ہے تاکہ معاشرے میں انسانی حقوق کا احترام کیا جاسکے۔

حاصل کلام یہ کہ مذہبی آزادی کی تاریخ مختلف تہذیبوں، مذاہب اور ادوار کے ساتھ تبدیل ہوتی رہی ہے۔ اسلام، یہودیت، عیسائیت، ہندومت اور دوسرے مذاہب نے اپنے تاریخی و سماجی پس منظر کے تحت مذہبی آزادی کے مختلف تصورات کو فروغ دیا ہے۔

موجودہ دور میں مذہبی آزادی کو ایک عالمی انسانی حق کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے، مگر اب بھی دنیا کے مختلف حصوں میں اسے چیلنجز کا سامنا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ ہم تاریخ سے سیکھیں اور بین المذاہب رواداری کو فروغ دیں تاکہ ایک پر امن اور مساوات پر مبنی معاشرہ قائم کیا جاسکے۔

15.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- مذہبی آزادی کا تصور مختلف ادوار میں مختلف انداز سے پیش کیا گیا، جیسے کہ رومی سلطنت، قرون وسطیٰ، روشن خیالی کا دور اور جدید دور میں، مذہبی آزادی کا نظریہ بتدریج ترقی کرتا رہا ہے جس کا اطلاق مختلف مذاہب و معاشرے میں مختلف رہا ہے۔
- یہودیت میں مذہبی آزادی کی کچھ بنیادیں تورات میں ملتی ہیں، جہاں عدل و انصاف اور دیگر مذاہب کے ساتھ تعلقات پر زور دیا گیا ہے۔ عیسائیت میں مذہبی آزادی کی مختلف تفہیمات موجود ہیں، خاص طور پر ابتدائی عیسائیت کے دور میں جبر اور بعد میں اصلاحات کلیسا کے دوران تبدیلیاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ ہندومت میں مذہبی آزادی کو تنوع، قبولیت اور رواداری کی بنیاد پر دیکھا جاتا ہے، جہاں مختلف مذاہب اور روحانی راستوں کی آزادی کو اہمیت دی جاتی ہے۔
- اسلام میں مذہبی آزادی کا تصور قرآن میں واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت خاص طور سے میثاق مدینہ دنیا کا پہلا عالمی منشور ہے، خلفائے راشدین اور ان کے بعد میں آنے والے مسلم حکومتوں کے دور میں مذہبی آزادی پر روشنی ڈالی گئی ہے، جہاں مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے حقوق کی پاسداری کی گئی، مذہبی رسومات کی ادائیگی کی آزادی دی گئی اور رواداری کو فروغ دیا گیا۔
- مختلف ادوار میں مذہبی جبر کے واقعات بھی ہوئے، جیسے کہ رومی سلطنت میں ابتدائی عیسائیوں پر ظلم، قرون وسطی میں انکویزیشن اور مذہبی جنگیں۔ مذہبی آزادی و رواداری کی مثالیں بھی ملتی ہیں، جیسے رسول اللہؐ کے زمانے میں میثاق مدینہ کے تحت، خلفائے راشدین اور اور قرون وسطی کی مسلم دنیا میں۔ اسی طرح اصلاحات کلیسا کے بعد یورپ میں اور ہندو معاشرت میں مختلف فرقوں و عقائد کی قبولیت کی صورت میں مذہبی آزادی کا نمونہ دیکھنے کو ملتا ہے۔
- روشن خیالی کا دور اور جدید دور میں مذہبی آزادی کو ریاست کی سطح پر انسان کا بنیادی حق تسلیم کر لیا گیا۔ اس دور میں مختلف فلسفیوں اور مذہبی رہنماؤں نے مذہبی آزادی کی وکالت کی۔ سیکولزم کے فروغ کے ساتھ مذہب اور ریاست کے درمیان تفریق کی گئی اور مختلف مذاہب کے پیروکاروں کو اپنے عقائد کے مطابق زندگی گزارنے کی آزادی دی گئی۔
- موجودہ دور میں مذہبی آزادی کو کئی چیلنجز درپیش ہیں، جیسے مذہبی عدم برداشت، اقلیتوں پر جبر اور مختلف ممالک میں مذہبی آزادی کے قوانین کا متنازعہ اطلاق۔
- موجودہ دور میں بین مذاہب ہم آہنگی اور مکالمے کی ضرورت کو بھی اجاگر کیا گیا ہے تاکہ مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان بہتر

تعلقات اور مفاہمت پیدا کی جاسکے۔

- یہ نکات اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ مذہبی آزادی کا تصور تاریخی، مذہبی، سماجی اور فلسفیانہ تناظر میں کتنا وسیع اور متنوع ہے۔ ان کے ذریعے ہمیں مذہبی آزادی کے ارتقاء، اس کے مختلف پہلوؤں، اور اس کے معاصر مسائل کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے، جو مختلف مذاہب اور معاشروں کے درمیان بہتر ہم آہنگی اور احترام کے فروغ کیلئے ضروری ہے۔

15.6 نمونہ امتحانی سوالات

15.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. مذہبی آزادی کے کون سے تاریخی معاہدے کو اسلامی تاریخ میں بین مذاہب رواداری کی پہلی مثال سمجھا جاتا ہے؟
(a). صلح حدیبیہ (b). میثاق مدینہ (c). فتح مکہ (d). صلح نجران
2. کس سورۃ میں مذہبی آزادی کا حکم دیا گیا ہے کہ "دین میں کوئی جبر نہیں ہے"؟
(a). سورۃ بقرۃ (b). سورۃ مائدۃ (c). سورۃ انعام (d). سورۃ کافرون
3. رومی سلطنت میں کس بادشاہ نے عیسائیت کو ریاستی مذہب قرار دیا؟
(a). جولس سیزر (b). نیرو (c). کانسٹنٹائن اول (d). اگستس
4. "جو قیصر کا ہے قیصر کو دو اور جو خدا کا ہے خدا کو دو" یہ کس کا قول ہے؟
(a). موسیٰؑ (b). عیسیٰؑ (c). ابراہیمؑ (d). جبرئیلؑ
5. یہودیت میں تورات کے کون سے قوانین مذہبی آزادی کے تصور کی عکاسی کرتے ہیں؟
(a). ۱۰ فرمان (b). طہارت کے قوانین (c). سبت کے قوانین (d). سیاسی قوانین
6. ہندومت میں مذہبی آزادی و رواداری کو فروغ دینے والا فلسفیانہ نظریہ ہے؟
(a). سرودھرم سمبھاؤ (b). اہنسا (c). وحدت الوجود (d). کرمایوگ
7. روشن خیالی کے دور میں کس فلسفی نے مذہبی آزادی کی حمایت میں "سوشل کانٹریکٹ" کا نظریہ پیش کیا؟
(a). جان لاک (b). روسو (c). دیکارت (d). تھامس ہوبس
8. عیسائیت میں مذہبی جبر کا دورانیہ کس تاریخی واقعہ سے منسلک ہے؟
(a). صلیبی جنگیں (b). انکویزیشن (c). اصلاحات کلیسا (d). نائسین کونسل
9. موجودہ دور میں مذہبی آزادی کی سب سے زیادہ حمایت کس نوعیت کے نظام میں کیجاتی ہے؟

(a). جمہوریت (b). بادشاہت (c). آمریت (d). مذہبی حکومت

10. اصلاحات کلیسا نے کس مذہبی طاقت کو چیلنج کیا؟

(a). رومن سلطنت (b). پوپ کی اتھارٹی (c). عیسائیت (d). یہودی بالادستی

15.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. مذہبی آزادی کے مفہوم کو واضح کرتے ہوئے اس کی ضرورت واہمیت پر روشنی ڈالیے۔
2. قرآن میں مذہبی آزادی کی تعلیمات پر ایک جامع نوٹ تحریر کیجیے۔
3. شہنشاہ کانسٹنٹائن کی مذہبی پالیسیوں کا جائزہ لیتے ہوئے رومی سلطنت میں مذہبی آزادی کے تصور پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
4. مذہبی آزادی کے حوالے سے میثاق مدینہ پر ایک تجزیاتی نوٹ لکھیے۔
5. یہودیت میں مذہبی آزادی کے تصور کی تورات کی روشنی میں وضاحت کیجیے۔

15.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ میں مذہبی آزادی کے نفاذ کا تفصیلی جائزہ لیجیے۔
2. روشن خیالی کے دور میں مذہبی آزادی کے تصور کی ترقی پر روشنی ڈالتے ہوئے جدید جمہوری معاشرہ پر اس کے اثرات کا جائزہ لیجیے۔
3. رومی سلطنت میں یہودیت اور عیسائیت کے ساتھ ریاست کے تعلقات کا تقابلی جائزہ پیش کیجیے۔

15.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. Islam and Religious Freedom: The Challenges of Religious Pluralism in the Muslim World: Abdullah Saeed
2. Madinah Charter: The First Constitution of Muslim World: Hamidullah
3. The Early Islamic Conquest: Fred Donner
4. A History of Freedom of Thought: J.B. Bury
5. Freedom of Religion: A Comparative Law Perspective: Anat Scolnicov
6. مزہبی آزادی: اسلامی تعلیمات اور جدید دنیا: ڈاکٹر محمود احمد غازی
7. اسلام میں مزہبی آزادی: مولانا وحید الدین خان
8. حقوق انسانی اور اسلام: مولانا مودودی
9. آزادئ مذہب اور اسلام: مولانا محمد یوسف اصلاحی

اکائی 16: ہندوازم کا تعارف

اکائی کے اجزا:

16.0 تمہید

16.1 مقاصد

16.2 انسان اور مذہب

16.2.1 مذہب کی تعریف

16.2.2 ہندو کی وجہ تسمیہ

16.2.3 ہندو مذہب کی تعریف

16.3 ہندو دھرم عہد بعہد

16.4 ہندو دھرم کے اصطلاحی ادوار

16.5 ہندو دھرم کی بقا کے اسباب

16.6 ہندو دھرم اور دوسرے بڑے مذاہب میں پائے جانے والے بنیادی فرق

16.7 ہندو دھرم کے عقائد

16.8 ہندو دھرم کی مقدس کتابیں

16.9 ویدک ادب

16.9.1 ویدک ادب کی زمانی تقسیم

16.9.2 ویدک ادب کی موضوعاتی تقسیم

16.10 غیر ویدک ادب

16.11 ہندو دھرم میں ذات پات کا نظام

16.12 ہندو دھرم کا تصور عبادات

16.13 ہندو دھرم کے فرقے
16.14 ہندو دھرم کی مشہور و مقدس ہستیاں
16.15 ہندو فقہ اور ہندو دھرم کے عائلی قوانین
16.16 ہندو دھرم کے مشہور تہوار
16.17 ہندو دھرم کی معروف زیارت گاہیں
16.18 ہندو دھرم کے مشہور مصلحین اور مبلغین
16.19 اکتسابی نتائج
16.20 نمونہ امتحانی سوالات
16.20.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
16.20.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
16.20.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
16.21 تجویز کردہ اکتسابی مواد

16.0 تمہید

مذہب کی پیروی کرنا انسان کا خاصہ ہے لہذا جب سے دنیا وجود میں آئی ہے تب سے اس کے باشندگان کسی نہ کسی مذہب کی پیروی کرتے رہے ہیں۔ مورخین کے مطابق مذاہب کی تعداد سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں تک جا پہنچتی ہے۔ ان مذاہب کو بنیادی طور پر آسمانی مذاہب اور غیر آسمانی مذاہب میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں پائے جانے والے مشہور مذاہب-اسلام، یہودیت اور عیسائیت-کا تعلق آسمانی مذاہب سے ہے جب کہ چند ایسے مذاہب بھی پائے جاتے ہیں جن کا تعلق آسمانی مذاہب سے نہیں ہے جیسے ہندو مذہب۔

16.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہندو مذہب کا تعارف کرانا، اس کے عقائد، افکار و خیالات، تصور عبادت، نظام ذات و پات اور عائلی قوانین کو اجاگر کرنا، اس کی مذہبی کتابوں اور فقہ پر روشنی ڈالنا اور اس کے اہم مصلحین اور رہنماؤں کا ذکر کرنا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس کے مشہور تہوار اور مشہور مقامات زیارت سے بھی واقف کرانا ہے۔

16.2 انسان اور مذہب

تاریخ عالم کا کوئی لمحہ ایسا نہیں گذرا ہے جس میں انسانی معاشرہ کسی بھی مذہب کی پیروی نہ کرتا رہا ہو۔ انسان کی فطرت میں یہ شامل ہے کو وہ کسی نہ کسی کی بڑائی و برتری کو قبول کرے، اس کے سامنے اپنا سر جھکائے، اسی سے اپنی ضروریات اور خواہشات کو پورا کرنے کی دعا کرے۔ مورخین مذاہب نے انسان کے مذہب پسند ہونے کی مختلف وجوہات بیان کی ہیں لیکن اسلام نے مذہب کی پیروی کو اس کا خاصہ اور فطرت قرار دیا ہے کہ وہ بنیادی طور پر مذہب پسند ہے اور اس کی فطرت میں مذہب کی پیروی کرنا شامل ہے۔

16.2.1 مذہب کی تعریف

مذہب ایک عربی لفظ ہے جس سے مراد وہ راستہ ہے جس پر انسان چلتا ہے۔ محققین نے مذہب کی مختلف تعریف کی ہے لیکن ان سے مذہب کا کوئی جامع تصور سامنے نہیں آتا ہے اور اس کا اطلاق پوری نوع انسانیت پر نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ان میں کوئی نہ کوئی خامی اور کمی پائی جاتی ہے۔ مذاہب عالم: ایک مطالعہ کے مصنف مولانا انیس احمد فلاحی مدنی صاحب نے کانٹ، بی ٹیلر، روڈولف اور شوپنہار جیسے دانشوان کی بیان کردہ مذہب کی تعریف اور ان میں پائی جانے والی کمیوں اور خامیوں کا ذکر کرتے ہوئے مذہب کی ایک جامع تعریف بیان کی ہے جس کا اطلاق ان کے بقول تمام مذاہب پر کیا جاسکتا ہے:

"مقدس، بالاتر اور ان دیکھی ذات پر ایسا اعتقاد جو اس مقدس ذات کی محبت و رغبت اور ڈر و ذلت کے ساتھ اطاعت پر ابھارتا ہو"۔

اور مذہب کی اپنی اس تعریف کی جامعیت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

"یہ تعریف جامع ہے کیوں کہ اس میں ہر معبود شامل ہے خواہ حق ہو یا باطل۔ اسی طرح یہ تعریف جملہ شریعتوں پر بھی مشتمل ہے خواہ وہ آسمانی ہو یا غیر آسمانی۔ اسی طرح یہ تعریف عبادت گذار کی کیفیت اور اس کے ہدف پر بھی دلالت کرتی ہے"۔

16.2.2 ہندو کی وجہ تسمیہ

قدیم و جدید ہندوستان میں بسنے والی اکثریت کو "ہندو" سے موسوم کیا جاتا ہے۔ انہیں ہندو کہنے کی کئی وجہ بیان کی جاتی ہے:

سنسکرت کے حرف "س" کا "ہ" سے تبدیل ہو جانا۔ آریائی قوم کا پہلا گروپ "سندھو ندی" کے پاس خیمہ زن ہوا تھا جنہوں نے اسے اپنی لسانی ضرورت کی بنا پر "ہندو ندی" میں تبدیل کر دیا۔ یہ ندی ایران اور ہند کی سرحد پر پڑنے والی پہلی ندی تھی لہذا اس ندی کے پار جتنے لوگ بستے تھے انہیں "ہندو" سے موسوم کر دیا گیا۔

"ہندو" فارسی لفظ ہے جس کے معنی سیاہ کے ہیں۔ ہندوستان کی اصل آبادی سیاہ فام تھی لہذا آریائی قوم نے انہیں "ہندو" اور اپنے آپ کو کاشت کار اور سفید فام ہونے کی وجہ سے "آریہ" کے نام سے موسوم کر دیا تاکہ ان میں اور ہندوستان کی اصل آبادی میں فرق کیا جاسکے۔

عہد منوسمرتی تک آریائی قوم نے نہ صرف اپنے آپ کو "ہندو" کہلانے سے محفوظ رکھا تھابلکہ اپنے سفید فام ہونے پر فخر کا اظہار کرتے رہے جس کے ثبوت وید سے فراہم ہوتے ہیں۔ پنجاب اور سندھ پر ایران کی اشکانی سلطنت کے قبضہ ہو جانے کے بعد ہندوستان کی تمام آبادی کے لیے عام طور سے "ہندو" کا لفظ استعمال کیا جانے لگا۔

فارسی زبان میں "ہندو" کے ایک معنی غلام کے بھی ہیں۔ آریائی قوم جب ہندوستان میں وارد ہوئی تو انہوں نے یہاں کے باشندوں کو اپنے کانوں میں چھوٹی چھوٹی بالیاں پہنے ہوئے دیکھا تو انہیں "ہندو" کا نام دے دیا کیونکہ ان کے علاقے میں غلام اپنے کانوں چھوٹی چھوٹی بالیاں پہنتے تھے۔

16.2.3 ہندو مذہب کی تعریف

ہندو دھرم ہزاروں سال پرانا بلکہ قدیم ترین مذہب ہے لیکن اس کا تعلق آسمانی مذاہب سے نہیں ہے۔ یہ مذہب اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس کی تعلیمات میں جتنا تضاد پایا جاتا ہے وہ دنیا کے کسی بھی بڑے مذہب میں نہیں پایا جاتا ہے۔ اس تضاد کے باوجود دنیا کے مختلف خطوں میں اس مذہب کو ماننے والے پائے جاتے ہیں۔ ہندو مذہب کا سب سے بڑا مرکز ہندوستان ہے۔ ہندوستان کے علاوہ اس مذہب کے متبعین دنیا کے مختلف ممالک میں پائے جاتے ہیں جن میں امریکہ، نیپال، سری لنکا، بھوٹان، فیجی، پاکستان، بنگلہ دیش، انڈونیشیا اور دبئی وغیرہ شامل ہیں۔

ہندو مذہب پر قلم اٹھانے والے تمام مصنفین اس مذہب کی ایک جامع تعریف کرنے سے قاصر نظر آتے ہیں بلکہ ڈاکٹر رادھا کرشنن جیسا محقق ودانشور اپنی کتاب The Hindu view of life میں اسے "مذہب" کی بجائے "زندگی گذارنے کا طریقہ" قرار دیتے ہیں۔ گاندھی جی ہندو مذہب کو "پرامن طریقہ سے حق کی جستجو" قرار دیا ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے ہندو مذہب کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "بلحاظ عقیدہ ہندوازم غیر متشکل، پہل دار اور ہر شئے برائے ہر کس ہے۔ اس کی تعریف متعین کرنا سخت دشوار ہے بلکہ مروج معنوں میں اسے دیگر ادیان کی طرح مذہب کہنا بھی مشکوک ہے۔ اس نے ماضی میں بھی ارفع وادنی اور کبھی کبھی تو متضاد رسول وافکار کو گلے لگایا ہے۔ اس کی اصل زندہ رہو اور رہنے دو میں پوشیدہ ہے"

قرآن کریم کے ہندی مترجم محمد فاروق خان اپنے رسالہ "ہندو دھرم-ایک مطالعہ" کی ابتدا ان الفاظ سے کرتے ہیں:

"ہندو دھرم کیا ہے اور کیا نہیں؟ اس سوال کا یقین کے ساتھ کوئی جواب دینا بہت مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود ہندوؤں کے بڑے سے بڑے محقق بھی اس سلسلے میں حیران نظر آتے ہیں۔ قرآن مجید کی طرح ہندوؤں کے پاس کوئی ایسی خاص مقدس کتاب نہیں ہے جس کو ان کے مختلف فرقے اپنے مذاہب کا اصل منبع تسلیم کرتے ہوں۔ ان کے یہاں کوئی ایسی شخصیت بھی نہیں دکھائی دیتی جس کی پیش کی ہوئی ہدایات یا تعلیمات کو تمام ہندو اپنے مذہب کے لیے آخری سند مانتے ہوں۔ یہی سبب ہے کہ جان کلارک آچر اپنی کتاب The Great Religions of the modern world میں یہ تک لکھنے پر مجبور ہوا کہ آپ سمجھ لیں کہ ہندو دھرم کا بانی ایک بڑا گروہ ہے جس کی شخصیات تاریکی میں چھپی ہوئی ہے"۔

Hinduismنامی کتاب کے حوالہ سے وہ مزید لکھتے ہیں:

"چونکہ ہندو مذہب کے حدود متعین نہیں ہیں اس لیے اس کی کوئی خاص تعریف ممکن نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کو ہندو دھرم سے موسوم کیا گیا ہے اس کا تعلق دھرم سے نہیں بلکہ ایک تاریخی سفر سے ہے جس کی بہت سی کڑیاں گم ہیں اور بہت سے حقائق تاریخ کے پردے میں پوشیدہ ہو کر رہ گئے۔ تاریخی روایات کا جو سلسلہ ویدوں کے زمانہ سے کچھ رسم ورواج کو اپنے ساتھ لے کر شروع ہوا تھا، اس میں بہت کچھ حذف واضافہ ہوتا رہا۔ اس کو جس قوم یا قبیلہ سے بھی سابقہ پیش آیا اس کے رسم ورواج اور خیالات وتصورات کو اپنے اندر ضم کرتا چلا گیا۔

ڈاکٹر ہیرالال چوپڑہ کی تعریف سے بھی ہندو دھرم کی تصویر کافی حد تک واضح ہو کر سامنے آتی ہے۔ ان کے بقول "دراصل ہندو دھرم کسی ایک شخص، پیر یا پیغمبر کا جاری کردہ نہیں ہے بلکہ قدرت کی طاقتوں اور انسان کی فطرت کو ملحوظ رکھتے ہوئے بنی نوع انسان کے اندر باہمی اخوت، نیکی اور سچائی کی ترغیب، نیز خالق کائنات کو مالک کل سمجھنا اور اسی کی پرستش کرنے کی تلقین کا نام ہے"

لیکن مولانا انیس احمد فلاحی صاحب نے ہندو دھرم کی جو تعریف بیان کی ہے وہ زیادہ جامع محسوس ہوتی ہے:

"ہندو مذہب ایک مشرکانہ مذہب ہے جسے ہند کی اکثریت مانتی ہے اور جس کی تشکیل پندرہویں صدی قبل مسیح سے لے کر موجودہ دور تک ہوتی رہی ہے۔ یہ ایک اخلاقی، روحانی اور ہمہ گیر جامع نظام حیات کا حامل مذہب ہے۔ مختلف خداوں پر یقین رکھنے والا ہر عمل اور علاقہ علاقہ کا جدا جدا خدا کا قائل مذہب ہے۔ ہندو دھرم کو قدیم زمانہ میں برہمنی مت، آریہ دھرم اور سناتن دھرم بھی کہا جاتا ہے"۔

16.3 ہندو دھرم عہد بعہد

ہندوستان کا شمار ان قدیم ترین ممالک میں ہوتا ہے جہاں انسانی تہذیب وتمدن کی بالکل ابتدائی جلوہ گری نظر آتی ہے تاہم یہاں پروان چڑھنے والی تہذیب وتمدن کے بالکل ابتدائی نقوش اور اس کے ارتقائی مراحل اب تک پردۂ خفا میں ہیں۔ وادی سندھ میں پائے جانے والے تہذیب وتمدن کے جو آثار دستیاب ہوئے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت ہندوستانی تہذیب وتمدن کافی حد تک اپنے ارتقائی مراحل کو طے کر چکی تھی۔

ہندوستان کی معلوم مذہبی تاریخ کا آغاز آریوں کی آمد سے ہوتا ہے جن کے مذہبی اعمال کو "ہندو دھرم" سے موسوم کیا جاتا ہے۔ قدیم ترین مذاہب میں شامل ہندو دھرم کی ابتدا ہزاروں سال قبل مسیح میں ہوئی تھی۔ ہندو دھرم ہندوستان میں وارد ہونے والی دیگر اقوام سے تال میل کی وجہ سے اہم تبدیلیوں سے روشناس ہوتا رہا ہے اور کئی ایک مراحل سے گذرتے ہوئے آج کی موجودہ شکل تک پہنچا ہے۔ انیس احمد فلاحی مدنی نے ہندو دھرم کو حسب ذیل مراحل اور ادوار میں تقسیم کیا ہے:

1. آریوں کی آمد (2000 قبل مسیح تا 1500 قبل مسیح)

متحدہ ہندوستان میں آریہ قوم کی آمد دو ہزار قبل مسیح میں ہوئی تھی۔ وہ ایک عرصہ تک مقامی آبادی سے برسرپیکار رہے لیکن سندھ

سے آگے نہ بڑھ سکے اور جنگی مہمات میں مصروف ہونے کی وجہ سے کسی قسم کے ثقافتی اور تہذیبی اثرات کو بھی مرتب نہ کر سکے۔

2. ویدک عہد (1500 قبل مسیح تا 1000 قبل مسیح)

آریائی قوم اس عہد میں ستلج سے آگے بڑھی اور گنگا جمنا تک پہنچ کر ہندوستان کی اصل آبادی کو اپنا محکوم بنالیا تھا۔ اسی عہد سے عملاً ہندو دھرم کا آغاز ہوتا کہ اس میں مظاہر فطرت خاص طور پر اگنی، اندر، سوریہ، اور ورون کی پرستش کا رواج ہوا تھا لیکن ذات پات کے حوالہ سے کوئی بھید بھاؤ نہیں پایا جاتا تھا۔

3. -عہد عروج (1000 قبل مسیح تا 320 قبل مسیح)

اس عہد میں آریوں کی فتوحات کا دائرہ مزید وسیع ہوا اور فاتح قوم نے ہندوستانی عوام پر اپنے غلبہ اور تسلط کو مزید مستحکم کرنے کے لیے ذات پات کا نظام وضع کرنے کے لیے مذہبی بنیادیں فراہم کیں جس کے رد عمل میں "بدھ مت" جیسی عالم گیر تحریک کا آغاز ہوا جو اب تک پائی جاتی ہے۔ اس عہد میں "ہندو دھرم" اپنے عروج پر پہنچ گیا تھا کہ اسی عہد میں مذہبی ادب پروان چڑھا تھا جسے "ویدک ادب" سے موسوم کیا جاتا ہے اور اسی ادب کے نام کی مناسبت سے "ہندو دھرم" کو "ویدک مت" بھی کہا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا تینوں ادوار ہی ہندو دھرم کے ارتقاء کے بنیادی مراحل وادوار ہیں۔ ان ادوار میں برہمن طبقہ کو سماج میں بنیادی اور مرکزی حیثیت حاصل تھی جن کے بغیر کوئی مذہبی عمل انجام نہیں دیا جاسکتا تھا اور نہ ہی ان کی مرضی کے بغیر کوئی قدم اٹھایا جاسکتا تھا اسی وجہ سے ہندو دھرم کو "برہمنی مت" سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

4. بدھ مذہب کا غلبہ یا رد عمل کا دور (320 قبل مسیح تا 500 عیسوی): پہلا عہد محکومی

برہمنی ذات پات کے سخت نظام نے عوام الناس میں بے چینی پیدا کر دی تھی جو وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی گئی اور بڑھتے بڑھتے ایک جوالا مکھی میں تبدیل ہو گئی اور آخر کار ایک دن ایک نئے مذہب "بدھ مت" کی شکل میں سامنے آگئی جس نے برہمنی نظام کے تار و پود کو بکھیر کر رکھ دیا تھا اور ان کی مذہبی بالادستی کو تقریباً ختم کر دیا تھا۔

راجہ اشوک اور ان کے جانشینوں کی جہد مسلسل کی وجہ سے اس عہد میں ہندو دھرم پر بدھ مت غالب آگیا تھا۔ علوم وفنون کی ترقی کے ساتھ ساتھ برہمنی مت اور اس کے نظام کا زور کافی کم ہو گیا تھا کہ اس عہد سے پہلے تک "ویدک ادب" ہی بنیادی مذہبی سرچشمہ تھا لیکن مہاتما بدھ کی تعلیمات اور ان کے نظریات وخیالات نے "ویدک ادب" کو ایک کنارے لگا دیا تھا اور اسے ثانوی مذہبی مصدر بنا کر رکھ دیا تھا۔

اس عہد میں ہندو دھرم کی پرانی مذہبی روایتوں کی پاسداری کی جاتی رہی لیکن ان میں نئے عناصر بھی شامل ہو گئے تھے جس نے "ویدک مت" کی شکل وصورت کو کافی حد تک تبدیل کر دیا تھا۔ اسی عہد میں نجی دیوتاؤں کا تصور عام ہوا تھا اور مورتیاں بنانے کا آغاز ہوا تھا۔

5. بدھ مت کا زوال اور ہندو دھرم کی نشاۃ ثانیہ (634ء-1000ء)

بدھ مت کے زوال کا آغاز 634ء میں قنوج میں ہونے والے اس مناظرہ ہوتا ہے جس میں برہمن علماء کو بدھ مت کے علماء پر نمایاں مذہبی برتری حاصل ہوئی تھی جو مرور ایام کے ساتھ بڑھتی چلی گئی حتی کہ شنکر آچاریہ (788ء-830ء) نے بدھ مت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی اور ان کے مذہبی تفوق وبرتری کا بالکل خاتمہ کر دیا۔

6. ہندو دھرم: 1000ء سے لے کر آج تک

شنکر آچاریہ کی کوششوں سے ہندو دھرم نے ایک مرتبہ پھر وہی مقام ومرتبہ حاصل کر لیا تھا جو اسے اپنے عہد عروج میں حاصل تھا۔ اس وقت سے لے کر آج تک ہندو دھرم کو کسی بھی بڑے چیلنج کا مقابلہ نہیں کرنا پڑا۔ عہد اسلامی میں بھی انہیں اپنے دھرم پر عمل کرنے کی مکمل آزادی حاصل تھی تاہم اسلام کی اثر انگیزی نے ہندو دھرم کے مذہبی اکابر کو کافی حد تک تشویش میں مبتلا کر دیا تھا اور اسلامی تہذیب وتمدن کے بڑھتے ہوئے اثرات اور ہندوؤں کا تیزی کے ساتھ اسلام قبول کرنے کی وجہ سے ہندو قوم کے مذہبی پیشواؤں، سادھوؤں اور سنتوں نے اپنی پیش بندیاں کرنی شروع کر دیں تا کہ اسلام کے بڑھتے ہوئے اثرات پر قدغن لگائی جاسکے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے "بھکتی تحریک" (عشق الٰہی پر مبنی پرستش) کا آغاز کیا تا کہ عوام کو اسلام سے دور رکھا جاسکے اور اپنی مذہبی برتری کو باقی رکھا جاسکے۔

برطانوی عہد میں بھی وہ اپنے مذہبی امور کو مکمل آزادی کے ساتھ ادا کرتے رہے۔ اسلامی عہد اور برطانوی عہد کے درمیان یہ فرق پایا جاتا ہے کہ عہد اسلامی میں ہندوستانی باشندوں کو مسلمان بنانے کی کوئی بھی کوشش نہیں کی گئی تھی اور اس عہد میں جن لوگوں نے بھی اسلام قبول کیا تھا وہ اسلامی تعلیمات، اخلاقیات اور اس کی اثر انگیزی کا نتیجہ تھا۔ اس کے مقابلہ میں برطانوی عہد میں عیسائی مشنریوں نے مکمل آزادی کے ساتھ عیسائیت کی تبلیغ کی تھی جس کے نمایاں اثرات ہندوستانی تہذیب وتمدن پر مرتب ہوئے تھے۔ برطانوی عہد میں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے جس باقاعدہ نظام مرتب کیا گیا تھا وہ آج بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔

عہد برطانوی میں عیسائیت کی تبلیغی کوششوں سے متاثر ہو کر ہندو مذہبی رہنماؤں نے بھی مذہبی تحریکات شروع کیں تا کہ ہندوؤں کو بیرونی اثرات سے بچایا جاسکے۔ اس حوالہ سے آریہ سماج کے بانی دیانند سرسوتی کی تحریک "شدھی سنگھٹن تحریک" زیادہ قابل ذکر ہے کہ اس کے کافی گہرے اثرات ہندو سماج پر مرتب ہوئے ہیں۔ یہ تحریک اسلام وعیسائیت قبول کرنے والے ہندوؤں کو دوبارہ ہندو دھرم میں شامل کرنے کے لیے چلائی گئی تھی اور آج بھی کسی نہ کسی شکل میں پائی جاتی ہے۔

برطانوی عہد کو ہندو احیا پرستی کا نقطہ آغاز بھی قرار دیا جاتا ہے کہ انگریزوں نے ہندو دھرم کے رسم ورواج پر کھل کر تنقید کی جس کے رد عمل میں ہندوؤں میں دینی غیرت پیدا ہوئی اور وہ نہ صرف روز بروز پنپتی چلی گئی بلکہ اس میں وقت کے ساتھ ساتھ مزید شدت آتی چلی گئی جو آج تک برقرار ہے۔ عہد برطانوی میں شروع ہونے والی ہندو احیا پرستی آج ایک تناور درخت بن گئی ہے جس کے نتیجہ میں آزاد ہندوستان میں متعدد ایسے واقعات پیش آچکے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہوتا ہے ہندو احیا پرستی میں روز بروز شدت پیدا ہوتی جارہی ہے اور برہمن ازم کو بڑے زور وشور کے ساتھ بڑھاوا دیا جارہا ہے تا کہ ہندوستان میں ایک بار پھر ہندو دھرم اور برہمن قوم کی بالادستی کو قائم کیا

جاسکے۔

16.4 ہندو دھرم کے اصطلاحی ادوار

پروفیسر عماد الحسن آزاد فاروقی نے ہندو دھرم کو دو بنیادی ادوار میں تقسیم کیا ہے: برہمنی مت اور ہندو مت۔

1. برہمنی مت

پروفیسر آزاد فاروقی صاحب کی وضاحت کے مطابق اس عہد میں مذہبی اعتبار سے برہمن طبقہ کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہونے کی وجہ سے اسے برہمنی مت سے موسوم کیا جاتا ہے کہ مذہب کی ساخت و پرداخت کلی طور برہمن طبقہ کے ہاتھوں میں تھی جنہوں نے آریوں کے مذہبی شعور کی نہ صرف مکمل طور پر نمائندگی کی بلکہ قدیم مذہبی اصولوں کی رہنمائی میں برہمنی مت کی روایت پر اپنے گہرے اثرات بھی مرتب کیے۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ برہمنی مت کی روایت میں کچھ نمایاں تبدیلیاں تو ہوئیں لیکن وہ ہمیشہ قدیم آریائی مذہبی شعور کی نمائندہ ہی بن کر رہی اور کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ ویدک ادب کے رنگ بالکل پھیکا پڑ گیا ہو۔ اس عہد میں ویدک ادب کے پروان چڑھنے کی وجہ اسے ویدک مت سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

برہمنی مت 1500 قبل مسیح تا تقریبا 400 قبل مسیح کے عہد پر محیط ہے۔ برہمنی مت کے اس عہد کو بدھ و جین مذہب کی عام اشاعت سے قبل کا عہد قرار دیا جاتا ہے۔

2. ہندو مت

پروفیسر عماد الحسن آزاد فاروقی نے رامائن، بھگوت گیتا اور مہابھارت کے عہد کو ہندو مت کا عہد قرار دیا جو 500 قبل مسیح تا 400 عیسوی پر مشتمل ہے۔ اس عہد کو انہوں نے رزمیہ نظموں-مہابھارت، بھگوت گیتا اور رامائن- کا عہد بھی قرار دیا ہے جو اپنی گوناگوں سیاسی، معاشرتی اور مذہبی خصوصیات کے لحاظ سے ویدک عہد سے کافی مختلف اور ممتاز نظر آتا ہے۔ یہ رزمیہ نظمیں آریہ اور غیر آریہ ہندوستانی عناصر کی آمیزش سے ابھرتے ہوئے اور برہمنی مت کے زیر سایہ پروان چڑھتے ہوئے ہندو مذہب کے ابتدائی دور کی تصویر پیش کرتے ہیں۔ اس دور کو ہندوستانی معاشرہ میں ہندو مت کے بھرپور اظہار سے قبل کا دور قرار دیا جاتا ہے۔

پروفیسر آزاد فاروقی کے بقول جن مذہبی رجحانات کا ذکر مذکورہ رزمیہ نظموں کے عہد (500 قبل مسیح تا 400 عیسوی) میں ملتے ہیں وہ پُرانوں کے عہد (400 عیسوی تا 1200 عیسوی) میں خوب پھلے اور پھولے۔ عہد وسطی اور دور حاضر کے ہندو مذہب کی بنیاد در حقیقت انہیں مذہبی رجحانات و رسومات پر ہے جو رزمیہ نظموں کے زمانہ سے ابھر کر پُرانوں کے دور میں اپنے درجہ کمال کو پہنچے تھے۔

16.5 ہندو دھرم کی بقا کے اسباب

ہندو دھرم کے مختلف ادوار پر نظر ڈالنے سے یہ بات سامنے آتی ہے اس پر عروج و زوال تو آئے لیکن اسے کسی بھی عہد میں مکمل طور پر ختم نہیں کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی انہیں کبھی زیر زمین جا کر اپنی سرگرمیوں کو برقرار رکھنے کی ضرورت پیش آئی تھی۔ سوال یہ اٹھتا ہے

کہ اس دھرم کی کیا خاص بات تھی جس کی وجہ سے اسے کبھی بھی ختم نہیں کیا جاسکا۔ انیس احمد فلاحی کے بقول ہندو دھرم کی بقا کا بنیادی سبب "رواداری" ہے جسے پنڈت نہرو نے ہندو دھرم کی اصل روح قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی اصل روح زندہ رہو اور زندہ رہنے دو میں پوشیدہ ہے۔ اس کی بقا کے دیگر اسباب مضبوط نظام تمدن، ہندو رشیوں کی روحانی اور علمی ریاضت اور عورتوں کی وفاداری اور جان نثاری بتائے جاتے ہیں۔

16.6 ہندو دھرم اور دوسرے بڑے مذاہب میں پائے جانے والے بنیادی فرق

مذاہب عالم–ایک تقابلی مطالعہ کے مصنف کے بقول ہندو دھرم اور دوسرے بڑے مذاہب میں تین بنیادی فرق پائے جاتے ہیں:

اس مذہب کا کوئی موجد نہیں ہے اور نہ ہی اس بات کا حتمی علم ہے کہ وہ کیسے اور کب وجود میں آیا۔ اس مذہب نے ہزاروں سال میں اپنے ارتقائی مراحل کو طے کیا ہے۔

اس مذہب کا کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے جس کی پیروی سب پر لازم ہو اور نہ ہی اس مذہب میں کوئی متفق علیہ اصول و فلسفہ پایا جاتا ہے۔

یہ ایک غیر ادارتی مذہب ہے۔ ہندو ادارے تو یقیناً ہیں لیکن خود ہندو دھرم کوئی ادارہ نہیں ہے۔ اس مذہب کے معتقدین کی کوئی جماعت ایسی نہیں پائی جاتی جو کسی ایک خاص قسم کی عبادت کرے یا کسی عام ضابطہ اخلاق کے مطابق زندگی گذارے۔

16.7 ہندو دھرم کے عقائد

سماوی مذاہب کی طرح ہندو دھرم میں کوئی متفق علیہ عقیدہ یا بنیادی اصول نہیں پایا جاتا ہے تاہم جمہور ہندوؤں کے نزدیک حسب ذیل تین عقائد معتبر و مستند ہیں جن پر تقریباً پورا ہندو سماج متحد و متفق ہے:

1–عقیدہ اوتار 2– تخلیق کائنات کا نظریہ 3– آواگون / عقیدہ کرم / عقیدہ تناسخ

1. عقیدہ اوتار

ہندو دھرم کے مطابق ایشور ہر وقت موجود رہتا ہے تاہم وہ زمین پر کبھی کبھی کسی ضرورت کی بنا پر خود اپنی یوگ مایا سے مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ ہندو مصادر کے مطابق جب جب زمین میں دھرم زوال پذیر ہوتا ہے، پاپ بڑھ جاتا ہے اور ظلم و ستم کا بول بالا ہو جاتا ہے تب تب ایشور اوتار کے روپ میں ظاہر ہوتے ہیں اور زمین میں پیدا ہونے والے فساد و بگاڑ کو دور کرتے ہیں۔ رام چرت مانس کانڈ کے مطابق رام کا جنم بھی زمین کے بگاڑ کو دور کرنے کے لیے ہوا تھا۔

"اوتار" کے لفظی معنی "اوپر سے نیچے اترنا اور ظاہر ہونا" ہے اور اصطلاحی معنی "خدا کا انسانی شکل میں زمین پر اترنا" ہے۔ شری دیانند گوپال نے "اوتار" کی تعریف "پردہ غیب سے محسوس صورت میں خدا کا ظہور" بیان کی ہے۔ یہ تعریف زیادہ منطقی محسوس ہوتی ہے کہ

خدا زمین پر صرف انسانوں کی شکل میں ہی ظاہر نہیں ہوا ہے بلکہ وہ ہندو دھرم کے مطابق مچھلی وسور وغیرہ کی شکلوں میں بھی نمودار ہوا ہے۔

کسی بھی وید میں عقیدہ اوتار کا ذکر نہیں پایا جاتا ہے۔ ہندو دھرم میں اس عقیدہ کا ظہور ویدک عہد کے بعد ہوا ہے کہ اس کا ذکر بھگوت گیتا اور دیگر متاخر مصادر میں ملتا ہے۔

اب تک کتنے اوتار آچکے ہیں۔ اس حوالہ سے ہندو دھرم کے مذہبی مصادر میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ مختلف مصادر کے مطابق ان کی تعداد آٹھ، دس، سولہ بتائی جاتی ہے جب کہ پرانوں میں ان کی تعداد چوبیس بتائی گئی ہے۔ مشہور روایت کے مطابق اب تک حسب ذیل دس اوتار-متسیہ (مچھلی)، کورم (کچھوا)، وراہ (سور)، نرسنگھ (نصف انسان، نصف شیر)، وامن (بونا)، پرشورام، رام، کرشن، بدھ اور کلکی- آچکے ہیں۔

2. تخلیق کائنات کا نظریہ

تخلیق کائنات کے حوالہ سے ہندو دھرم کی مذہب کتابوں میں اتنی متعدد متضاد روایتیں ملتی ہیں جن کے تضاد کو دور نہیں کیا جاسکتا ہے۔ تخلیق کائنات کے حوالہ سے دو روایات کا خلاصہ درج کیا جارہا ہے جس سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ کتنی غیر محفوظ اور غیر الہامی ہیں:

منوسمرتی کی روایت کے مطابق پرمیشور نے سب سے پہلے پانی کو بنایا اور اس میں نطفہ ڈالا جس سے انڈا بنا اور اس سے برہما پیدا ہوئے، انہوں نے انڈہ کے دو ٹکڑے کر دیے۔ نصف اول سے جنت بنائی اور نصف ثانی سے زمین اور آسمان اور مابین پائی جانے والی اشیاء، آٹھ سمتیں اور لہریں مارتا ہوا سمندر بنایا۔ پھر اپنے منھ سے برہمنوں کو، بازوؤں سے چھتری کو، ران سے ویش کو اور پاؤں سے شورد کو پیدا کیا۔

دیوی بھاگوت پُران کی روایت کے مطابق شری پور کی ملکہ شری دیوی نے اس دنیا کو پیدا کیا تھا اس نے ہاتھ گھس کر سب سے پہلے برہما کو پیدا کیا اور اس سے شادی کرنے کی خواہش کا اظہار کیا لیکن انہوں نے اسے اپنی ماں مانتے ہوئے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ شری دیوی نے انکار سن کر انہیں جلا کر راکھ کر دیا۔ دوبارہ ہاتھ گھس کر وشنو کو پیدا کیا اور برہما کی طرح اس سے بھی اپنی خواہش کا اظہار کیا، اس نے بھی برہما کی طرح انکار کر دیا، غصہ میں آکر شری دیوی نے اس کو بھی راکھ میں تبدیل کر دیا۔ پھر اسی طرح مہادیو (شیو) کو پیدا کیا اور ان سے بھی اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ مہادیو نے کہا کہ میں تجھ سے اس وقت تک شادی نہیں کر سکتا جب تک تو اپنے آپ کو دوسری عورت میں نہ ڈھال لے۔ شری دیوی نے دوسری عورت کا روپ اختیار کر لیا۔ شیو نے وہاں دو جگہ راکھ دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیا ہے تو اس نے یہ دونوں تیرے بھائی ہیں، انہوں نے جب حکم نہیں مانا تو میں نے انہیں راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا۔ یہ سن کر شیو نے انہیں زندہ کرنے اور دو مزید عورتوں کو پیدا کرنے کی درخواست کی تاکہ تینوں کی شادی ہو سکے۔ دیوی نے ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے ان دونوں کو زندہ کیا اور مزید دو عورتیں پیدا کیں اس طرح تینوں کی تین عورتوں سے شادی ہو گئی۔

اس روایت میں بھی عقل میں نہ آنے والی باتیں پائی جاتی ہیں جیسے بہن سے شادی کرنا جو ہندو مذہب میں جائز نہیں ہے اور شری دیوی کو کس نے پیدا کیا تھا؟۔

3. آواگون / عقیدہ کرم / عقیدہ تناسخ

عقیدہ آواگون کو پنر جنم سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ آواگون ہندی لفظ ہے جس کے معنی بار بار جنم لینا اور مرنا ہے۔ ہندو دھرم کے مطابق انسانی روح ایک جسم سے نکل کر اپنے اعمال کے لحاظ سے دوسرے جسم میں واپس آتی ہے جسے تناسخ کہا جاتا ہے۔ عقیدہ تناسخ ہندو مذہب کی بنیادی پہچان ہے۔ جو اس عقیدہ کو نہیں مانتا ہے اسے ہندو نہیں مانا جاتا ہے۔

پُرانوں کے مطابق جب انسان اپنے رب کی بندگی میں ناکام رہ جاتا ہے تو اس کی روح 74 ہزار جانوں، چڑیوں اور کیڑوں مکوڑوں کا قالب اختیار کرنے کے بعد انسان کے قالب میں ظاہر ہوتی ہے۔

آواگون / عقیدہ کرم / عقیدہ تناسخ کے مطابق انسان کے ہر عمل کا خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، اچھا ہو یا برا، ایک اثر مرتب ہوتا ہے جسے محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ کوئی بھی انسان جب مرتا ہے تو وہ نہ تو فنا ہوتا ہے اور نہ کسی اور دنیا میں ہمیشہ کے لیے چلا جاتا ہے بلکہ اسی دنیا میں کسی اور صورت میں پیدا ہوتا ہے اور اس کی دوسری زندگی کی نوعیت و کیفیت اس کی پچھلی زندگی کے اعمال کے محفوظ شدہ اثرات کے حساب سے متعین ہوتی ہے۔ پھر اس دوسری زندگی کے اعمال اپنے اثرات مرتب کرتے ہیں جو اس کی تیسری زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اس کے بار بار مرنے اور دوسرے قالب میں زندہ ہونے کا لامتناہی سلسلہ جاری رہتا ہے گویا انسان کو کسی بھی شکل میں چین و سکون حاصل نہیں ہوتا ہے۔

16.8 ہندو دھرم کی مقدس کتابیں

ہر مذہب میں انسان کی روحانی، اخلاقی اور معاشرتی زندگی سے تعلق رکھنے والے دیگر امور کے لیے تعلیمات اور ہدایات پائی جاتی ہیں جنہیں آنے والی نسلوں تک پہنچانے کے لیے کتابوں کی شکل میں محفوظ کر دیا جاتا ہے اور انہیں تقدس و احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ آنے والی نسلوں کے لیے ہندو مذہب کی تعلیمات کو بھی مقدس کتابوں میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔

پروفیسر عماد الحسن آزاد فاروقی، پروفیسر توقیر عالم فلاحی اور مولانا انیس احمد فلاحی مدنی جیسے محققین ہندو دھرم کی تعلیمات پر مشتمل مذکورہ بالا مقدس کتابوں کو دو بنیادی حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

1. شُرتی (الہامی کتب / سنی ہوئی کتب)

اس زمرہ میں شامل کتابوں کو الہامی ہونے کا شرف حاصل ہے اور انہیں وید ک ادب کہا جاتا ہے۔ ہندو دھرم کی تعلیمات پر مشتمل چار وید پائے جاتے جنہیں زمانی اعتبار سے رگ وید، سام وید، یجر وید اور اتھر وید کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ہر وید کو موضوعاتی اعتبار سے چار حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے جنہیں سَمہِتا (متن)، برہمن (شرح)، آرنیک (جنگل کے پر سکون ماحول میں مرتب کی جانے والی کتابیں) اور اپنِشد (روحانی تعلیمات پر مشتمل کتابیں) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

2. سمِرتی (انسانوں کی تصنیف کردہ)

ویدک عہد کے بعد مرتب کی ہوئی مقدس مذہبی کتابیں اس زمرہ میں شامل کی جاتی ہیں جیسے پُران، مہابھارت، بھگوت گیتا اور رامائن وغیرہ۔ پروفیسر آزاد فاروقی کے بقول اس زمرہ میں شامل کتب کو تقدیس کا وہ درجہ نہیں حاصل ہے جو ویدک ادب کو حاصل ہے۔

16.9 ویدک ادب

ہندو مذہب کی تعلیمات کا بنیادی اور اصلی سرچشمہ وید ہیں جنہیں الہامی قرار دیا جاتا ہے اور اسے برہمنی مت اور اس کے جانشیں ہندو مذہب کے مذہبی ادب میں ایک مقام مخصوص حاصل ہے۔ ان کتابوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان میں مذکور مذہبی تعلیمات صدیوں تک سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہیں اور ہندوستان میں آریوں کی آمد کے سینکڑوں سال بعد انہیں الفاظ کا جامہ پہنایا گیا تھا۔ ہندو مذہب میں ان کتابوں کو وہی حیثیت حاصل ہے جو آسمانی مذاہب کے صحف سماویہ کو حاصل ہے۔

مولانا انیس احمد فلاحی مدنی کے بقول وید سنسکرت کے لفظ "ود" کا مشتق ہے جس کے لفظی معنی جاننا، سوچنا، غور کرنا اور علم کے آتے ہیں۔ اصطلاحی طور پر وید تعلیمات کے ان مجموعہ کو کہتے ہیں جنہیں راہبوں اور سنیاسیوں نے دوہزار قبل مسیح کے طویل عرصہ میں اپنے شاگردوں کو قلم بند کرایا تھا۔ اس علمی تگ وتاز کے حاصل کو بھی وید کہا جاتا ہے جو ہندوستان کے رہنے والے آریوں نے مختلف اطراف وجوانب سے دوہزار قبل مسیح کے طویل عرصہ میں جمع کیا تھا۔

ہیرالال چوپڑہ کے بقول آریوں کے عقیدے کے مطابق خدا نے کچھ ایسے رشیوں (دوراندیشوں) کو تمام انسانوں کے لیے ایسے قوانین کا انکشاف کیا تھا جن کو انہوں نے بنی نوع انسان کی فلاح وبہبود کی خاطر یکجا کرکے اسے وید کا نام دے دیا ہے۔ انہوں نے چاروں ویدوں کے الگ الگ مقاصد بیان کیے ہیں: رگ وید میں حقائق لیے گئے ہیں، یجر وید میں یگیہ کرنے کے ڈھنگ، سام وید میں راگ اور مزامیر کے ذریعہ ان کی تلاوت اور اتھروید میں دنیاوی ضرورتوں کو پورا کرنے کے وسائل مثلاً طب، جیوتش وغیرہ کا ذکر کیا گیا۔

ہندو محققین کے نزدیک اسے "منو" نامی شخص نے الہام کیا تھا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق قدیم رشیوں نے اپنے اعلیٰ روحانی مقامات کی بنا پر ان سچائیوں کو سن لیا تھا پھر انہیں الفاظ کا جامہ پہنایا تھا۔ اسی بنا پر تمام ویدک ادب کو شُرتی (سنا ہوا یا الہامی) مانا جاتا ہے۔

لال بہاری ورما اور شری رام شرما جیسے ہندو مفکرین و محققین نے ویدک ادب کے الہامی ہونے کا انکار یا کم از کم شک کا اظہار کیا ہے۔ اول الذکر کے مطابق وید کسی مخصوص کتاب کا نام نہیں ہے بلکہ وہ مختلف سادھوؤں اور راہبوں کے افکار وخیالات کا مجموعہ ہے جب کہ مؤخر الذکر ویدک ادب میں تین سادھوؤں کے افکار وخیالات کو درج کیا گیا ہے۔

16.9.1 ویدک ادب کی زمانی تقسیم

ویدک ادب کو زمانی اعتبار سے چار حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

1-رگ وید 2-سام وید 3-یجر وید 4-اتھر وید

1. رِگ وید

قدیم دیوی و دیوتاؤں کی شان میں کہے جانے منظوم کلام کا یہ مجموعہ ہندو دھرم کا سب سے مستند، قدیم اور مشہور مجموعہ ہے جس میں ہندو دھرم کے ابتدائی ارتقائی مراحل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔رگ وید کے لغوی معنی دعا اور تعریف کے ہیں۔اس کا زمانہ تالیف 1000 قبل مسیح تا500 قبل مسیح بتایا جاتا ہے۔رگ وید کے متنی شواہد سے اندازہ ہوتا کہ اس کے بعض حصے افغانستان، بلوچستان، اور بیاس و سرسوتی کے درمیانی علاقہ میں لکھے گئے ہیں۔

قدیم دیوتاؤں کی شان میں کہے جانے منظوم بھجنوں پر مشتمل رِگ وید کو دس اجزا(منڈل)،64 ابواب(ادھیائے)، 1017 عناوینِ ابواب(سوکت) میں تقسیم کیا جاتا ہے۔مشہور قول کے مطابق رگ وید10552 اشعار(منتر) پر مشتمل ہے جو صبح وشام کی پوجا، شادی اور مردوں کو جلانے کے وقت پڑھے جاتے ہیں۔ محققین کے مابین رِگ وید میں شامل منتروں کی تعداد کے حوالہ سے اختلاف پایا جاتا ہے تاہم تمام مصادر اس بات پر متفق ہیں کہ ان کی تعداد دس ہزار سے زیادہ ہے۔

رگ وید میں سب سے زیادہ ذکر اگنی (آگ کا دیوتا) کا پایا جاتا ہے انہیں جمع کرنے والے وید یاس ایرانی مذہبی رہنما زرتشت سے کافی متاثر تھے۔ اگنی کے علاوہ رگ وید میں 150 سے زائد دیوتاؤں کا ذکر پایا جاتا ہے جن میں اندر(بجلی اور طوفان کا دیوتا)، سوریہ (سورج)، اوشا(صبح کا دیوتا)، گیان(علم کا دیوتا)، کام(شہوت کا دیوتا)ورن(آسمان کا دیوتا)اور وایو(ہوا کا دیوتا) زیادہ مشہور و معروف ہیں۔

2. سام وید

سام وید 1810 منظوم منتروں پر مشتمل ہے۔ایک قول کے مطابق یہ صرف1549 منتروں پر مشتمل ہے۔سام کے لغوی معنی امن وشانتی اور راحت کے ہیں۔سام وید میں علم نغمات کی تفصیل ملتی اور اسے ہندوستانی علم موسیقی کے سات نغموں کا ماخذ قرار دیا جاتا ہے۔اس وید میں شامل منتر پوجا، خاص طور پر قربانی کے وقت پڑھے جاتے تھے۔ان منتروں میں دیوتاؤں سے مدد و نصرت طلب کی گئی ہے۔سام وید میں مذکور منتر زیادہ تر رگ وید سے ماخوذ ہیں۔مصادر کی رو سے اس میں صرف 75 ایسے ہیں جو رِگ وید میں شامل نہیں ہیں۔

3. یجروید

یجر وید کو ہندومت کی تیسری بنیادی مذہبی کتاب قرار دیا جاتا ہے اور اسے دو حصوں- شُکل یجر وید اور کرشن یجر وید- میں تقسیم کیا جاتا ہے۔یجر وید ان منتروں پر مشتمل ہے جو قربانی کے وقت پڑھے جاتے ہیں۔اسی وجہ سے اسے یجر وید سے موسوم کیا گیا ہے کہ یجر کے لفظی معنی قربانی کے ہے۔اس کے آخری حصہ میں الٰہیات کی بھی تعلیم دی گئی ہے۔یجر وید اپنے ماقبل ویدوں سے اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ وہ نظم ونثر کا مجموعہ ہے تاہم اس کا بیشتر حصہ نثر پر مشتمل ہے اور اس کا حجم دیگر ویدوں سے کافی کم ہے۔

4. اتھروید

ویدک ادب کی یہ آخری کتاب یجر وید کی طرح نظم ونثر کا مجموعہ ہے۔اتھر کے معنی خوشحالی اور فلاح کے ہیں۔اس وید کو غالبا اتھر وید سے اس لیے موسوم کیا جاتا ہے کہ اس کے زمانہ تالیف میں آریائی قوم کافی خوش حال تھی اور ہندوستان میں مکمل اطمینان و سکون کے

ساتھ رہ رہی تھی۔

اتھر وید کے منتروں کی تعداد میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے ۔ایک قول کے مطابق اس میں 6000 اور دوسرے قول کے مطابق12300 منتر پائے جاتے ہیں۔اس وید میں طب، حکمت، جاد، وٹونا اور بھوت وپریت کو بھگانے وغیرہ جیسے موضوعات ملتے ہیں۔اس کتاب میں آریائی قوم اور غیر آریائی قوم کے اختلاط اور اس کے مرتب ہونے والے اثرات کے نمایاں آثار ملتے ہیں۔

16.9.2 ویدک ادب کی موضوعاتی تقسیم

ویدک ادب میں شامل ہر وید کو موضوعاتی اعتبار سے چار حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے جنہیں سَمہتا(متن)، برہمن (شرح)، آرنیکا(جنگل کے پرسکون ماحول میں مرتب کی جانے والی کتابیں) اور اپنشد (روحانی تعلیمات پر مشتمل کتابیں) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔پروفیسر عماد الحسن آزاد فاروقی کے مطابق ویدک ادب کی اس موضوعاتی تقسیم میں کوئی وجہ اشتراک نہیں پائی جاتی ہے اور ہر قسم اپنے تاریخی زمانہ اور مذہبی رجحانات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے الگ ہے۔

1. سَمہتا(متن)

ویدک ادب کے قدیم ترین حصہ کو سَمہتا(متن) کہا جاتا ہے جو قدیم آریائی دیوی دیوتاؤں کی شان میں کہے جانے والے بھجنوں اور گیتوں پر مشتمل ہے۔ویدک ادب کے اس حصہ میں مختلف دیوی دیوتاؤں کو مافوق الفطرت ہستیوں کو معبود کے روپ میں پیش کیا گیا ہے اور انہیں مظاہر فطرت سے مجسم کیا گیا ہے۔ان دیوی دیوتاؤں میں اگنی(آگ،زمینی دیوتاؤں کی سردار)،اندر(بجلی اور طوفان کا دیوتا،فضائی دیوتاؤں کاسب سے اہم دیوتا)اور سوریہ (سورج، آسمانی دیوتاؤں کا سب سے ممتاز دیوتا) کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ویدک ادب کے اس حصہ میں ورُن،رُدر،وایو،اوشا اور دیگر معبودوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔

ویدک ادب کے اس حصہ کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آریائی قوم کی تمام آرزوؤں اور دعاؤں کا مرکز صرف یہی فانی دنیا تھی جس میں وہ ہر طرح کی کامیابیوں کو حاصل کرنا اور صحت مند اور خوش حال زندگی گذارنا چاہتے تھے اور قدیم ویدک زمانہ میں حیات بعد الممات کا کوئی تصور نہیں تھا۔

ویدک ادب کے اس حصہ میں کثرت میں وحدت کی تلاش کا رجحان ملتا ہے کہ مختلف دیوی دیوتاؤں کو الگ الگ مانتے ہوئے بھی ان کی صفات کو ایک دوسرے میں خلط ملط کر دیا جاتا ہے یا جس دیوتا کو خطاب کیا جاتا ہے اس کے اندر تمام صفات کو جمع کر کے اسے معبود اعلیٰ بنا دیا جاتا ہے۔

2. برہمن(شرح)

سَمہتا(متن) کے بعد مرتب کیے جانے والے ویدک ادب کو برہمن(شرح) سے موسوم کیا جاتا ہے کہ اس میں ویدک ادب کے قدیم ترین متن کی شرح کی گئی ہے۔ویدک ادب کا یہ حصہ زیادہ تر مذہبی رسومات، آداب زندگی، یگیہ (قربانی) اور ہَون کے اصول وضوابط پر مشتمل ہے۔

ویدک ادب کا یہ حصہ جس مذہبی تصور کو پیش کرتی وہ اس سے کافی الگ ہے جو سَمہِتا (متن) کے ابتدائی حصہ میں ملتا ہے۔ اس تبدیلی کے آغاز کے آثار سَمہِتا (متن) کے آخری دور سے ہی ملنے لگتے ہیں۔

3. آرنیکا (جنگل کے پر سکون ماحول میں مرتب کیا جانے والا ویدک ادب)

ویدک ادب کے اس حصہ کی ابتدا ویدک ادب کے دوسرے بنیادی حصہ برہمن (شرح) کے آخری دور سے ہوتی ہے جو اپنے موضوع اور مذہبی فکر کے اعتبار سے پہلی دونوں مذکور قسموں سے مختلف اور الگ ہے۔ ویدک ادب کے اس حصہ کی شروعات کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ برہمن (شرح) کے زمانہ تصنیف کی مذہبی زندگی قربانی کی اہمیت کافی بڑھ گئی تھی جس کی وجہ قربانی کرانے والوں (برہمنوں) کی اہمیت بھی بڑھتی چلی گئی تھی کہ ایک دن پوری مذہبی زندگی پر ان کا قبضہ ہو گیا تھا اور ایسی صورت حال ہو گئی تھی کہ ان کے بغیر کوئی مذہبی عمل انجام نہیں دیا جا سکتا تھا۔

اس عہد میں ایک طرف قربانی کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی تو دوسری طرف قدیم ویدک دیوتاؤں کی مذہبی زندگی پہلی جیسی اہمیت باقی نہ رہ جانے کی وجہ سے مذہب صرف ظاہری اعمال و رسومات تک محدود ہو گیا تھا اور باطنی کیفیات، جذبات عقیدت اور نیت کے خلوص کی جگہ صرف رسمی اعمال کی ادائیگی نے لے لی تھی۔ اس صورت حال نے آریائی سماج کے ایک حساس طبقہ کو بے چین کر دیا اور انہوں نے آبادیوں کو چھوڑ جنگل کو اپنا مسکن بنالیا۔ جنگل کی راہ لینے والوں کی جب ایک معتد بہ تعداد ہو گئی تو وہاں مذہبی تعلیم و تعلم کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس زمانہ میں جو ویدک ادب پروان چڑھا اسے آرنیکا کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے کہ وہ جنگل کے پر سکون ماحول میں مرتب کیا گیا تھا۔

4. اپنشد (روحانی تعلیمات پر مشتمل ویدک ادب)

ویدک ادب کے اس حصہ میں ہندو دھرم کی روحانی تعلیمات کا ذکر کیا گیا ہے اور انہیں ہندو دینیات کا مستند ماخذ و مصدر قرار دیا جاتا ہے۔ سماجی دباؤ کے نتیجہ میں ویدک ادب میں جس تبدیلی کا آغاز آرنیکا سے شروع ہوا تو وہ اپنشد میں اپنے عروج کو پہنچ جاتا ہے، اسی وجہ سے اسے ویدانت کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ اپنشدوں کی مجموعی تعداد 108 ہے جن میں سے 14 یا 10 اپنشدوں کو زیادہ اعلی وارفع قرار دیا جاتا ہے۔ اپنشدوں میں وحدۃ الوجود کے تصور پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔

پروفیسر توقیر عالم صاحب کے الفاظ میں رگ وید میں جس اعلی ترین معبود کے وجود کے اشارات ملتے ہیں اسے اپنشد میں بڑے مدلل اور فلسفیانہ انداز میں برہمن کی حیثیت سے ثابت کیا گیا ہے۔

16.10 غیر ویدک ادب

ویدک ادب کے علاوہ ہندومت میں دیگر مقدس مذہبی ادب بھی پایا جاتا ہے جو انسانوں کی کوششوں اور کاوشوں کے نتیجہ میں منظر عام پر آیا تھا۔ انسانوں کے ذریعہ مرتب کردہ مقدس مذہبی ادب کو اصطلاحی طور سمرتی کہا جاتا ہے۔

اس ادب کے قدیم ترین مجموعہ کو کلپا سوترا سے موسوم کیا جاتا ہے اور منثور حِکم وامثال پر مشتمل ہے۔ اس ادب کی دیگر مقدس

کتابوں کو سمرتیاں، منوسمرتی، درشن، مہابھارت، بھگوت گیتا، رامائن، رام چرترمانس، یوگ واششٹھ، ویدانت اور پُران سے موسوم کیا جاتا ہے اور انہیں تقدس کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔

16.11 ہندو دھرم میں ذات پات کا نظام

غالباہندو مت دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جو انسان کو مختلف طبقات میں تقسیم کرتا ہے اور ان میں باہم فرق وامتیاز کرتا ہے۔ رگ وید کے مطابق برہمن ایشور کے منہ سے، چھتری اس کے بازو سے، ویش اس کی ران سے اور شودراس کے پاؤں سے پیدا کیے گئے تھے اور اسی اعتبار سے سماج ومعاشرہ میں ان کا مقام ومرتبہ اور فرائض منصبی طے کر دیا گیا تھا جس کا تسلسل ابھی تک جاری ہے۔

ہندو دھرم میں ذات پات کے مروج نظام کے مطابق ابتدائی تین طبقات تو انسان سمجھے جاتے ہیں اور ان کے فرائض منصبی بھی انسانوں جیسے ہیں لیکن چوتھا طبقہ تو ظاہری طور پر گوشت وپوشت کا ایک انسان تھا لیکن اس کی حیثیت جانوروں سے بھی بدتر تھی۔

طبقہ شودر کے حوالہ سے اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ وہی ہندوستان کے اصل باشندے تھے اور وہ آریائی قوم سے تقریبا ایک ہزار سال تک برسرپیکار رہے لیکن آخر کار ایسی شکست کھائی کہ جینے کا حوصلہ بھی کھو بیٹھے اور دھیرے دھیرے جانوروں سے بھی بری زندگی پر راضی ہوتے چلے گئے بلکہ ابھی تک بھی کسی نہ کسی حد تک راضی نظر آتے ہیں۔

بعض محققین کے مطابق آریائی نے اپنے غلبہ وتسلط کو قائم کرنے کے لیے مذکورہ بالا طبقاتی نظام قائم کیا تھا اور اس کے لیے مذہبی دلائل فراہم کیے تھے تاکہ وہ کبھی بھی اس نظام کے خلاف سر نہ اٹھا سکے۔ آریائی قوم اپنے مقصد میں مکمل طور پر کامیاب رہی اور صدیوں تک کیا، ابھی تک وہ نظام کسی نہ کسی شکل میں برقرار ہے تاہم اس نظام میں آج کسی نہ کسی شکل میں دراڑیں پڑنا شروع ہوگئی ہیں۔

16.12 ہندو دھرم کا تصور عبادات

ہندو دھرم کا تصور عبادات، دیگر مذاہب کے تصور عبادات سے ملتا جلتا ہے۔ ہندو دھرم میں مختلف دیوی ودیوتا اور مظاہر فطرت کے ساتھ گائے کی بھی پوجا کی جاتی ہے۔ ہندو دھرم میں عبادت بنیادی طور پر یگیہ، پوجا، روزہ اور یاترا پر مشتمل ہے۔

یگیہ اور پوجا کی حیثیت تقریباً ایک جیسی ہے کہ یگیہ میں کسی متعین مقام پر آگ جلا کر دیوتاؤں کو اپنی طرف متوجہ کیا جاتا ہے اور اپنے گناہوں کے کفارہ کے لیے ویدوں اور اپنشدوں کے مخصوص منتر پڑھے جاتے ہیں۔ اس عمل کا مقصد اقتدار کو مضبوط کرنا اور معبودوں کا شکر گذار ہونا ہے۔ یگیہ کا یہ عمل صرف برہمن کے توسط سے کیا جاسکتا ہے۔

یگیہ کے مقابلہ میں پوجا میں معبودوں کی حمد وثنا بیان کی جاتی ہے اور ان کی خدمت میں پھول وزعفران سے ملے ہوئے پانی کا چڑھاوا جایا ہے۔ یہ چڑھاوا کبھی ہتھیلی تو کبھی ٹب کے ذریعہ چڑھایا جاتا ہے۔

روزہ تقریباً ہر مذہب کی عبادات میں شامل ہے۔ روزہ کا مقصد نفسانی خواہشات پر قابو پانا ہے۔ ہندو دھرم میں روزہ رکھنے کی کئی

شکلیں پائی جاتی ہیں جیسے چند مخصوص دنوں میں دن ورات میں کھائے پیے بغیر رہنا، اناج کے بغیر بقدر ضرورت پانی یا دودھ وغیرہ کا استعمال کرنا، چند دنوں تک صرف دوپہر کو کھانا، دن میں صرف ایک بار کھانا کھانا وغیرہ۔

ہندو دھرم میں عام طور سے کرشن، رام اور پرہلاد کی تاریخ پیدائش کی مناسبت چاند کی ہر دسویں اور گیارہویں تاریخ کو اور چاند وسورج گرہن کے وقت روزہ رکھا جاتا ہے اور دسہرہ کے دن یا دنوں میں روزہ رکھنا پسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔

ہندو دھرم کی عبادات میں یاترا بھی شامل ہے۔ یاترا کا تصور دیگر مذاہب جیسے اسلام میں پایا جاتا ہے۔ ہندو دھرم میں یاترا صرف مقدس مقامات کی نہیں کی جاتی ہے بلکہ مذہبی رہنماؤں کی بھی زیارت کے لیے کی جاسکتی ہے۔

16.13 ہندو دھرم کے فرقے

شاید دنیا میں کوئی مذہب ایسا نہیں پایا جاتا ہے جس میں وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ فرقے نہ پیدا ہوئے ہوں۔ ہندو دھرم میں بھی متعدد فرقے پائے جاتے ہیں بنیادی طور پر ہندو دھرم دو فرقوں میں منقسم ہے:

1. وشنومت

ہندو دھرم کے معبودان میں وشنو کا شمار اہم معبودان میں ہوتا ہے۔ اس معبود کا ذکر ویدک ادب میں پایا جاتا ہے۔ ویدک ادب کے ابتدائی دور میں اس معبود کا ذکر ایک کم اہم معبود کی حیثیت سے ملتا ہے لیکن دھیرے دھیرے اس کی اہمیت بڑھتی چلی جاتی ہے اور ویدک ادب کے آخری دور میں اس معبود کو خدائے مطلق کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔

خدائے مطلق کا درجہ حاصل ہونے کی وجہ سے وشنو فرقے کے متبعین اسے برہما کی جملہ صفات سے متصف قرار دیتے ہیں اور اسے ہر مشکل سے چھٹکارا دلانے والا سمجھتے ہیں اور اس کی عبادت کو سب سے افضل قرار دیتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ جب دنیا میں چہار سو ظلمت پھیل جاتی ہے اور ظلم حد سے بڑھ جاتا ہے تو وہ کسی نہ کسی شکل میں اپنے متبعین کی مدد کے لیے سامنے آجاتے ہیں۔

پیروان وشنو کے اعتقاد کے مطابق وہ اب تک دس گیارہ اوتار کے روپ میں سامنے آچکے ہیں جن میں سب سے زیادہ اہم روپ رام وکرشن کا اوتار ہے۔ یہ فرقہ ان دونوں عظیم شخصیات کی پیدائش کی مناسبت سے دسہرا اور جنم اشٹمی جیسے اہم تہوار مناتا ہے۔ ساتویں آٹھویں عیسوی میں جنوبی ہند کے سنت شاعروں نے ان کی عقیدت میں ڈوب کر وہ منظوم سرمایہ ادب فراہم کیا جس میں انہیں حقیقی معبود قرار دیا گیا ہے اور متبعین کو ان سے والہانہ طور پر وابستہ ہونے پر ابھارا گیا ہے۔ ان ہی دو شخصیات نے ہندومت کو مقبول عام بنانے کا سہرا انہیں دونوں شخصیات کے سر بندھتا ہے۔ اس فرقے کی عبادت گاہیں ہندوستان کے طول وعرض میں پائی جاتی ہیں۔

2. شیومت

معبود شیو کا شمار ہندوستان کے قدیم ترین دیوتاؤں میں ہوتا ہے۔ ایک طرف اس دیوتا کی خصوصیات رکھنے والے کچھ آثار موہن

جوڈارو کی کھدائی کے دوران ملتے ہیں تو دوسری طرف قدیم ترین ویدک ادب میں شیو سے ملتے جلتے ایک دیوتا رودر کا ذکر ملتا ہے۔ رامائن اور مہابھارت میں جن دیوی دیوتا کا ذکر بھرپور انداز میں ملتا ہے ان میں شیو کو ایک خاص مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ ہندو دھرم کا یہ فرقہ پُرانوں کے عہد سے لے کر جدید دور تک ایک ذیلی روایت کی حیثیت سے خوب پھولا پھلا۔ مت سا، کرما، لنگ، وایو سکندا اور اگنی جیسے پُرانوں کو اس فرقے کیا اہم دستاویزات قرار دیا جاتا ہے جن میں اس فرقے کے مشہور نظریات کا علم ہوتا ہے۔

وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ برہمنی مت میں شیو کا درجہ استناد بڑھتا چلا گیا جس کی ذمہ داری اشیا کو ہلاک و برباد کرنا ہے۔ شیو کو طاقت و قوت کا مظہر بھی قرار دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اسے مہادیو یعنی سب سے بڑا خدا بھی کہا جاتا ہے کہ وہ طاقت کے زور پر دیگر تمام معبودان پر اور علم کی بنا پر تمام سادھوؤں اور سنتوں پر غالب آگیا تھا۔ شیو اپنی آٹھ مستند و مشہور صورتوں - سرو، بھاؤ، پشوپتی، ایشنا، بھیم، ردر، ارگا اور مہادیو- میں اپنے معتقدین کی نگاہوں کا مرکز بنتے رہے ہیں۔

شیو مت کے متبعین کے عقیدہ کے مطابق نہ تو اس کا وجود ہے اور نہ ہی عدم بلکہ وہ ہر شئ پر محیط ہے۔ اس مت کو ماننے والے آسودگی کے مقابلہ میں بھوکے رہنے کو ترجیح دیتے ہیں اور انتہائی ویران اور وحشت ناک جگہوں پر رہنے کو پسند کرتے ہیں اسی وجہ سے شمشان گھاٹ میں گھنٹوں وقت گذارنا شیو کے متبعین کی نظروں میں پسندیدہ عمل ہے۔ یہ فرقہ بھی ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلا ہوا ہے اور ان کی عبادت گاہیں جابجا موجود ہیں جن میں بعض ماقبل مسیح دور کی بھی ہیں۔

16.14 ہندو دھرم کی مشہور و مقدس ہستیاں

ہر دھرم و مذہب میں بعض شخصیات ایسی ہیں جنہیں ہر زمانہ میں تقدس کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور ان کے ادب و احترام میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی جاتی ہے۔ اس دھرم کی مشہور و مقدس شخصیات کے اردگرد دیومالائی کہانیوں کا ایسا دبیز ہالہ ملتا ہے کہ یہ کہنا مشکل ہو جاتا ہے کہ اس میں کتنی حقیقت ہے اور کتنا فسانہ۔

اس دھرم کی مشہور و مقدس شخصیات میں شری رام چندر، شری کرشن، سیتا، رادھا، رکھ مینی، لکشمی، پاروتی، سرسوتی، ارجن، گنیش، راجہ دشرتھ، راجہ جنک، لکشمن، ہنومان، دروپدی، سداما، بلرام، دیوی، منو، راون، کورو، پانڈو، سکندا، نارد، گوری، کالی، برہما، اگنی، اندر، سوریہ، ورن، وایو، پاما، ہرن یا گربھا، ردر، سوم، برہسپتی، اوشا جیسی شخصیات ہیں جن میں زیادہ تر مثبت اور چند ایک منفی کردار کی حامل ہیں۔

16.15 ہندو فقہ اور ہندو دھرم کے عائلی قوانین

ہندو فقہیات کے مطابق انسانی زندگی کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاتا اور ہر حصہ پچیس سال پر مشتمل ہوتا ہے۔ منوسمرتی میں انسانی زندگی کے ہر دور کے احکام تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ان ادوار کو بالترتیب برہم آچاریہ آشرم (تعلیم و تربیت کا دور)، گرہست آشرم (عائلی زندگی)، وان پرستھ آشرم (جسمانی و روحانی تربیت کا دور) اور سنیاس آشرم (عہد رہبانیت)۔

ہندو دھرم کے عائلی قوانین، اسلام کے بعض عائلی قوانین سے کچھ ملتے جلتے ہیں کہ ہندو دھرم میں بھی نکاح، تعدد ازواج، نکاح

بیوگان، قریبی رشتہ داروں سے شادی نہ کرنا، متعہ کی اجازت، پردہ اور حالت حیض میں مباشرت نہ کرنے کے قوانین پائے جاتے ہیں۔

16.16 ہندو دھرم کے مشہور تہوار

ہر مذہب کی طرح ہندو دھرم میں مختلف تہوار منائے جاتے ہیں اور مخصوص پس منظر رکھتے ہیں۔ ہندو دھرم کے مشہور تہوار حسب ذیل ہیں:

1. دیوالی

ہندو دھرم کا سب سے اہم تہوار دیوالی ہے۔ اس تہوار کی ایک خاص بات یہ کہ وہ جس تزک واحتشام اور عقیدت واحترام کے ساتھ ہندو دھرم میں منایا جاتا ہے اسی طرح جین مت (دیوالی کے دن مہاویر کا نروان حاصل کرنے کے سبب) اور سکھ مت (دیوالی کے دن اورنگ زیبؒ کا سکھ گرو گوونڈ کو گوالیار کی جیل سے رہا کرنے کے سبب) میں بھی منائے جاتے ہیں۔

دیوالی سنسکرت لفظ ہے جس کے معنی چراغوں کی قطار ہے۔ اس تہوار کو دیپاولی، دیپالکا، سکھ راتری، پکر راتری اور سکھ پتیکا کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

پانچ دنوں پر مشتمل دیوالی کا تہوار کاتک مہینہ (اکتوبر یا نومبر) میں منایا جاتا ہے اور اس کا آغاز یم راج کی پوجا سے ہوتا ہے تاکہ اچانک موت سے محفوظ رہا جاسکے لیکن اس تہوار میں چاند کی پندرہویں شب اماوس کو خاص اہمیت حاصل ہے کہ اسی دن لکشمی، کبیر اور گنیش کی پوجا ہوتی ہے۔ ملک کے مختلف حصوں میں یہ رات مختلف مختلف انداز میں منائی جاتی ہے۔ چوتھے دن جوا کھیلا جاتا ہے کہ اس دن کی جیت وہار پورے سال پر محیط مانی جاتی ہے اور پانچویں دن اور آخری دن کو بھیا دوج سے موسوم کیا جاتا ہے کہ اس دن بہنیں بھائیوں کی پوجا کرتی ہیں۔

2. ہولی

بنگال کو چھوڑ کر یہ تہوار ہندوستان کے اکثر حصہ میں دو دنوں تک منایا جاتا ہے۔ پہلے دن آگ جلا کر کرشن جی کی پوجا کی جاتی ہے جب کہ دوسرے دن گلال اور رنگ دار پانی کے ساتھ ہولی کھیلی جاتی ہے۔ ہولی ملک کے مختلف حصوں میں مختلف انداز میں منائی جاتی ہے۔ مغربی بنگال میں ہولی کو ڈول جاترا کہا جاتا ہے اور اسے بھگوان وشنو سے متعلق مانا جاتا ہے۔ ہولی کا تہوار چیت (فروری یا مارچ) میں منایا جاتا ہے اور بغض وکینہ، دشمنی اور عداوت کو بھول کر محبت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ ایک دوسرے پر رنگ پھینک کر، ایک دوسرے کو مبارک باد دے کر اور مٹھائی کھا کر اور کھلا کر ایک دوسرے سے اپنی محبت کا اظہار کیا جاتا ہے۔

3. دسہرہ (وجیہ دشمی)

دیوالی اور دسہرہ میں خاص وعام کی مناسبت پائی جاتی ہے کہ دیوالی اور دسہرہ منانے کے اسباب تقریباً یکساں ہیں۔ دیوالی رام جی کی ایودھیا آمد پر روشن کیے جانے والے چراغاں کا گویا تسلسل ہے تو دسہرہ رام جی کے دوبارہ تخت پر براجمان ہونے کی خوشی میں منایا جاتا

ہے۔ مذاہب عالم: ایک مطالعہ کے مصنف نے اس تہوار کو دسہرہ سے اس لیے موسوم کیا جاتا ہے کہ اس دن دیوی کی پوجا کی وجہ سے دس گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

ستمبر یا اکتوبر میں ملک کے مختلف حصوں میں دسہرہ مختلف ناموں سے منایا جاتا ہے لہذا اسے نوراتری، رام لیلا اور درگا پوجا سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ دسہرہ کو نوراتری سے اس لیے موسوم کیا جاتا ہے کہ نوراتوں میں دیوی کی پوجا کی جاتی ہے اور دسویں دن دیوی کا جشن منایا جاتا ہے۔ دسہرہ میں پوجی جانے والی دیوی کے بیک وقت کئی روپ ہیں کہ کبھی وہ کالی کا روپ رکھتی ہے تو کبھی جگ دمبا کی شکل میں اختیار کر لیتی ہے تو کبھی پاروتی بن جاتی ہے۔

بنگال میں دسہرہ کو درگا پوجا کے نام سے منایا جاتا ہے۔ شمالی ہندوستان اور بنگال میں منائے جانے والے اس تہوار میں صرف یہ فرق پایا جاتا ہے کہ ملک کے دونوں حصوں میں دسہرہ یا درگا پوجا کے ابتدائی نو دنوں تک دیوی کی پوجا کی جاتی ہے لیکن دسویں رات شمالی ہند میں دیوی کا جشن منایا جاتا ہے جب کہ بنگال میں اسے ڈبو دیا جاتا ہے۔

دس روزہ اس تہوار میں نو روز پر اسٹیج پر یا کسی بھی جگہ پر رام کی شخصیت اور ان کے کارناموں کا ذکر کیا جاتا ہے اور دسویں دن راون، اس کے بھائی کمبھ کرن اور اس کے بیٹے اندر جیت کے پتلے اس بات کے اظہار کے لیے نذر آتش کیے جاتے ہیں کہ اسی دن رام جی ان پر فتح پائی تھی۔

4. رام نومی

رام نومی، رام چندر جی کی تاریخ پیدائش کی مناسبت سے منائی جاتی ہے۔ یہ تہوار چیت (مارچ یا اپریل) کی پندرہ تاریخ میں منایا جاتا ہے۔ رام چندر جی، وشنو جی کے ساتویں اوتار ہیں اور ان کی پیدائش دوپہر میں ہوئی تھی لہذا وشنومت کے مندروں میں دوپہر ہوتے ہی پجاری جھولے میں ناریل رکھ کر ان کے جنم کا اعلان کرتے ہیں اور عقیدت مندوں میں سونٹھ اور شکر تقسیم کی جاتی ہے۔ رام نومی کے دن اپواس (روزہ) رکھنا بہتر قرار دیا جاتا ہے کہ ہندومت میں اس دن اپواس رکھنے کے بڑے فضائل بیان کیے گئے جیسے انسان کی خواہشات کا پورا ہونا اور نجات حاصل کرنا وغیرہ۔

رام نومی کی مناسبت سے مندروں میں آٹھ دنوں تک رامائن کتھا پڑھی جاتی ہے اور رام کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کو، خاص طور پیدائش سے متعلق روایات کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ رام جی کے یوم پیدائش کو عوامی تہوار میں تبدیل کرنے کا سہرا سترہویں صدی کے گرو رام داس (1608-1681) کے سر بندھتا ہے۔

5. جنم اشٹمی

یہ تہوار کرشن جی کے یوم پیدائش کی مناسبت سے منایا جاتا ہے جو بھگوان وشنو کے آٹھویں اوتار ہیں۔ یہ تیوہار بھدرا پاڈایا بھادو (اگست یا ستمبر) میں منایا جاتا ہے۔ کچھ لوگ اسے کنس کے قتل سے جوڑتے ہیں کہ اس کے قتل کی خوشی میں یہ تیوہار منایا جاتا ہے۔ ہندوستان کے جن حصوں میں کرشن بھکتی زیادہ پائی جاتی ہے وہاں جنم اشٹمی کو بہت دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔

جنم اشٹمی کے دن ہندو دھرم کے متبعین آدھی رات تک برت رکھتے ہیں اور ہر ایک وشنو مندر میں اور گھروں میں کرشن جی جھانکی سجائی جاتی ہے اور پرانوں میں مذکور اس حصہ کو پڑھا اور سنا جاتا ہے جس میں کرشن جی کی پیدائش کے واقعات مذکور ہیں۔

6. گنیش چترتھی / گنپتی

ہندو دھرم میں یہ تہوار بھگوان گنیش کے جنم دن کی مناسبت سے منایا جاتا ہے۔ ہندو مت کی روایات کے مطابق پاروتی کافی دنوں تک ماں نہیں بن سکی تھیں لیکن ان کی مسلسل پوجا سے متاثر ہو کر وشنو نے ان کے پیٹ سے ایک خدا پیدا کرنے کا فیصلہ کیا۔ پاروتی نے بیٹے کی پیدائش پر تمام دیوی و دیوتا کی دعوت کی وہ سب آئے اور انہوں نے مبارک باد بھی دی لیکن شنی نہیں آئے تو پاروتی نے ان سے نہ آنے کا سبب پوچھا تو انہوں نے اپنی بیوی کے اس شراپ کا ذکر کیا۔ شراپ کا سن کر پاروتی نے فخریہ انداز میں کہا کہ میرا بیٹا خود وشنو ہیں جو امر ہیں۔ یہ سن کر شنی نے ان کا سر تن سے جدا کر دیا جو فضا میں اڑ گیا۔ یہ دیکھ کر پاروتی نے اسے شراپ دے دی اور وہ ایک بدنما جانور میں تبدیل ہو گیا۔ دوسرے دیوتا بچہ کا سر ڈھونڈنے نکلے لیکن ناکام رہے۔ مجبور ہو کر ایک دیوتا نے سوتے ہوئے ایک ہاتھی کی گردن کاٹ کر اسے بچہ کے سر پر لگا دیا، بچہ تو زندہ ہو گیا لیکن یہ شکل پاروتی کو پسند نہیں لہذا بھگوان ویشنو نے ان کی دلجوئی کرتے ہوئے کہا کہ وہ اس بدصورت بچے کو بھی عظمت بخش دے گا لہذا انہوں نے انہیں سب کا سردار بنا دیا جسے گنیش (عوام کا سردار) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور انہیں تمام چھوٹے دیوی و دیوتا کے عظیم قرار دیا جاتا ہے۔

یہ تہوار پورے ملک میں خصوصا مہاراشٹر میں بہت جوش و خروش کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ اس تہوار میں گنیش کی مورتی کی پوجا تین دن، سات دن، نو دن یا گیارہ دن کی جاتی ہے، اس کے سامنے بھجن گائے جاتے ہیں، دودھ و پھل وغیرہ نذر کیے جاتے ہیں اور پوجا کے آخری دن مورتی کو ایک جلوس کے ساتھ تالاب، دریا یا سمندر میں ڈبو دیا جاتا ہے۔

ملک کے بعض حصوں میں گنیش جی کو فصل کا دیوتا مانا جاتا ہے لہذا ان کو ڈبونے سے پہلے اس کی تھوڑی سی مٹی لوگ گھر لاتے ہیں اور اسے اناج کے کھلیانوں اور کوٹھوں میں برکت حاصل کرنے کے لیے ڈال دیتے ہیں۔

7. رکھشابندھن / راکھی / سلونو

شروان / ساون (جولائی یا اگست) کے مہینہ یہ تیوہار رکھشا بندھن / راکھی کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ اس دن بہن بھائی کی پیشانی پر چندن کا ٹیکہ لگاتی ہے اور دائیں کلائی میں راکھی باندھتی ہے اور مٹھائی کھلاتی ہے اور بھائی بہن کے سر پر ہاتھ رکھ کر آشیرواد دیتا ہے اور تحفہ میں کچھ نقد رقم دیتا ہے۔ یہ تہوار دراصل اس بات کا غماز ہے بھائی ہر مشکل گھڑی میں بہن کا محافظ ہوتا ہے۔ جنوبی ہند میں اسے سلونو کہتے ہیں۔

8. مہاشیوراتری

اس تہوار کا شمار بھی ہندو دھرم کے بڑے تہواروں میں ہوتا ہے۔ شیو جی کی پوجا کے لیے مخصوص یہ تہوار ماگھ (جنوری یا فروری) کی چودھویں رات کو منایا جاتا ہے کہ اسی دن ان کی شادی پاروتی سے ہوئی تھی۔ ہندو دیومالا کے مطابق شیولنگ کے ذریعہ اسی دن

کائنات وجود میں آئی تھی۔ یہ تہوار پورے ملک میں، خاص طور سے شیو فرقے سے تعلق رکھنے والے مندروں میں کافی جوش وخروش اور دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔

16.17 ہندو دھرم کی معروف زیارت گاہیں

دیگر مذاہب کی طرح ہندو دھرم میں بھی ایسے مقامات پائے جاتے ہیں جن کی زیارت احترام اور عقیدت سے کی جاتی ہے اور اسے مذہبی زندگی کا ایک اہم حصہ سمجھا جاتا ہے جس کی تکمیل کرنے کو ہر اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہے۔ ہندو دھرم کی معروف زیارت گاہوں میں ایودھیا، متھرا، ہری دوار، پریاگ، وارانسی، بدری ناتھ (اترپردیش)، اجین (مدھیہ پردیش)، پنکاوتی (ناسک، مہاراشٹر)، دوارکار (جمنا نگر، گجرات)، کروکشیتر (ہریانہ)، رامیش ورم (رام ناتھ پورم، تامل ناڈو)، امرناتھ (کشمیر)، جگن ناتھ پوری (اڑیسہ) نامی مقامات شامل ہیں۔

16.18 ہندو دھرم کے مشہور مصلحین اور مبلغین

ہر دھرم ومذہب اپنے مصلحین اور مبلغین کی وجہ سے ہی زندہ رہتا ہے۔ جس مذہب کے مصلحین اور مبلغین ختم ہو جاتے ہیں وہ مذہب بھی بتدریج ختم ہوتا چلا جاتا ہے اور آخر ایک دن ایسا آتا ہے کہ وہ تاریخ مذاہب کا ایک حصہ بن کر رہ جاتا ہے۔ ہندو دھرم کے مصلحین اور مبلغین ہر زمانہ میں پائے جاتے رہے ہیں جنہوں نے اسے زندہ وجاوید بنانے میں اپنی ساری طاقت اور توانائی لگادی تھی اور اس کے فروغ کے لیے اپنی اپنی زندگی تج کر کے رکھ دی تھی۔ ان شخصیات میں شنکر اچاریہ (788-820ء)، رامانج (1017-1137ء)، مادھو (1198-1276ء)، رامانند (1299-1410ء)، میرا بائی (1458-1543ء)، چیتنیہ مہاپربھو (1485-1533ء)، رام موہن رائے (1774-1833ء)، سوامی دیانند سرسوتی (1824-1883ء)، رام کرشن پرم ہنس (1836-1886ء)، سوامی وویکا نند، مہاتما گاندھی (1869-1948ء)، شری آربندو گھوش (1872-1959ء) اور شری رمن مہارشی (1886-1950) جیسی شخصیات شامل ہیں۔

16.19 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- مذہب ایک عربی لفظ ہے جس سے مراد وہ راستہ ہے جس پر انسان چلتا ہے۔ محققین نے مذہب کی مختلف تعریف کی ہے لیکن ان سے مذہب کا کوئی جامع تصور سامنے نہیں آتا ہے اور اس کا اطلاق پوری نوع انسانیت پر نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ان میں کوئی نہ کوئی خامی اور کمی پائی جاتی ہے۔
- ہندو دھرم کا تصور عبادات، دیگر مذاہب کے تصور عبادات سے ملتا جلتا ہے۔ ہندو دھرم میں مختلف دیوی ودیوتا اور مظاہر فطرت کے ساتھ گائے کی بھی پوجا کی جاتی ہے۔ ہندو دھرم میں عبادت بنیادی طور پر یگیہ، پوجا، روزہ اور یاترا پر مشتمل ہے۔
- یگیہ اور پوجا کی حیثیت تقریباً ایک جیسی ہے کہ یگیہ میں کسی متعین مقام پر آگ جلا کر دیوتاؤں کو اپنی طرف متوجہ کیا جاتا ہے اور

اپنے گناہوں کے کفارہ کے لیے ویدوں اور اپنشدوں کے مخصوص منتر پڑھے جاتے ہیں۔ اس عمل کا مقصد اقتدار کو مضبوط کرنا اور معبودوں کا شکر گذار ہونا ہے۔ یگیہ کا یہ عمل صرف برہمن کے توسط سے کیا جاسکتا ہے۔

- ہندو دھرم ہزاروں سال پرانا بلکہ قدیم ترین مذہب ہے لیکن اس کا تعلق آسمانی مذاہب سے نہیں ہے۔ یہ مذہب اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس کی تعلیمات میں جتنا تضاد پایا جاتا ہے وہ دنیا کے کسی بھی بڑے مذہب میں نہیں پایا جاتا ہے۔ اس تضاد کے باوجود دنیا کے مختلف خطوں میں اس مذہب کو ماننے والے پائے جاتے ہیں۔ ہندو مذہب کا سب سے بڑا مرکز ہندوستان ہے۔ ہندوستان کے علاوہ اس مذہب کے متبعین دنیا کے مختلف ممالک میں پائے جاتے ہیں جن میں امریکہ، نیپال، سری لنکا، بھوٹان، فیجی، پاکستان، بنگلہ دیش، انڈونیشیا اور دبئی وغیرہ شامل ہیں

16.20 نمونہ امتحانی سوالات

16.20.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. ہندو دھرم کی نشاۃ ثانیہ کس کے ہاتھوں سے ہوئی تھی؟

(a). گاندھی جی (b). شنکر آچاریہ (c). سوامی وویکانند (d). راجہ رام موہن رائے

2. بھکتی تحریک کا آغاز کس عہد میں ہوا تھا؟

(a). برطانوی عہد (b). اسلامی عہد (c). عہد حاضر (d). ان میں کوئی نہیں

3. مشہور روایت کے مطابق اب تک کتنے اوتار آچکے ہیں؟

(a). دس (b). بارہ (c). پندرہ (d). بیس

4. ویدک ادب میں شامل کی جانے والی کتابوں کی تعداد کتنی ہے؟

(a). چار (b). پانچ (c). آٹھ (d). دس

5. رِگ وید میں سب سے زیادہ کس دیوتا کا ملتا ہے؟

(a). وایو (b). سوریہ (c). اندر (d). اگنی

16.20.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. برہمنی مت اور ہندو مت کا مختصر اتعارف کرائیں۔
2. شرتی اور سمرتی کتابوں پر ایک مختصر نوٹ لکھیے
3. ہندو دھرم کے تصور عبادات پر روشنی ڈالیے۔
4. ہندو دھرم کے مشہور مصلحین و مبلغین پر ایک نوٹ لکھیے۔

5. رام نومی پر ایک نوٹ لکھیے۔

16.20.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. زمانی اعتبار سے ویدک ادب کو کن کتابوں پر مشتمل بتایا جاتا ہے؟ ایک تعارفی نوٹ لکھیں۔
2. موضوعاتی اعتبار سے ویدک ادب کو کتنے حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے؟ ایک تعارفی نوٹ لکھیں۔
3. ہندو دھرم کے مشہور فرقوں پر ایک نوٹ لکھیں۔

16.21 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. مذاہب عالم–ایک معاشرتی وسیاسی جائزہ از احمد عبداللہ المسدوسی، مکتبہ خدام ملت، کراچی، اگست 1958ء۔
2. مطالعہ مذاہب از ڈاکٹر محسن عثمانی، قاضی پبلیشرز وڈسٹری بیوٹرز، نظام الدین ویسٹ، دہلی-13، 1988ء۔
3. ہندووں کے اوتار از لالہ بالکشن بترہ ابرؔ، خدا بخش لائبریری، پٹنہ، 1993ء۔
4. ہندو دھرم–ایک مطالعہ از محمد فاروق خان، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی-6، 1981ء (غالبا)۔
5. ہندو دھرم، سنگھ پریوار اور مسلمان از ڈاکٹر احسان اللہ فہد، شعبہ دینیات (سنی)، ویمنس کالج، اے ایم یو، علی گڑھ، 2017ء۔
6. گگن (مذاہب عالم نمبر)، ایڈیٹر شمس کنول، جلد:22، شمارہ:1-6،، مارچ 1984ء کامبے کراسٹریٹ، بمبئی-3۔
7. نگار (مذاہب عالم نمبر)، ایڈیٹر نیاز فتح پوری، جلد:69، شمارہ:1-2، جنوری-فروری 1956ء، لکھنو